اسلام اور موسیقی

تالیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان

شرح و تحقیق

محمد عبد المعز

استاذ و رفیق شعبہ تصنیف و تالیف دار العلوم کراچی



مکتبہ دار العلوم کراچی

اسلام اور موسیقی

تألیف

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ
مفتیٔ اعظم پاکستان

شرح و تحقیق

محمد عبد المعز

مکتبۂ دار العلوم کراچی ۱۴

طبع جدید --- صفر ۱۴۲۳
باہتمام --- محمد قاسم
ناشر --- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی
دارالاشاعت اردو بازار کرچی
ادارۃ المعارف احاطہ دارالعلوم کراچی
بیت الکتب گلشن اقبال کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انار کلی لاہور

انتساب

میں اپنی اس حقیر سی علمی کاوش کو اپنے محترم و مشفق استاد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں، جن کی شفقت و عنایت سے میں اس لائق ہو سکا کہ قلم اٹھا سکوں، اور جنہوں نے دورانِ تحریر ہر مشکل موقع پر میری علمی اور فکری رہنمائی فرمائی۔

محمد عبدالمعز

فہرست مضامین

مقدمہ از مترجم

اسلام اور فطری تقاضے

تفریح ــــ ایک فطری تقاضا

مفاسد اور مضرات

اسلام اور موسیقی

باب اوّل دلائلِ حرمت

آیاتِ قرآنی

احادیثِ نبویؐ

باب دوم دلائل اباحت
آیات قرآنی

احادیث نبوی اور آثار صحابہ

دوسری تطبیق

باب چہارم مذاہب اربعہ اور صوفیاء کی آراء

فقۂ حنفی

★

فقۂ شافعی

فقۂ مالکی

فقۂ حنبلی۔

صوفیاء کرام کی آراء

باب پنجم معتدل فیصلہ

اختلافِ ائمہ کی بنیاد

معتدل روش

تکملہ از مترجم

ذوقِ جمال کی تسکین

روح کی غذا

اجزاء کی اباحت

خوش الحان پرندوں کی آواز

جنت میں موسیقی

ضعیف احادیث

مزامیرِ داود

عملِ اکابر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

پیشِ لفظ

از: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

کسی شدید بیماری کا سب سے سنگین درجہ ہوتا ہے جب بیمار اس کو بیماری تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ یا اس کے مرض ہونے کا احساس اس کے دل سے مٹ جائے۔ یہ کلیہ جسمانی بیماریوں کے بارے میں جتنا درست ہے، روحانی امراض یا گناہوں کے بارے میں بھی اتنا ہی سچا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بہت سی بُرائیاں ایسی رواج پا گئی ہیں کہ گھر گھر اُن کا چلن دیکھ کر اب دلوں سے اُن کے برائی ہونے کا احساس بھی مٹ رہا ہے، اور افسوس تو یہ ہے کہ معاشرے کے دینی رہنما بھی تھک ہار کر اُن کے بارے میں کہنا سُننا چھوڑتے جا رہے ہیں۔

انہی بُرائیوں میں سے ایک برائی موسیقی اور طاؤس و رباب کا عام استعمال ہے جس کی آوازوں سے آج کانوں کو بچانا مشکل ہو گیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جو شخص گانے باجے کا پیشہ اختیار کرتا وہ "میراثی" کہلاتا تھا، اور معاشرے میں

اُسے کوئی باعزت مقام نہیں ملتا تھا، لیکن آج اس پیشے کو اختیار کرنے والا "فنکار" کہلاتا ہے، اور دولت وشہرت کے بامِ عروج تک پہنچتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ جو کوئی مسلمان ساز و سرود کا شوقین ہوتا، وہ اکثر چھپ چھپ کر اپنا یہ شوق پورا کرتا، اور کبھی اس کے دل میں ندامت کا احساس بھی پیدا ہو جاتا تھا، لیکن اب اپنے اس "ذوق" پر ندامت تو کیا ہوتی؟ اُلٹا فخر محسوس کیا جاتا ہے۔

قیامِ پاکستان سے پہلے کے وہ واقعات لوگوں کو اب بھی یاد ہونگے کہ جب کبھی کسی غیر مسلم کی طرف سے مسجد کے سامنے آلاتِ موسیقی کے استعمال کی غلطی سرزد ہو جاتی تو مسلمان اُسے مسجد کے تقدس پر حملہ قرار دیکر اس اقدام کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاتے، اور جان تک دینے سے دریغ نہ کرتے تھے، لیکن آج وہی مسلمان یا ان کے فرزند عین نمازوں کے اوقات میں مسجد کے سامنے فحش فلمی گانے بجاتے ہیں، اور کسی کے کان پر جُوں نہیں رینگتی۔

دینی اور اخلاقی انحطاط کے اس دور میں ایک گروہ مسلسل اس شکست خوردہ ذہنیت کے پرچار میں مصروف ہے کہ معاشرے میں جو بُرائی بھی کثرت سے رواج پاتی جائے اُسے حلال کرتے جاؤ، گویا جو بیماری پھیل کر وبائے عام کی شکل اختیار کرلے، اُسے بیماری ماننے ہی سے انکار کردو، اور ضمیر کی جو آواز کبھی کبھی اُبھر کر عیش ونشاط میں خلل ڈال سکتی تھی، اُسے جھوٹی تسلیوں سے تھپک تھپک کر سلادو۔

زمانے کے اُلٹے بہاؤ پر بہنے اور مصنوعی تاویلات کے ذریعے اُسے برحق قرار دینے کا یہ طرزِ عمل موسیقی کے بارے میں بھی اختیار کیا جا رہا ہے، اور علماء کو بڑے زور و شور کے ساتھ یہ مشورے دیئے جا رہے ہیں کہ چونکہ موسیقی

کی وبا گھر گھر پھیل چکی ہے، اس لئے اب اُسے ناجائز قرار دینے کے فتوے واپس لے لینے چاہئیں، اور اُسے حلال طیّب قرار دید ینا چاہیئے۔ بلکہ بعض حضرات تو علماء کی اس "تنگ نظری" پر ملامت کرتے نہیں تھکتے کہ بیسویں صدی کے اس دور میں وہ موسیقی کو جائز کہنے پر کیوں آمادہ نہیں؟

ان "وسیع النظر" دانشوروں نے غالباً کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ اگر کسی چیز کے رواج عام سے مرعوب ہو کر اُسے درست تسلیم کرنے کا یہ سلسلہ شروع سے جاری ہوتا تو آج دنیا انبیاء علیہم السّلام کی پاکیزہ تعلیمات سے یکسر محروم ہوتی۔ انبیاء علیہم السّلام تو مبعوث ہی ایسے مواقع پر ہوتے ہیں جب بُرائیوں کا رواج بڑھ کر بظاہر ناقابلِ علاج نظر آنے لگتا ہے۔ لیکن وہ اس رواج عام کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بجائے اپنے عزم محکم اور جہدِ پیہم سے وقت کے دھارے کو موڑتے ہیں، اور زندگی کے آخری سانس تک باطل سے سمجھوتہ نہیں کرتے۔

ان "روشن خیال" حضرات نے کبھی اس پہلو پر بھی شاید غور نہیں فرمایا کہ بُرائیوں کے رواج عام کو ان کی سندِ جواز دینے کی رِیت معاشرے کو کہاں سے کہاں پہنچا سکتی ہے؟ اور مغرب کی جن اقوام نے اس رِیت کو اپنایا ہے وہ رفتہ رفتہ کس طرح انسانیت اور شرافت کی ایک ایک قدر کو نوچ کر پھینک چکی ہیں، اور "رواج عام" کی دلیل کی بدولت اُن کے جسم پر اخلاق و مروّت کا کوئی جامہ سلامت نہیں رہا۔

پھر انسان کسی گناہ کو گناہ سمجھ کر اس میں مبتلا ہو جائے، اور دل میں اپنے کئے پر نادم ہو، تو یہ اس بات سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ گناہ کرنے کے بعد اُس پر سینہ زوری بھی کرے، اور اُسے اپنی غلطی ماننے کے لئے تیار نہ ہو۔ پہلی صورت

میں گناہ صرف ایک ہے، اور عجب نہیں کہ ندامت کی بنا پر کبھی اُس سے تائب ہونے یا اُسے چھوڑنے کی توفیق بھی ہو جائے، لیکن دوسری صورت میں جتنا سنگین معاملہ گناہ کے ارتکاب کا ہے، اس سے کہیں زیادہ سنگین گناہ کو برحق ثابت کرنے کا ہے، ایسے شخص کو عموماً توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی، اور بعض صورتوں میں تو یہ سینہ زوری گناہ سے بڑھ کر کفر کی سرحد میں داخل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اُس سے محفوظ رکھے۔ آمین

موسیقی کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اُسے ناجائز سمجھنے کے باوجود اس میں مبتلا ہو جائے، اور دل میں یہ سمجھے کہ میں اپنی کم ہمتی کی بنا پر دنیا کے رواجِ عام کا مقابلہ نہیں کر سکا، تو شاید اُسے توبہ واستغفار کی توفیق بھی ہو جائے، لیکن جو شخص بیسیوں احادیث اور فقہاء امت کے اتفاق کے علی الرغم اُسے حلال قرار دینے کی فکر کرے، اُس کا معاملہ کہیں زیادہ سنگین ہے۔

احقر کے والد ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایسے ہی لوگوں کے لئے یہ رسالہ تالیف فرمایا، جس میں قرآن وحدیث، فقہاء امت کے اقوال، مستند صوفیائے کرام اور اصحابِ طریقت کے حوالوں سے موسیقی کی شرعی حیثیت واضح فرمائی، اور ثابت کیا کہ موسیقی قرآن وحدیث کی روشنی میں ناجائز ہے، اور فقہاء امت کے چاروں مکاتبِ فکر اس مسئلے پر متفق ہیں۔

یہ رسالہ دراصل حضرت والدِ ماجد قدس سرہ کی مبسوط عربی کتاب "احکام القرآن" کا جزء تھا، اس لئے عربی زبان میں لکھا گیا تھا۔

"احکام القرآن" وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کی تالیف کے لئے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے حضرت مولانا ظفر

احمد صاحب عثمانی رح، حضرت والد صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم کو منتخب فرمایا تھا۔ پیش نظر تھا کہ اس کتاب میں قرآن کریم سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام کو مفصّل دلائل کے ساتھ جمع کر دیا جائے، اور اس میں خاص طور سے اُن مسائل پر زیادہ توجہ دی جائے جن کی عصرِ حاضر میں زیادہ ضرورت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی مختلف منزلیں ان چاروں حضرات پر تقسیم کر دی گئیں۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی منزل، حضرت والد صاحب قدس سرہٗ نے پانچویں اور چھٹی منزل اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ نے ساتویں منزل کی تالیف مکمل فرمالی، اور یہ تینوں حصّے فی الجملہ شائع بھی ہو گئے۔ افسوس ہے کہ باقی تین منزلوں میں سے اکثر حصّے کی تو تالیف ہی مکمل نہیں ہوئی، اور ایک حصّہ جو حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم نے تحریر فرمایا تھا، ابھی تک شائع نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی تکمیل فرمادیں تو انشاء اللہ اپنے موضوع پر اس دور کا ایک عظیم کارنامہ ہوگا۔

چونکہ علمی اور تحقیقی مباحث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ کتاب عوام کے بجائے اہلِ علم کے کام کی تھی، اور اس کی افادیت صرف برِّصغیر کے لئے نہیں، بلکہ پورے عالمِ اسلام کے لئے تھی، اس لئے اس کتاب کی تالیف کے لئے عربی زبان کا بجا طور پر انتخاب کیا گیا تھا۔

حضرت والدِ ماجد قدس سرہٗ نے اپنے حصّے میں آیاتِ قرآنی کی تفسیر کے ذیل میں بعض اہم مسائل پر ایسے مفصّل رسائل تحریر فرمائے ہیں جو مستقل کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہی میں سے ایک رسالہ سورۃ لقمان کی ابتدائی آیات کی تفسیر کے ذیل میں موسیقی کے موضوع پر ہے جس کا نام "کشف العناء عن

وصف الغناء "ہے۔

اس رسالے میں موسیقی کے متعلق قرآن و سنّت کے احکام اور علماءِ امّت کے اقوال و تعامل کو جس بسط و تفصیل کے ساتھ حضرت والد صاحب قدس سرّہ نے ذکر فرمایا ہے، شاید عربی زبان کا کوئی اور رسالہ اس موضوع پر اتنا مبسوط مفصّل اور اطمینان بخش نہیں ہے۔

احقر کو مدّت سے تمنا تھی کہ "احکام القرآن" کے ان عربی رسالوں کا اردو میں ترجمہ کیا جائے، تاکہ اردو داں حضرات بھی ان سے مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ سب سے پہلے موسیقی کے موضوع پر اس رسالے کے ترجمے کے لئے احقر نے اپنے رفیق عزیز مولانا عبدالمعزّ صاحب (استاذ و رکن دارالتصنیف دارالعلوم کراچی) سے فرمائش کی، اور ساتھ ہی اصل کتاب پر تشریحی حواشی لکھنے کے لئے بھی عرض کیا، تاکہ آجکل اس سلسلے میں جو شکوک و شبہات دلوں میں پائے جاتے ہیں، ان کا ازالہ ہو سکے۔

الحمد للہ، عزیز موصوف نے نہایت قابلیت، عرق ریزی اور سلیقے کے ساتھ اس علمی کام کی تکمیل فرمائی ہے، انہوں نے اصل کتاب کا بڑا سلیس اور شگفتہ ترجمہ کیا ہے، جگہ جگہ تشریحی حواشی لکھے ہیں، تمام نامکمل حوالوں کو مکمل کیا ہے، احادیث کی تخریج کی ہے، اُن پر جرح و تعدیل کے نقطۂ نظر سے ضروری کلام کیا ہے، بہت سے نئے دلائل کا اضافہ فرمایا ہے، اور آجتک موسیقی کی اباحت پر جو دلائل پیش کئے گئے ہیں، یا اس کے ناجائز ہونے پر جو اعتراضات اُٹھائے گئے ہیں، تقریباً اُن سب کا کافی و شافی اور محققانہ جواب دیا ہے۔

کتاب کے آغاز میں ان کا مبسوط مقدمہ موسیقی کے عقلی اور تجرباتی پہلو پر ایک

مستقل مقالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ انداز بیان ماشاء اللہ علمی وادبی سلیقے کا آئینہ دار اور شگفتہ و دلکش ہے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ اگر طلبِ حق کے جذبے سے اس کتاب کو پڑھا جائے تو ان شاء اللہ یہ دلوں سے شکوک و شبہات دور کرے گی اور اس سے اسلام کے ایک اہم حکم کے بارے میں یقین و اعتماد پیدا ہوگا۔ اس موضوع پر اُردو میں جتنی کتابیں یا رسالے احقر کی نظر سے گذرے ہیں، بفضلہ تعالیٰ یہ کتاب اُن سب سے زیادہ مفصّل اور مدلّل اور محققانہ ہے۔

دل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی اس پہلی مستقل تالیف کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اس کو مسلمانوں کے لئے مفید اور نافع بنائیں اور عزیز موصوف کو اس قسم کے مزید علمی و تحقیقی کاموں کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

افسوس ہے کہ یہ کتاب والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی وفات کے بعد شائع ہو رہی ہے، قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کے مطالعے سے مستفید ہوں تو حضرت مصنّف قدس سرہٗ کے لئے دُعا و ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں، اور فاضلِ مترجم و شارح اور دارالعلوم کے خدّام کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

دارالعلوم کراچی ۱۴	محمد تقی عثمانی
۹ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ	خادم طلبۂ دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

حرفِ آغاز

اگر آج کی دنیا میں پائے جانے والی عام بے دینی اور الحاد، مذہب بیزاری اور قساوتِ قلبی کے اسباب کو تلاش کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سرِفہرست کھیل کود اور تفریحات میں حد سے زیادہ انہماک ہے۔

خصوصاً مسلمانوں کے زوال اور ان کی موجودہ حالت زار میں سب سے زیادہ ہاتھ اپنی رقص و سرود، لہو و لعب اور تفریحات و تعیشات کا ہے۔ آج جو مسلمانوں میں ہر طرف غفلت، بے عملی اور بے دینی پائی جاتی ہے، اور ان میں وہ روحانی طاقت نظر نہیں آتی، جو قرونِ اولیٰ میں پائی جاتی تھی تو اس کا بھی بہت کچھ سبب یہی سرود و موسیقی ہیں کہ ان میں لگ جانے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق "نفاق" پیدا ہو جاتا ہے۔

قرآنِ کریم، احادیثِ نبوی، صحابہ اور تابعین کے آثار، علماء اور صلحاء کے عمل اور امتِ مسلمہ کے مجموعی طرزِ عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ گانا بجانا اور موسیقی وغیرہ شریعتِ اسلامی میں قطعی حرام ہیں۔

اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک "رسالہ "کشف العناء عن وصف الغناء" کے نام سے عربی زبان میں لکھا تھا جو "احکام القرآن" حزب خامس کا جزو بن کر چھپ چکا ہے، ابتداءً احقر

نے اس رسالہ کا اُردو ترجمہ کیا، مگر پھر محسوس ہوا کہ اگر اس میں کچھ اضافے اور کر دیئے جائیں، تو انشاء اللہ یہ بہت مفید کتاب بن جائے گا۔

چنانچہ احقر نے اس پر تحقیقی اور علمی حواشی کا اضافہ کیا، اور جس جس مقام پر تفصیل و وضاحت کی ضرورت تھی وہاں شرح و بسط سے کام لیا، احادیث کی اسانید پر تفصیلی کلام کیا، جو احادیث و آثار حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے رہ گئے تھے ان کا اضافہ کیا، اور ائمہ اربعہ کے مذاہب میں بعض مفید حوالوں کو بڑھا دیا۔

علاوہ ازیں کتاب کے شروع میں ایک طویل مقدمہ کا اضافہ کیا، جس میں انسان کے فطری تقاضوں اور عقل اور وحی الٰہی کی روشنی میں اُن کا حل، موسیقی کے مفاسد و مضرات وغیرہ سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

نیز کتاب کے آخر میں تکملہ بھی بڑھا دیا، جس میں موجودہ دور میں موسیقی و غنا کی اباحت کے سلسلے میں دیئے جانے والے دلائل کا جواب اور اس سلسلے میں رائج الوقت تمام شبہات کا تفصیلی و تحقیقی جواب دیا گیا ہے۔

ناسپاسی ہو گی، اگر میں اپنے محترم و مشفق استاد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کا شکریہ ادا نہ کروں، جن کی عنایت و شفقت سے میں اس لائق ہو سکا کہ قلم اُٹھا سکوں، اور جنھوں نے دورانِ تحریر ہر مشکل موقع پر میری علمی اور فکری رہنمائی فرمائی، اور پھر ازراہِ مہربانی تمام کتاب کو اول سے آخر تک پڑھا، اور جہاں کہیں کوئی ادبی یا علمی خامی پائی اُسے درست فرمایا۔

احقر

محمد عبد المعز

۶ / ۱۲ / ۱۴۰۲ھ

مُقدّمہ

از

محمّد عبدالمعُزّ

"ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جس چیز کے بارے میں اُسے یقین ہو جائے، کہ خدا کے حکم اس سلسلے میں یہ ہے تو اُس پر عمل کرے، احکاماتِ الٰہی کی حکمتیں تلاش کرنا کسی مومن کا وظیفہ نہیں، ایک سچا مومن شخص تو ہمہ وقت احکاماتِ الٰہی کی تلاش میں رہتا ہے، نہ کہ اگر کوئی حکم مل بھی جائے تو اس کی حکمتوں کا متلاشی ہوتا ہے تا کہ اپنی عقل کو تسکین دے یا اس حکم کا دائرہ کار محدود کر دے"۔

اسلام اور فطری تقاضے

ہر انسان اس دنیا میں، بحیثیت ایک انسان کے، کچھ ایسی ضرورتیں اور تقاضے رکھتا ہے، جنھیں پورا کرنا لازم اور ناگزیر ہوتا ہے۔ چنانچہ اُسے بھوک لگتی ہے تو کھانا کھاتا ہے، پیاس لگتی ہے تو پانی پیتا ہے، سردی گرمی ستاتی ہے تو مکان بناتا ہے، جنسی خواہش ہوتی ہے تو صنفِ مخالف کی طرف مائل ہوتا ہے۔ کام کاج سے تھک جاتا ہے تو آرام کرتا ہے، ماحول سے اکتاتا ہے تو مسرّت انگیز تفریحات کا طلب گار ہوتا ہے، تشنگیٔ روح تنگ کرتی ہے تو تنہائی کا خواہاں اور عبادت گذار ہو جاتا ہے۔

بھوک پیاس، شہوت و آرام، تفریحات و عبادات یہ سب فطری تقاضے ہیں، جن کی تکمیل ہی صحیح اور متوازن زندگی کا ذریعہ ہے، لہٰذا ان تقاضوں کو پورا نہ کرنا سخت ظلم و زیادتی ہونے کے علاوہ خود فطرت سے بھی لڑنا ہے لیکن یہاں بہت اہم اور بنیادی سوال یہ ہے، کہ ان فطری تقاضوں کو کس طرح پورا کیا جاتے؟ آیا اُن کی تسکین کے لئے کچھ حدود و قیود اور قواعد و ضوابط ہیں یا نہیں؟ یا انسان بالکل آزاد ہے کہ جب کوئی تقاضا ہو تو جس طرح چاہے اُسے پورا کرلے؟

مثلاً فرض کیجئے مجھے بھوک لگ رہی ہے، اور میرا پیٹ خالی ہے، تو کیا میں اس تقاضے کو پورا کرنے میں بالکل آزاد ہوں؟ مجھے یہ حق حاصل ہے کہ اپنے ہمسائے کے گھر پہ ڈاکہ ڈالوں اور اپنا پیٹ بھر لوں؟ یا میرے لئے ضروری ہے کہ اپنے مال ہی سے اپنی حاجت پوری کروں؟ اور کیا میرے لئے ضروری ہے کہ پیٹ بھرنے کے لئے ایسی چیزیں کھاؤں جو فائدہ مند اور مقوّی ہوں یا مضر صحت اشیاء کا کھا لینا بھی درست ہے؟ نیز مالی فراوانی کی صورت میں کیا یہ لازم ہے حاجت کے مطابق ہی کھاؤں یا حد سے زیادہ ٹھونسنا بھی کہ بدہضمی کا سبب بن جائے، جائز ہے؟

آپ ان تقاضوں کے بارے میں جتنا غور کریں گے، اسی قدر یہ بات واضح ہوتی جائے گی کہ نہ صرف انھیں پورا کرنا ضروری ہے، بلکہ انھیں پورا کرنے کے لئے کچھ حد بندیاں اور قیود بھی ہیں۔ جن کا لحاظ نہ رکھنا فرد کے لئے بھی نقصان دہ اور مضر ہے اور اکثر اوقات پورے معاشرے کے لئے بھی تباہ کن اور ہلاکت آفریں بن جاتا ہے۔

اس سے پہلے کہ یہ بتایا جائے کہ ان تقاضوں کے سلسلے میں صحیح، فطری اور اسلامی طریقہ کار کیا ہے، یہ جان لینا مفید ہوگا، کہ انسان ان کے ساتھ اپنی طویل زندگی میں کیا سلوک کرتا رہا ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ انسان جب کبھی وحی الٰہی سے بے نیاز ہوا ہے، اور اپنی عقل و دانش پر غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہوا ہے تو اکثر و بیشتر ان فطری تقاضوں کو سمجھنے اور خود اپنے آپ کو پہچاننے میں افراط و تفریط کا شکار ہوا ہے اور راہِ صواب پانے میں ناکام رہا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی تو انسان نے اس دنیائے فانی ہی کو سب کچھ سمجھا ہے، اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے دنیا کی ہر چیز سے تمتع اور لطف اندوزی کو اپنی زندگی کا

مقصد بنا لیا ہے۔ حتیٰ کہ اس بات کا بھی کوئی خیال نہیں رکھا ہے کہ کون سی چیز جائز طریقہ سے حاصل ہو رہی ہے اور کون سی ناجائز طریقہ سے۔ کون سی چیز اس کے لئے مفید ہے اور کون سی مضر اور کون سی چیز ایسی ہے جو وقتی طور پر اور ظاہر میں تو مفید ہے، مگر انجام کار اور بباطن خود اس کے لئے بھی اور معاشرے کے لئے بھی مضر ہے۔ اس نے بس ایک ہی مقصد سامنے رکھا ہے یعنی ان تقاضوں کی تکمیل و تسکین اور ان سے لطف اندوزی اور لذت کوشی۔ یہی وجہ ہے کہ جس چیز سے بھی اس کا تقاضا پورا ہوا اور لذت حاصل ہوتی اُس نے اس سے فائدہ اُٹھایا اور اس کے حصول کے لئے ہر ممکن طریقہ کو اختیار کیا، حتیٰ کہ بعض اوقات اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کی حق تلفی کرنے اور ان پر ظلم و ستم ڈھانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ جس کے نتیجہ میں انسان، جو درحقیقت اشرف المخلوقات ہے، عام حیوانات کی سطح تک پہنچ گیا۔ انسان کے اس طرزِ عمل اور طریقِ زندگی کو نفس پرستی اور مادیّت کا نام دیا جاسکتا ہے۔

اس کے برعکس ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات انسان نے اپنے آپ کو اتنا ذلیل، کمتر اور گندہ سمجھا ہے کہ بے جا ریاضتوں اور ناروا مشقّتوں کے بغیر اس کے دماغ میں اپنی رفعت اور بلندی کا تصوّر ہی نہیں آسکا۔ چنانچہ اس نے اپنے نفس کو کچلنے اور جائز خواہشات کا بیج مارنے کے لئے ان فطری اور ناگزیر تقاضوں کی تکمیل سے بھی روگردانی اختیار کی ہے، اور بھوکا پیاسا رہا، صنفِ مخالف سے مُنہ موڑا، رشتہ داروں کو چھوڑا، آرام ترک کیا، گندگی اختیار کی، اور نت نئی خودساختہ تکالیف برداشت کیں اور اس طرح اپنے نفس و جسم پر اور اپنے اعزاو اقربا بلکہ پورے معاشرے پر سنگین قسم کے مظالم ڈھاتے۔ اس طرزِ عمل اور طریقِ زندگی کو رہبانیت اور ترکِ دنیا کا نام دیا جاسکتا

ہے. ذیل میں ہم انسان کے افراط و تفریط پر مشتمل ان دونوں طریقہائے زندگی کی مزید کچھ وضاحت کرتے ہیں۔

رہبانیت

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ اولادِ آدم پر ترک دنیا اور رہبانیت کے دورے مختلف اوقات میں پڑتے رہے ہیں اور یہ مہلک مرض کبھی مصریوں میں فقراء اور ملنگوں کی صورت میں، کبھی ایرانیوں میں مانویوں اور تجرد پسندوں کی شکل میں، کبھی یونانیوں میں اشراقیوں اور باطنیوں کے روپ میں اور کبھی ہندوؤں میں جوگیوں اور سنیاسیوں کے پیکر میں ظاہر ہوا ہے، لیکن اس مرض کا سب سے شدید حملہ بنی نوع انسان پر اس وقت ہوا جب عیسائیوں میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رفع سماوی کے تقریباً دو سو سال بعد، بے راہ روی اور بگاڑ پیدا ہو گیا اور وہ رومیوں کے دنیا پرست اور مظاہر پسند معاشرے کے ردعمل میں ترکِ دنیا پہ فخر کرنے لگے، اور رہبانیت ایک وبا کی طرح عیسائی دنیا پر چھا گئی. ان تارکِ دنیا لوگوں کے قصے ایسے دردناک ہیں کہ ان کو پڑھ کر دل لرز جاتا ہے، اور آنکھوں پر ضبط کا یارا نہیں رہتا. ان تمام قصص اور واقعات کا استیعاب تو مستقل اور مفصل تصنیف چاہتا ہے، یہاں صرف اصولی اور عمومی قسم کی ریاضتیں اور مجاہدات درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) جسمانی اذیّتیں:

یہ تارکینِ دنیا اپنے نفس کو مارنے کے لئے خود کو سخت جسمانی اذیّتیں دیا کرتے تھے، من دو من کا وزن ہر وقت اٹھاتے رکھتے، دلدلوں میں ننگے سو جاتے، خشک کنوؤں میں جا بستے، برہنہ ہو کر زہریلی مکھیوں کو دعوتِ شکار

دیتے، اونچے اونچے ستونوں پر چڑھ کر سالہا سال تک نہ اترتے گرمی سردی بارش ہر مصیبت سہتے رہتے۔ جنگلوں میں فرار ہو کر جانوروں کی بھٹوں میں جا گھستے اور مدتِ دراز تک گھاس پھوس کھاتے رہتے۔ اپنے بالوں سے اپنے ستر چھپاتے۔ زبردستی اپنے جسم کو زخمی کرتے اور پھر علاج نہ کر کے ان زخموں کو سڑاتے اور جب اُن میں کیڑے پڑ جاتے تو خوش ہوتے۔

② ترکِ طہارت و نظافت :

یہ لوگ ہر وقت گندے رہتے، صفائی سے نفرت کرتے اور نہانے دھونے کو حرام سمجھتے تھے حتیٰ کہ ساری ساری عمر پیر تک نہ دھوتے تھے۔

③ صنفِ مخالف سے احتراز :

یہ تارکینِ دنیا ازدواجی زندگی سے احتراز کرتے تھے، جنسی تعلق کو خواہ وہ میاں بیوی کے درمیان ہی کیوں نہ ہو، حرام سمجھتے۔ لذّت اور گناہ کو ہم معنی خیال کرتے، اور تمام زندگی شادی نہ کرتے۔ اگر کسی دباؤ کی وجہ سے کر بھی لیتے تو سہاگ رات ہی بھاگ چھوٹتے۔ حتیٰ کہ اگر شادی شدہ آدمی رہبانیت اختیار کرتا تو بیوی تو بیوی بچّوں کو بھی چھوڑ دیتا۔

④ قطع رحمی :

یہ لوگ دنیا کی محبّت دل سے نکالنے کے لئے اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیتے تھے، ان کے خیال میں دنیا کے کسی بھی فرد سے محبّت، خواہ ماں کی ہو یا بہن کی، بیوی کی ہو یا بیٹی کی اور باپ کی ہو یا بھائی کی، بدترین گناہ تھی۔ بوڑھے اور ضعیف ماں باپ اور محتاج اور نادار اعزاء و اقربا کو چھوڑ کر یہ خانقاہوں میں جا گھستے، اور ان اعزاء کی شکل دیکھنا یا انہیں اپنی شکل دکھانا حرام سمجھتے [1]

---

[1] اس سلسلے میں ہزاروں واقعات نقل کئے جاتے ہیں، تفصیلات کے لئے لیکی کی "تاریخ اخلاق یورپ" وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔ نیز دیکھئے "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج اور زوال کا اثر" ص ۲۵۲ تا ۲۵۵

یہ ہے انسان کے اختیار کردہ طریقِ زندگی کا ایک رُخ۔ جس میں اس نے اپنی فطرت سے جنگ کی ہے، اور اپنے بشری اور طبعی تقاضوں کو کچلا ہے۔ اس طرح اپنے نفس اور جسم بلکہ پورے معاشرے پر بے جا اور بدترین ظلم کیا ہے۔ اگر فطری تقاضوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے تو نوعِ انسانی کا بقا اس عالم میں ناممکن ہو جائے، تجرد پسندی کی لعنت نسل انسانی کا بیج مار دے، نجاستوں سے آلودگی اور گندگی سے محبت عالمگیر وباؤں کو جنم دے۔ اور پھر قطع رحمی باقیماندہ انسانوں کو بھی سنگدل جانور بنا کر رکھ دے۔

علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فطری مطالبات دبانے سے نہیں دبتے، بلکہ اگر ان کی آگ وقتی طور پر حالات کی راکھ میں دب بھی جاتی ہے تو جب بھی ذرا موقع ملتا ہے، آتش فشاں کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور اپنے زور و قوت کی وجہ سے پورے معاشرے کے لئے مہلک اور تباہ کن بن جاتی ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کی اس ترکِ دنیا اور راہبانہ زندگی کے ردّ عمل میں جس انقلاب نے جنم لیا، مغربی دنیا آج تک اس کی سزا بھگت رہی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ رہبانیت کے فوراً بعد ہی فحاشی اور بدکرداری کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ کلیسا اور عبادت گاہیں تک معبد کے بجائے فحاشی کے اڈے بن گئے۔

دسویں صدی کے ایک اطالوی بشپ نے اپنے معاشرے کی بالکل صحیح عکاسی کی ہے کہ "اگر چرچ میں مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے خلاف بدچلنی کا قانون عملاً جاری کیا جائے تو سوائے کم عمر بچوں کے کوئی سزا سے نہ بچ سکے، اور اگر حرامی بچوں کو بھی مذہبی خدمات سے الگ کر دیا جائے تو شاید چرچ کے خادموں میں کوئی لڑکا بھی نہ رہے"۔

اسلام کی نظر میں انسان کا یہ طریقِ زندگی غیر فطری ہونے کے علاوہ

خدا کے نزدیک بھی ناپسندیدہ ہے اور خالق کائنات کے منشاء کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی ناراضگی کا سبب ہے۔ رہبانیت، جس میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ خدا کے لئے اپنے آپ کو فنا کر رہا ہے اور اپنی ہستی کو مٹا رہا ہے، اس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرما دیا:

"وَرَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا"

(الحدید: ۲۷)

اور رہبانیت کو انھوں نے خود ایجاد کر لیا تھا۔ ہم نے ان پر واجب نہیں کی تھی، بلکہ اُنھوں نے اللہ کی رضامندی کی خاطر (اُسے اختیار کر لیا تھا) سو اُنھوں نے اسکی پوری پوری رعایت نہیں کی۔

احادیث میں بھی بکثرت ایسے واقعات آتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض زہد پسند صحابہؓ نے ترک دنیا اور لذائذ دنیوی سے اجتناب کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں سختی سے روک دیا۔

نفس پرستی

طریق رہبانیت کے بالکل برعکس ان فطری تقاضوں کے ساتھ ایک دوسرا سلوک بھی کیا گیا ہے، وہ یہ کہ بہت سے لوگوں نے ان تقاضوں کی تکمیل ہی کو زندگی کا حاصل اور انسان کی پیدائش کا مقصد جانا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ دوسرا طریقہ بھی اولادِ آدم وقتاً فوقتاً اختیار کرتی رہی ہے بلکہ اس کی طرف رجحان رہبانیت کی نسبت زیادہ رہا ہے۔ کیونکہ یہ لذت آفرین اور سہل ہے اور اس میں پایا جانے والا مزہ نقد اور حواس خمسہ کی

گرفت میں آنے والا ہے۔

جن لوگوں نے نفس پرستی کی راہ اختیار کی انھوں نے ان تقاضوں کی تکمیل کے لئے اپنی تمام تر ذہنی قوت اور پوری توانائیاں صرف کر دیں۔ اور تسکینِ نفس کے نت نئے طریقے ایجاد کئے، اور عیاشی کے وہ سامان مہیا کئے کہ قیاس کام نہیں کرتا۔ چنانچہ ان کے تکلفاتِ زندگی، تعیشات اور سامانِ آرائش کی بہتات اور ان میں موجود باریکیوں اور نکتہ سنجیوں کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے ایک ایک فطری تقاضے کی تکمیل کے لئے ان ظالموں نے کس قدر اسراف اور افراط سے کام لیا ہے، اس سے کون واقف نہیں۔ تنہا ایک ایک شخص نے اپنی جنسی پیاس مٹانے کے لئے ہزارہا عورتوں کو قیدی بنا کر محلات میں رکھ چھوڑا۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے سینکڑوں باورچی ملازم رکھے، ایک ایک وقت کی بھوک مٹانے کیلئے انواع واقسام کے بیسیوں کھانے پکوائے۔ دنیا میں بے خودی اور بے فکری حاصل کرنے کے لئے شراب وکباب کی محفلیں جمائیں، جن میں سونا، چاندی اور شراب پانی کی طرح بہاتے، جسم وجان کو آرام پہنچانے کے لئے فلک بوس محلات اور ناقابلِ تسخیر قلعے تعمیر کئے، حتیٰ کہ محض تفریحِ طبع کے لئے زندہ انسانوں کو بھوکے درندوں کے سامنے ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کیا [1]

یہ تو ماضی کی باتیں ہیں۔ آج حال میں بھی ان نفس پرستوں کی حالت کچھ مختلف نہیں۔ شہوت کے بھوت سے یہ اندھے ہو چکے ہیں، جنسی جذبات کی تسکین کے لئے لاکھوں کروڑوں عورتوں کو بے پردہ اور عریاں کر چکے ہیں۔ اپنے پیٹوں کو بڑا اور بڑے سے بڑا کرنے کے لئے ہزارہا انسانوں کو فاقہ کشی تک لے

---

[1] یہ کچھ مبالغہ آرائی نہیں، جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ ان مُترفین نے کیا کیا گل کھلاتے ہیں۔ نمونے کے لئے ملاحظہ فرمائیں "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر"، ص ۸۷ تا ۹۴۔

آتے ہیں۔ اپنی تجوریوں کو بھرنے کے لئے معیشت کا وہ بھیانک نظام عالمی پیمانے پر رائج کر چکے ہیں، جس کے ذریعہ سے غریبوں اور کمزوروں کی ساری کمائی سمٹ کر ان کے پاس جا پہنچتی ہے۔

جس طرح رہبانیت کا مرض انسانیت کے لئے مہلک اور تباہ کن تھا، اسی طرح، بلکہ اس سے کہیں زیادہ تباہ کن نفس پرستی اور تن پروری کی جوع البقر ہے۔ اس لئے کہ یہ بات بداھتہً ثابت ہے کہ فطری تقاضوں کی تکمیل میں اس قدر آزادی اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک فحاشی اور عریانیت، لوٹ کھسوٹ اور حرام آمدنی، سنگدلی اور شقاوت اور دوسرے انسانوں پر ظلم دجور کا بازار گرم نہ ہو جاتے۔

اسلام کی نظر میں یہ طریق زندگی بھی غیر فطری اور ہلاکت آفریں ہے، اور خالق کائنات کی ناراضگی کا سبب ہے۔ قرآن کریم میں خداتعالیٰ ایسے لوگوں کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ. (سورہ محمد: ۱۲)

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ عیش کر رہے ہیں اور یوں کھا (پی) رہے ہیں، جس طرح چوپائے کھاتے (پیتے) ہیں۔ آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے۔

ایک اور جگہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا،

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ. (سورہ الاعراف: ۱۷۹)

یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر بے راہ ہیں۔ یہی لوگ تو غافل ہیں۔"

اسلامی نقطۂ نظر

جب یہ معلوم ہوچکا کہ انسان نے ان فطری تقاضوں کے ساتھ، وحی الٰہی سے بے نیاز ہونے کی صورت میں، کیا سلوک کیا ہے۔ تو مناسب ہے کہ یہ بھی بتا دیا جائے کہ وحی الٰہی کی روشنی میں ان تقاضوں کے ساتھ کیا رویّہ اختیار کیا گیا ہے؟ نیز اسلام ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے بہتر ہے کہ پہلے چند بنیادی اصول جان لئے جائیں۔

(۱) دنیا سے مکمل احتراز درست نہیں، بلکہ حسب ضرورت اس سے تمتع جائز ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ارد گرد اس عالم رنگ و بو میں لاکھوں کروڑوں اشیاء موجود ہیں۔ جن میں گہرے اور اتھاہ سمندر، بہتے ہوتے دریا، گنگناتے چشمے، بلند و بالا پہاڑ، برف پوش چوٹیاں، وسیع و عریض میدان، اونچے اونچے درخت، گھنے جنگلات، ہرے بھرے کھیت، حسین پھلواریاں، پھلوں سے لدے باغات، شہد کے چھتے، مفید جڑی بوٹیاں، زمین میں پوشیدہ دھاتیں، چھپے ہوتے سیّال مادّے، دولت سے مالا مال کانیں، مختلف حیوانات، دلفریب مویشی، بھیانک درندے، گیت گاتے پرندے، تیرتی مچھلیاں، چہچہاتی بلبلیں، لذیذ اور عمدہ غذائیں، سب ہی کچھ شامل ہیں، یہ ساری چیزیں خالقِ کائنات نے ایسے ہی فضول میں پیدا نہیں کی ہیں، کہ انھیں ضائع کر دیا جائے اور ان سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا جاتے۔ بلکہ اس لئے پیدا کی ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھائے، اور ان نعمتوں سے سرشار ہو کر اپنے مقصد، عبادتِ الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ کی تکمیل کرے۔

قرآن کریم میں جا بجا اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا ذکر کیا ہے، اور اپنی نعمتیں

انسانوں کو گنواتی ہیں اور پھر فرمایا ہے کہ یہ سب چیزیں صرف تمھارے ہی لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ تم ان سے فائدہ اُٹھاؤ اور تمتع حاصل کرو۔ یہ اصولی ضابطہ ہمیں جگہ جگہ قرآنِ کریم میں ملتا ہے:

" هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا "

(البقرہ : ۲۹)

وہی خدا ہے جس نے تمھارے لئے جو کچھ بھی زمین میں ہے پیدا کیا۔

سورۂ نحل میں نہایت تفصیل سے نعمِ الٰہی شمار کرانے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے:

" وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا "

(النحل: ۱۸)

اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنے لگو تو ان کا احاطہ نہ کر پاؤ گے۔

غرض جگہ جگہ یوں نعمتیں ذکر کرنا اور ساتھ ہی بار بار " لکم " (تمھارے لئے) کی تکرار کرنا، خود بتا رہا ہے کہ منشاء الٰہی یہ ہے کہ ان نعمتوں سے فائدہ اُٹھایا جائے اور یہ نعمتیں اسی لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ انسان ان سے تمتع حاصل کرے معلوم ہوا کہ ترکِ دنیا اور رہبانیت کا طریقہ خود تخلیقِ کائنات کے مقصد اور منشاء الٰہی کے خلاف ہے۔

(۲) ان نعمتوں کو استعمال میں لانے اور انھیں ضیاع سے بچانے کے لئے انسان میں ایسے مطالبات رکھے گئے کہ وہ لازمًا انھیں استعمال کرے اور انسانیت ارتقاء کی راہ پر گامزن ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ اگر انسان میں بھوک پیاس، شہوت و آرام، تفریحات و تسکینات، حسن و جمال کی چاہت اور مال و دولت کی محبت نہ ہوتی تو یہ کائنات اُجڑ کر رہ جاتی۔

(۳) انسان عام حیوانات کی طرح نہیں ہے بلکہ خدا کی پیدا کردہ مخلوقات میں سب سے عجیب و غریب ہے، وہ محض جانوروں کی طرح ایک حیوانی جسم اور اس

کے تقاضے نہیں رکھتا، بلکہ ایک لطیف، نازک اور حساس روح کا بھی مالک ہے اس کے مادی جسم کا تعلق اسی مادی دنیا سے ہے اور روح کا تعلق عالم بالا سے ہے، اور اس پر ملکوتی صفات کا غلبہ ہے۔

چونکہ انسان دو الگ الگ چیزوں سے مرکب ہے، اس لئے اس کے تقاضے بھی دو قسموں میں بٹے ہوتے ہیں۔ بعض تقاضے وہ ہیں جن کا مطالبہ اس کا مادّی جسم کرتا ہے، اور جن کی تسکین بھی اسی مادی دنیا سے ہو جاتی ہے جب کہ بعض تقاضے ایسے ہیں، جن کا تعلق روح سے ہے، اور جن کی تسکین بھی غیر مادی طریقہ سے ہوتی ہے، چنانچہ سچائی کی طلب اور جھوٹ سے احتراز، رحم دلی اور شفقت سے محبّت اور ظلم و شقاوت سے نفرت، امن و آشتی کی چاہت اور جھگڑے اور انتشار سے پرہیز، ذکر اللہ اور عبادت الٰہی سے تسکین اور گناہ اور بدکاری سے بے چینی، یہ سب وہ فطری تقاضے ہیں جن کا تعلق روح انسانی سے ہے۔

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ بالکل ہی ترکِ دنیا اسلام کی نظر میں ایک مبغوض فعل ہے، اور منشاء الٰہی کے بھی خلاف ہے، اس لئے انسان کو چاہیئے کہ اپنے فطری تقاضوں کی تکمیل کرے مگر پھر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے فطری تقاضے دو قسموں پر بٹے ہوتے ہیں، بعض کا تعلق روح سے ہے اور بعض کا جسم سے۔ اب ان تقاضوں کی تکمیل اس طرح کرنی ہے کہ اس سے نہ تو روح اور روحانیت پامال ہوتی ہو اور نہ ہی اس مادی جسم کی حق تلفی ہوتی ہو۔ بلکہ ایک متوازن اور معتدل طریقہ کار اختیار کرنا ہے، جس میں دونوں کو اپنا اپنا پورا حق مل جائے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہی وہ مقام ہے، جہاں انسانی عقل کی بے بسی کھل جاتی ہے، اور وحی کی ضرورت کا احساس ہونے لگتا ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم

پہلے بتا چکے ہیں، جب انسان محض اپنی عقل پر اعتماد کرتے ہوتے کوئی راہِ عمل تیار کرتا ہے، تو اکثر افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے، چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہے' کبھی تو انسان نے صرف اس مادی جسم ہی کو سب کچھ سمجھا ہے، اور اس مادی دنیا ہی کو سب کچھ جانا ہے، اور پھر وہ طریقِ زندگی اختیار کیا ہے، جسے ہم مادیت کہتے ہیں۔ اس کے برعکس کبھی اس نے روح ہی کو سب کچھ سمجھا ہے، اور روحانی تقاضوں کی تکمیل ہی کو سب کچھ جانا ہے، اور پھر جو طریقِ زندگی اختیار کیا ہے، اُسے ہم رہبانیت کہتے ہیں۔ حالانکہ روح اور مادہ اس دنیا میں لازم و ملزوم ہیں، کسی ایک کا بھی ختم ہو جانا یا مجروح ہو جانا انسان کے لئے انتہائی مہلک ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیشہ کچھ خاص بندوں کو چن کر انسان کو وہ صحیح اور معتدل طریقہ بتایا جس میں روحانی اور جسمانی تقاضوں کو نہایت اعتدال اور توازن سے پورا کیا گیا ہے۔

آمدم برسر مطلب، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ فطری تقاضوں کی آزادانہ تکمیل بھی انسانی معاشرے کے لئے اسی قدر مضر ہے، جس قدر انھیں کچلنا یا دبا دینا۔ اس لئے اسلام ان تقاضوں کی تکمیل کی اجازت دیتا ہے، مگر بالکل کھلی چھوٹ بھی نہیں دیتا، بلکہ اس سلسلے میں کچھ اصول و ضوابط مقرر کرتا ہے، جن کی پابندی کرنا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے، اور خلاف ورزی کرنا سنگین جرم ہے۔ اگر ان اصولوں کو تفصیل سے لکھا جائے تو بحث بہت طویل ہو جائے گی جب کہ ان اصولوں کا جاننا کوئی امرِ مطلوب بھی نہیں، کیونکہ وہ ایک طرح سے حکمت کی حیثیت بھی رکھتے ہیں' اور مسلمان کے لئے کسی چیز کی حرمت کی حکمت جاننا ضروری نہیں، بلکہ اس کے نزدیک تو کسی چیز کے حرام ہونے کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ خدا اور اس کے رسول نے اس چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے اس بحث کو قلم انداز کیا جاتا ہے، البتہ ایک

اصول جو واضح طور پر نظر آتا ہے اور جو درحقیقت دوسرے تمام اصول وضوابط کی روح اور ان کا جوہر ہے وہ یہ ہے کہ "فطری تقاضوں کی تکمیل کے لئے ہر اس چیز کا استعمال اور ہر اس طریقہ کا اختیار کرنا حرام ہے، جو انسان کے مقاصدِ زندگی سے ٹکراتا ہو"!

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان کو اس دنیا میں خدا نے اس لئے پیدا کیا ہے، تاکہ وہ اسکی عبادت کرے، اور اپنی زندگی اس کی فرمانبرداری میں گذار دے، لہٰذا ہر وہ شے یا فعل جو انسان کو یاد الٰہی سے غافل کرے اور اس کو خالق حقیقی سے برگشتہ کردے، اس کا استعمال یا اختیار کرنا گناہ ہے۔

نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان کے دنیا میں زندہ رہنے، اور اس کے بقاء و ارتقاء کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ کھائے پیئے اور اپنی بنیادی ضروریات پوری کرے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معاشرتی زندگی گذارے اور دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہے، کیونکہ انسان دراصل ایک معاشرتی حیوان ہے، چنانچہ پیدا ہوتے ہی ہر انسان کا ایک خاندان ہوتا ہے، اس کے کچھ رشتہ دار ہوتے ہیں اور کچھ ہمسائے اور متعلقین ہوتے ہیں، جن کے کچھ حقوق اس پر ہوتے ہیں، اور اس کے کچھ حقوق ان پر ہوتے ہیں۔ اور ان حقوق کا لحاظ رکھنا ہی ایک صحت مند معاشرے کے وجود کا سبب ہوتا ہے، لہٰذا جو شے یا فعل ایسا ہو جو انسانی جسم کے لئے مہلک یا مضر ہو یا معاشرتی زندگی کے لئے نقصان دہ ہو، یا اسکی وجہ سے کوئی انسان اپنے جسم یا معاشرے کے حقوق وفرائض سے غافل ہو جاتا ہو اس کا استعمال یا اختیار کرنا حرام ہے۔

یہی وہ بنیادی اصول ہے، جس کی وجہ سے زہر کھانا، خودکشی کرنا، رشوت یا سود کا لینا دینا، قتل کرنا، شراب پینا اور افیون کھانا وغیرہ حرام ہیں۔ کیونکہ یہ افعال یا تو جسم کے لئے مضر ہیں، یا معاشرے کے لئے، یا پھر ایسے ہیں جو انسان کو اس کے

مقاصد زندگی سے غافل کر دیتے ہیں۔ لیکن اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح معلوم ہو گا کہ فلاں چیز مقاصد زندگی سے ٹکراتی ہے اور فلاں چیز نہیں ؟ اور اس سلسلے میں معیار کسے قرار دیا جائے گا ؟ جہاں تک غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو ہم عقل کو معیار قرار دیں یا وحی الٰہی کو۔ مگر عقل کا ناقص اور کوتاہ ہونا ایک بدیہی امر ہے، جیسا کہ آگے تفصیل سے آئے گا۔ اس لئے وحی الٰہی کو ہی معیار بنایا جائے گا۔ اور ہم یہ کہیں گے کہ "ان تقاضوں کی تکمیل کے لئے ہر وہ طریقہ اختیار کرنا ناجائز ہے، جو اسلام کے بنیادی اصولوں اور تعلیمات سے ٹکراتا ہو"؛ کیونکہ جو چیز ایسی ہو وہ یقیناً انسان کے مقاصدِ زندگی کے خلاف ہو گی یا ان سے غفلت پیدا کرنے کا سبب بنتی ہو گی اس بات کی توضیح ہم یوں کر سکتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اور زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں اُس نے واضح ہدایات دی ہیں، چنانچہ اسلام کی اپنی جداگانہ معاشی، سیاسی معاشرتی، دینی، سماجی اور اخلاقی تعلیمات ہیں، جن کا رنگ دنیا کے دوسرے تمام طرز ہائے زندگی سے مختلف ہے، اور ان تمام شعبوں کی تعلیمات و احکام کا مجموعہ ہی درحقیقت کامل اسلام کا روپ دھارتا ہے۔ اور کسی ایک شعبے کی بھی کسی بنیادی تعلیم کو نظر انداز کرنا تمام شعبہ ہائے زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ اب یہ سمجھئے کہ ان فطری تقاضوں کی تکمیل کے لئے کسی بھی ایسے فعل یا شئے کو اختیار کرنا جائز نہیں، جو اسلام کے بیان کردہ مختلف شعبہ ہائے زندگی کے بنیادی اصولوں سے ٹکراتا ہو اور جس سے اسلامی طرزِ زندگی میں بگاڑ پیدا ہونے کا خدشہ ہو۔

مثال کے طور پر سود ہی کو لیجئے۔ یہ قطعی حرام ہے۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کا تعلق صرف معاشیات ہی سے ہے۔ اور اگر اسکو حلال قرار دے لیا جائے تو صرف ایک شعبہ زندگی ہی میں معمولی سا رخنہ پڑے گا۔ حالانکہ اگر غور

کیا جاتے تو سود اسلامی طرزِ زندگی کے ہر شعبے کی بنیادی تعلیمات سے ٹکراتا ہے، اور اگر اُسے حلال قرار دیا جاتے تو اسلامی طرزِ زندگی کا حلیہ ہی بگڑ جاتے۔ جیسا کہ آج ہم کم و بیش تمام اسلامی ممالک میں مشاہدہ بھی کر رہے ہیں۔ کیونکہ سود لینا اسلام کی اخلاقی تعلیمات کے بھی خلاف ہے، اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد اس پہ ہے کہ انسانوں میں باہمی تعاون ہو، ایک دوسرے کے لئے محبّت اور رحم کا جذبہ ہو، اور حق کی حمایت کی جرآت ہو، جب کہ سود خوری سے تعاون کے بجاتے خود غرضی، اور محبّت و رحم کے بجاتے شقاوت اور ظلم کے جذبات اُبھرتے ہیں اور حق کی حمایت کے بجائے حُبّ دنیا اور بُزدلی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح سود لینا اسلام کی سیاسی تعلیمات سے بھی ٹکراتا ہے، کیونکہ اسلام معاشرے میں دولت کو پھیلانا چاہتا ہے، غریبوں اور فقراء کی خوشحالی چاہتا ہے، تاکہ لوگ سکون و اطمینان سے زندگی گذاریں اور اسلامی حکومت مستحکم ہو، اور اپنے فرائض بصد خیر و خوبی انجام دیتی رہے۔ اس کے برعکس سود کی وجہ سے دولت محض چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے، اور معاشرے کے عام افراد غربت اور فلاکت کا شکار رہتے ہیں، جس کے نتیجہ میں قتل و غارت گری خونریزیاں اور انقلابات جنم لیتے ہیں اور حکومت کی سلامتی اور بقاء داؤ پر لگ جاتے ہیں۔ بالکل یہی معاملہ غنا اور موسیقی کا ہے، بظاہر یہ صرف تفریحات کا ایک مسئلہ معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ تفریحات کا مسئلہ تو ہے ہی، اس کے علاوہ اگر اسکو حلال قرار دیا جائے تو پورے اسلامی طرزِ زندگی کی چُولیں ہل جائیں، کیونکہ یہ اسلام کے تمام شعبہ ہاتے زندگی کی تعلیمات کے خلاف ہے، جیساکہ آگے آپ پڑھیں گے۔

تفریح ـــــ ایک فطری تقاضا

یہاں تک تو ساری بحث عام فطری تقاضوں کے بارے میں تھی۔ اب ہم اس خاص تقاضے کے بارے میں کچھ کہیں گے، جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے، یعنی انسان کا تفریحی تقاضا اور حسن وجمال کی طرف طبعی کھنچاؤ۔ جس کی تکمیل میں غلو و افراط سے رقص وسرود اور موسیقی و سنگتراشی وغیرہ جنم لیتے ہیں۔

یہ تو مسلّمہ حقیقت ہے کہ ایک مکمل ضابطہ حیات وہی ہو سکتا ہے، جس میں انسانی طبیعت کے فرحت ونشاط کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہو، اس لئے کہ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ سامانِ تفریح انسان کی قوّتِ کار میں اضافہ کا ذریعہ بنتے ہیں اور ایک تھکے ماندے شخص میں عمل کی نئی روح پھونکتے ہیں۔

لیکن یہ بھی ایک واقعی امر ہے کہ تقاضائے تفریح ہی غالبًا وہ واحد تقاضا ہے، جس میں انسان سب سے زیادہ بہکا ہے، اور بدترین قسم کے افراط وتفریط کا شکار ہوا ہے، کبھی تو اس نے آرام کرنا، صاف ستھرا رہنا، نت نئی غذائیں کھانا، جنسی تعلّق قائم کرنا، رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھنا سب ہی کو اس لئے حرام کہہ دیا کہ ان سے لذّت وفرحت حاصل ہوتی ہے۔ اور دنیا کوئی لذّت کدہ نہیں۔ اس کے برعکس کبھی اس قدر افراط اور غلو سے کام لیا ہے کہ بس خدا کی پناہ! بعض اوقات تو اسی افراط کی وجہ سے قومیں صفحہ ہستی سے بھی مٹا دی گئیں۔ روم و

یونان کی تاریخ سے کون واقف نہیں اور کون نہیں جانتا کہ خود مسلمانوں کے زوال میں تعیش کا کتنا حصہ ہے۔

اسلامی طرز زندگی میں بھی — جو کسی انسان کی ناقص عقل و دانش اور فکر و تدبر کا نتیجہ نہیں، بلکہ خالقِ کائنات کا بنایا ہوا طرزِ زندگی ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا لوچ، غلطی اور خطا نہیں — تفریح طبع کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ البتہ اپنی عام روش کے مطابق صرف ان تفریحات کی اجازت دی گئی ہے، جو تعمیری اور مفید ہیں۔ اور ایسی تفریحات کی ممانعت کر دی گئی ہے جو تخریبی اور مضر ہیں۔

تعمیری تفریحات

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اسلام راہبوں، سادھوؤں اور سنیاسیوں کی سی خشک زندگی پسند نہیں کرتا، جس میں لطف و لذت حتیٰ کہ مسکراہٹ پر بھی پابندی ہو، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح الفاظ میں ہدایت فرما دی کہ:

والھو والعبوا فانی اکرہ ان یری فی دینکم غلظة (جامع صغیر ج ۱ ص ۶۲)

کھیلو، کودو، اس لیے کہ میں پسند نہیں کرتا کہ تمھارے دین میں سختی (یعنی خشکی) نظر آئے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

"روحوا القلوب ساعة فساعة"

(ابو داؤد فی مراسیلہ. جامع صغیر ج ۲ ص ۲۵)

اپنے قلوب کو وقتاً فوقتاً آرام دیا کرو

لیکن پھر ساتھ ہی اپنے اعمال واقوال سے یہ بھی بتا دیا کہ کس قسم کے کھیل کود اور تفریحات کی گنجائش ہے چنانچہ کتب فقہ وحدیث دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کھیل بدن کی ورزش کے لئے یا صحت وتندرستی کو باقی رکھنے کے لئے یا کسی دوسری دینی یا دنیوی ضرورت کے لئے یا کم از کم تکان دور کرنے کے لئے ہوں وہ شرعاً مباح ہیں، بلکہ اگر کسی دینی ضرورت کی نیت سے ہوں تو باعث ثواب بھی ہیں، بشرطیکہ ان میں اتنا غلو نہ کیا جائے کہ ضروری کاموں میں بھی حرج واقع ہونے لگے، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

کل شی من لهو الدنیا باطل الا ثلثة انتضالك بقوسك وتادیبك لفرسك وملاعبتك لاهلك فانهن من الحق (مستدرک کتاب الجهاد ج۲ ص ۹۵)

دنیا کا ہر لہو کھیل باطل ہے مگر تین چیزیں ایک یہ کہ تم تیر کمان سے کھیلو، دوسرے اپنے گھوڑے کو سدھانے کے لئے کھیلو، تیسرے اپنی بیوی کے ساتھ کھیل کرو۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ کھیل مفید اور تعمیری ہیں، جن سے بہت سے دینی اور دنیوی فوائد وابستہ ہیں، چنانچہ تیر اندازی اور گھوڑے کو سدھانا تو جہاد میں داخل ہیں۔ اور بیوی کے ساتھ ملاعبت توالد وتناسل کے مقصد کی تکمیل ہے۔

اسی طرح آپس میں دوڑ لگانا، کشتی میں مقابلہ کرنا اور تیراکی سیکھنا ایسے کھیل ہیں، جن کی اجازت خود احادیث سے ثابت ہے، نیز زبان فہمی اور فصاحت وبلاغت کے لئے اشعار پڑھنا اور سیکھنا بھی جائز ہے۔ بلکہ بعض صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ جب وہ قرآن وحدیث کے مشاغل سے تھک جاتے تو بعض اوقات عرب کے اشعار یا تاریخی واقعات سے دل بہلاتے، علاوہ ازیں ہنسنے مسکرانے

کی باتیں کرنا اگر بے ہودگی، جھوٹ اور دل آزاری وغیرہ سے خالی ہوں تو نہ صرف جائز ہیں، بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی ثابت ہیں۔

تخریبی تفریحات

اس کے برعکس جو تفریحات فرد، معاشرے یا دین و اخلاق کے لئے مضر ہوں اسلام ان کی اجازت نہیں دیتا، چنانچہ تفریح طبع کے لئے کسی ذی روح کو تکلیف پہنچانا، خواہ وہ خود ہو یا کوئی دوسرا انسان یا جانور، کسی طرح جائز نہیں۔ لہٰذا بے بس انسانوں کو درندوں کے سامنے ڈالنا، مرغ لڑانا، یا افیون اور چرس کھانا وغیرہ قطعی حرام ہیں۔

اسی طرح وہ تفریحات بھی، جو اسلامی اصولوں سے ٹکراتی ہوں، حرام ہیں۔ لہٰذا ایسے تمام کھیل جن میں جُوا ہو جائز نہیں. مثلاً شطرنج، تاش اور چوسر وغیرہ۔

اسی طرح تفریح طبع کے لئے ایسی کتابیں پڑھنا، جو فحش ہوں، یا جرائم کی ترغیب دیتی ہوں، یا بے دینی اور الحاد سکھاتی ہوں، یا کچھ نہیں تو وقت ہی برباد کرتی ہوں، کسی طرح جائز نہیں[۱]۔

رقص و سرود اور غنا و موسیقی بھی درحقیقت ان تفریحات میں سے ہیں، جو تخریبی ہیں، اور فرد، معاشرے اور دین ہر ایک کے لئے سخت مضر ہیں، اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ٹکرانے کی وجہ سے حرام ہیں۔

---

[۱] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "معارف القرآن" ج ۷، ص ۱۲ تا ۲۵، اور ان کا رسالہ "السعی الحثیث فی تفسیر لہو الحدیث" جو احکام القرآن حزب خامس کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

مفاسد اور مضرات

اس سے پہلے کہ یہ بتایا جائے کہ غنا اور مزامیر کن مفاسد اور مضرات کے حامل ہیں اور ان میں اشتغال فرد اور معاشرہ پر کیا اثر ڈالتا ہے، ایک اصولی بات کا جان لینا بہت ضروری ہے۔ جس میں کوتاہی عام طور پر مشاہد ہے۔ اور جس سے ناواقفیت ایک بہت بڑی فکری غلطی کو جنم دے رہی ہے۔

انسانی دنیا کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ "احکام کا مدار حکم پر ہوتا ہے، نہ کہ حکمت و علّت پر"! اس اصول کی توضیح ہم یوں کر سکتے ہیں کہ کوئی بھی حکومت جو قانون بناتی ہے، عوام کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اسکی پوری پوری پابندی کریں، چاہے اسکی حکمت و علّت سے وہ واقف ہوں یا نہیں۔ ان کے مطیع و منقاد ہونے کے لئے تو یہی کافی ہے کہ ان کی حکومت نے یہ قانون بنایا ہے۔ حتیٰ کہ اگر انھیں قانون کی حکمت بھی معلوم ہو جائے تب بھی ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر صورت میں اس قانون پر عمل کریں، خواہ ان کے خیال میں وہ حکمت کسی خاص معاملہ میں پائی جا رہی ہو یا نہیں۔ مثلاً حکومت نے یہ قانون بنایا ہوا ہے کہ جس جگہ سگنل لگے ہوتے ہیں وہاں گاڑی چلانے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سگنل کی ہدایات کے مطابق عمل کریں۔ جب لال بتی جلے تو تمام گاڑیاں رک جائیں۔ اور جب ہری بتی جلے تو تمام گاڑیاں چل پڑیں اور جو شخص ان ہدایات کی خلاف ورزی کرے گا اس پر جرمانہ عائد کیا جائے گا"

حکومت نے یہ قانون اس لئے بنایا ہے تاکہ ٹریفک کے حادثات کی روک تھام کی جائے، اور گاڑیوں کو نظم وضبط سے چلایا جائے۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر چوراہوں پر سگنل کا انتظام نہ ہو تو اس بات کا بہت خدشہ ہوتا ہے کہ دائیں بائیں اور آمنے سامنے سے آنے والی گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں۔

عوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر صورت میں سگنل کی ہدایات پر عمل کریں۔ ان کے لئے اس قانون کی حکمتیں تلاش کرنا اور پھر حکمت دیکھ کر عمل کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص کسی خاص موقع پر حکمت کو نہ پائے تب بھی قانون کی اطاعت اس کے لئے لازم ہے۔ اور خلاف ورزی کی صورت میں اس پر جرمانہ عائد کیا جائے گا۔ مثلاً مذکورہ صورت ہی کو لیجئے کہ کوئی شخص دیکھ رہا ہے کہ دائیں بائیں سے کوئی گاڑی نہیں آرہی اور دونوں طرف سڑک بالکل خالی ہے، پھر بھی اسکی سڑک پر سرخ بتی جلی ہوئی ہے اور اگر وہ سُرخ بتی کی پرواہ نہ کرے اور سگنل کی خلاف ورزی کر جائے تو کسی قسم کا کوئی بھی حادثہ نہ ہو۔ تب بھی اگر وہ سگنل توڑے گا تو مجرم قرار پائے گا اور اس کا چالان کر دیا جائے گا۔

یہی معاملہ شریعتِ الٰہیہ کا ہے، ہر وہ شخص جو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ اور اُس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لیا، تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی بے چون وچرا پابندی کرے۔ کسی بھی انسان کے لئے یہ مسئلہ تو قابلِ غور ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کرلے کہ جس مذہب کو وہ قبول کر رہا ہے آیا وہ حق بھی ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یا نہیں۔ لیکن جب اُس نے خدا کی معبودیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مان لیا تو اب اُس کے لئے ان کے احکامات کی اطاعت بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فرض ہے، اور

اگر وہ ان کے کسی حکم کی پابندی کرنے سے انکار کردے، یا ان کے کسی حکم کو غلط قرار دے تو کافر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بڑا حصہ ہمیں ایسا نظر آتا ہے، جس میں خدا کی معبودیت اور وحدانیت، انبیاء کی حقانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور جزا و سزا اور یوم آخرت کا بیان ہے۔ کیونکہ جب ان امور کو مان لیا گیا اور اسلام قبول کر لیا گیا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ بندے نے اپنے اختیارات کالعدم کر دیئے اور خدا کی اطاعت قبول کر لی، اور اپنے جذبات و خواہشات احکام الٰہی کے تابع کر دیئے۔ اب اسکی مرضی، خواہش اور عقل کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کیلئے کوئی چیز اہمیت رکھتی ہے تو وہ صرف احکام الٰہی ہیں۔ قرآن کریم میں واشگاف الفاظ میں ارشاد فرمادیا گیا ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗۤ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا ؕ

(الاحزاب: ۳۶)

اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ ان کو ان کے اُس کام میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے وہ صریح طور پر گمراہ ہوگیا۔

اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جس چیز کے بارے میں اُسے یقین ہو جائے کہ خدا کا حکم اس سلسلے میں یہ ہے تو اُس پر عمل کرے، احکاماتِ الٰہی کی حکمتیں تلاش کرنا کسی مومن کا وظیفہ نہیں، ایک سچا مومن شخص تو ہمہ وقت احکاماتِ الٰہی کی تلاش میں رہتا ہے۔ نہ کہ اگر کوئی حکم مل بھی جاتے تو اسکی حکمتوں کا متلاشی

ہوتا ہے، تاکہ اپنی عقل کو تسکین دے یا اس حکم کے دائرہ کار کو محدود کر دے۔ میں یہاں سچی سچی بات کہوں گا خواہ وہ کسی کو کتنی ہی کڑوی کیوں نہ معلوم ہو کہ خدا کے حکم میں حکمتیں تلاش کرنا ضعفِ ایمانی کی دلیل ہے۔ ایک مضبوط ایمان والا مومن کبھی بھی حکمتوں کا متلاشی نہیں ہوا کرتا۔

یہاں یہ نکتہ ذکر کر دینا بھی مفید ہوگا کہ احکامات کی حکمتیں اور علتیں تلاش کرنے کا فن جسے علم اسرار و حکم کہا جاتا ہے۔ قرونِ اولیٰ میں ناپید تھا۔ صحابہ کرامؓ تابعین، تبع تابعین اور دوسرے اکابرین کی پوری زندگی میں آپ یہ طرزِ فکر نہیں پائیں گے کہ پہلے حکم الٰہی کی حکمت تلاش کی جاتے پھر عمل کیا جاتے، ان کے ہاں تو صرف ایک ہی چیز تھی اطاعت۔ وہ اس امر کی تو تحقیق کرتے تھے کہ فلاں چیز کے بارے میں خدا کا حکم کیا ہے، مگر اس امر کی ہرگز تحقیق نہیں کرتے تھے کہ خدا کے اس حکم کی حکمت کیا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ہماری عقل چھوٹی ہے، اور خدائے علیم و خبیر کے احکامات کی حکمتوں کی گرفت کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ معاملہ صرف اسلام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ دنیاوی امور میں بھی اسی پر عمل ہوتا ہے۔ کسی بھی شخص کو کسی ریاست یا ادارے کا فرد بننے سے پہلے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اچھی طرح سوچے کہ اس کا ریاست یا ادارے سے انسلاک مفید ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ وہ ان کے تجویز کردہ قوانین کی پابندی کر سکتا ہے یا نہیں۔ مگر جب اُس نے کسی ریاست یا ادارے کے ساتھ جڑنا قبول کر لیا تو اب اس کے لئے ان قوانین کی پابندی کرنا لازم ہے جو انھوں نے تشکیل دیئے ہیں اگر وہ ان کی خلاف ورزی کرے گا تو مجرم ٹھہرے گا اور اگر ان کی حکمتیں تلاش کرے گا تو گویا اپنے عمل سے ثابت کرے گا کہ وہ ذمہ دار حضرات اور قانون سازوں کی فہم و دانش پر اعتماد نہیں کرتا۔

انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی حکمتیں تلاش کرنا تو کسی حد تک درست بھی ہے، اس لئے کہ ہر انسان سے غلطی ہو سکتی ہے، ممکن ہے کہ قانون ساز نسل سے کوئی غلطی ہو گئی ہو اور وہ کسی معاملہ کی روح تک نہ پہنچ پائے ہوں۔ مگر اللہ علیم و خبیر کے قوانین میں یہ طرز عمل کسی بھی مومن کے شایان شان نہیں اس لئے کہ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی علم و حکمت سب سے بڑھ کر ہے، اور اس کے قوانین میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔

اس تمہید کے بعد کچھ ایسے مفاسد اور مضرات ذکر کئے جاتے ہیں جو غنا و مزامیر سے اشتغال رکھنے کی صورت میں بالعموم پیدا ہو جاتے اور جنھیں اس لئے پیش کیا جا رہا ہے کہ بہت سے متجددین اور ملحدین بکثرت یہ کہا کرتے ہیں کہ اپنے اندر غنا و مزامیر وغیرہ فائدہ تو بہت رکھتے ہیں مگر نقصانات نہیں رکھتے، یا رکھتے بھی ہیں تو وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ نیز یہ خیال کرنا درست نہ ہوگا کہ آگے ذکر کئے جانے والے مفاسد و مضرات ہی غنا اور مزامیر کی حرمت کی کل حکمتیں ہیں، بلکہ غنا و مزامیر کی حرمت کی حکمتیں لاتعداد ہیں، جن کا احاطہ کرنا کسی انسان، ناقص عقل کے مالک، کے لئے ممکن نہیں البتہ یہ مفاسد اور مضرات اتنے واضح ہیں کہ کوئی بھی سلیم الفطرت انسان انھیں محسوس کر سکتا ہے۔

مقاصد زندگی سے غفلت

یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ انسان بنیادی طور پر حیوان ہے، مگر عام حیوانات سے بہت مختلف بلکہ بہتر ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عام حیوانات کی صلاحیتیں نسبتہً کم ہیں اور ان کا دائرہ کار بہت محدود ہے اور بظاہر ان کا کام تمام زندگی میں صرف کھانا، پینا اور نسل بڑھانا ہوتا ہے۔ جب کہ انسان عام

حیوانات کے برعکس ذہانت و فطانت اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے، اور اس میں دوسروں کو مسخر کرنے کی بے مثال قوت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنی قوتوں اور صلاحیتوں سے کام لے کر حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ہیں، اس نے سمندر کا سینہ روند کر جہاز چلائے، زمین کی چھاتی چیر کر غلّہ اُگایا، فلک بوس پہاڑوں کو پاش پاش کیا، شیر، ہاتھی اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے جانور کو تابع فرمان بنایا، لوہے کو موم کیا، پتھر کا جگر چیرا، مریخ پر کمند ڈالی، زمین کو سمیٹ دیا، ہزاروں میل کے فاصلے منٹوں میں طے کر ڈالے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسان کو جو یہ فضیلتیں اور اعلیٰ صلاحیتیں دی گئی ہیں جن کی وجہ سے وہ کائنات کی دوسری تمام اشیاء سے مختلف بلکہ ان کا حاکم نظر آتا ہے، اور ہر چیز اس کے سامنے ہیچ اور مسخر معلوم ہوتی ہے، اور وہ کائنات کا مرکزی نقطہ محسوس ہوتا ہے۔ یہ سب کس لئے ہے؟ آخر انسان میں اور دوسرے جانداروں میں اتنا فرق کیوں ہے؟ اور یہ فرق اس حد تک کیوں بڑھا ہوا ہے کہ اس کے مقابلہ میں دوسرے تمام جاندار اور اشیاء بے بس نظر آتے ہیں اور یہ ان کا شہنشاہ بے تاج معلوم ہوتا ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ انسان میں پائی جانے والی یہ بے پناہ قوتیں اور صلاحیتیں اور دوسروں کو مسخر کرنے کا یہ لامحدود مادہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کا مقصد پیدائش وہ نہیں، جو دوسرے جانداروں کا ہے۔ کیونکہ دوسرے جاندار تو بظاہر انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اس لئے ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اپنے وجود کو بذریعہ تناسل و غذا برقرار رکھیں اور انسان کی خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں ٹھیک یہی وہ مقام ہے جہاں دو طرزِ فکر جنم لیتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ انسان بھی دوسرے جانداروں کی طرح محض تناسل و غذا کے لئے پیدا کیا گیا ہے،

اور اس میں اور عام حیوانات میں کوئی فرق نہیں اور اس میں جو اعلیٰ صلاحیتیں پائی جاتی ہیں وہ محض ایک اتفاقی امر ہے، جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں انھیں کافر اور دہریہ کہا جاتا ہے۔ اور ان کا یہ طرزِ فکر انتہائی غلط ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، اس کائنات میں پائی جانے والی ہر چیز کی پیدائش کا ایک مقصد ہے اور کوئی شخص بھی کسی ایک بھی ایسی چیز کی نشاندہی نہیں کر سکتا، جو اس دنیا میں موجود ہو اور بے مقصد ہو۔ اور بظاہر کائنات کی ہر چیز کا جو مقصد نظر آتا ہے وہ ہے کسی نہ کسی صورت میں انسان کی خدمت۔ اب یہ کہنا کتنی بڑی حماقت ہو گی، کہ خود انسان کی پیدائش بے مقصد ہے' حقیقت یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کا بھی ایک مقصد ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان نیابتِ الٰہی کے منصب کو سنبھالے، اور اس دنیا میں خدا کا خلیفہ بن کر زندگی گذارے۔ اور نہ صرف خود سکون و اطمینان سے رہے، بلکہ اپنی پوری قوتیں اور صلاحیتیں اس دنیا کو امن و چین کا گہوارہ بنانے میں صرف کر دے۔ اور خود بھی خدا تعالیٰ کے، جو شہنشاہِ حقیقی اور اس کائنات کا خالق ہے، بتاتے ہوئے طریقہ کے مطابق زندگی گذارے اور دوسروں کو بھی اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دے، یہی وہ حقیقت ہے جسکی پردہ کشائی قرآن کریم نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ"

(والذّٰریٰت : ۵۶)

"اور میں نے تو جنات اور انسان کو پیدا ہی اس غرض سے کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔"

یہی وہ بات ہے جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظم "رازِ کائنات" میں یوں بیان کی ہے ؎

میری ہستی میں ہے مضمر ہستئ عالم کا راز
ہے یہ سب ایجاد شورِ کن فکان میرے لئے
کیوں نہ ہو روزِ ازل میں ہو چکی تقسیم کار
میں ہوں مالک کے لئے اور کل جہاں میرے لئے

(کشکول ص ۲۴۵)

یہی وجہ ہے کہ ہر انسان میں خلقۃً "مذہب کی تڑپ" موجود ہوتی ہے ۔ اسی لئے ابتدائے آفرینش سے آج تک ، باوجود ہزار کوشش کے انسانیت مذہب سے چھٹکارا نہ پاسکی ۔ کیسے کیسے فراعنہ، ملحدین اور شیاطین پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں جنھوں نے اپنی کج فطرتی اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے انسانوں کو مذہب سے بیگانہ کرنا چاہا، مگر ہمیشہ ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آج بھی دنیا میں کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس میں مذہبی روح نہیں ہے ، بس بات صرف اتنی ہے کہ کچھ خدائے حقیقی کو خدا مانتے ہیں، اور کچھ بتوں کو، وطن کو، انسانوں کو، اور اپنی خواہشات و نظریات کے علمبرداروں کو خدا مانتے ہیں کوئی ایک انسان بھی اندھی محبت اور جذباتی لگاؤ سے خالی نہیں ۔ بقول اقبال مرحوم کے ؎

"ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے"

قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خداشناسی کا جذبہ انسان کی روح میں پیوست کر دیا گیا ہے۔ انسان کے زمین پر اُتارے جانے سے پہلے یوم ازل میں اللہ تعالےٰ نے تمام انسانی ارواح کو جمع کرکے ان سے پوچھا تھا کہ " اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ " (الاعراف ۱۷۲) کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں تو ان سب نے یک زبان ہوکر کہا تھا " بَلٰى " (کیوں نہیں، ضرور ہیں)۔ نیز ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ما من مولود الا يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه (بخاری۔ کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی فمات الخ ج ۱ ص ۱۸۱)

ہر پیدا ہونے والا (اسلام کی) فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے ، پھر اسکے ماں باپ اس کو یہودی بنادیتے ہیں، یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں ۔

معلوم ہوا کہ خیر اور بھلائی، سلامتیٔ فکر اور اسلام انسان کی پیدائشی میراث ہے، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انسان خیر و صداقت کو اچھا سمجھتا ہے اور فطری طور پر اسکی اہمیت کا قائل ہوتا ہے، اور جب بدی اور شر کا ارتکاب کہیں دیکھتا ہے، یا کبھی کرتا ہے تو ضمیر کی ملامت مدّتوں اُسے ستاتی ہے۔

خیر اور بھلائی کی یہ فطری میراث ہی وہ چیز ہے، جو ہر انسان میں یہ جذبہ پیدا کرتی ہے، کہ وہ حق کل یا خیر مطلق معلوم کرے، اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے پھر یہی جذبہ اُسے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، اور اس میں ایک طرح کی بے چینی اور اضطراب پیدا کر دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں اگر صحیح غور و فکر سے کام لیا جائے اور طبیعت میں موجود بے چینی اور اضطراب کو بھلایا یا نظر انداز نہ کیا جائے تو انسان صراط مستقیم تک پہنچ سکتا ہے۔

سرود و موسیقی کا سب سے بڑا اور اہم نقصان یہی ہے، کہ وہ انسان کو عارضی لذّتوں میں گم کر دیتے ہیں، اور اس میں موجود تلاشِ حق کے جذبہ کو دبا یا بھلا دیتے ہیں، کیونکہ ان میں منہمک ہونے کے بعد انسان میں لذّت کوشی اور سرور پسندی کے جذبات بڑھتے جاتے ہیں۔ اور دنیا کی محبّت، مظاہر پسندی اور مادّہ پرستی اس کے دل میں جگہ پکڑتے جاتے ہیں۔ اسی لئے ان چیزوں میں کھو جانے کے بعد انسان کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ یہ غور کرے کہ اسکی حقیقت کیا ہے؟ اُسے دنیا میں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس کی قوّتوں اور صلاحیتوں کا مصرف کیا ہے؟ اُسے مرنا بھی ہے یا نہیں؟ مرنے کے بعد اس کا انجام کیا ہو گا؟

سرود و موسیقی کی یہی وہ خصوصیّت ہے، جس کی بناء پر آلات موسیقی کو عربی زبان میں "ملاھی"، غافل کرنے والی چیزیں کہا جاتا ہے۔

اسی بات کو آپ یوں بھی سمجھ سکتے ہیں، کہ انسان محض یہ مادی جسم نہیں، جو

ہمیں نظر آتا ہے، جس کا کام صرف کھانا پینا اور دوسری مادّی ضروریات کی تکمیل کرنا ہے، بلکہ انسان میں ایک لطیف نازک اور حساس روح بھی ہے، جو ہمیں نظر نہیں آتی، اور جس کا تعلق عالمِ بالا سے ہے، اور جس پر ملکوتی صفات کا غلبہ ہے، اس روح کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو اس کا منبع حقیقی یاد دلائے اور اس کا تعلق ایک دوسری دنیا ـــ بالکل غیر مادّی دنیا ـــ کے ساتھ قائم کرے، اور انسان کو اس کے خالقِ حقیقی سے جوڑ دے، اور اُسے اس طرح زندگی گذارنے پر مجبور کرے، جس طرح خدا نے اس کو حکم دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر خیر سے انسانی روح خوش ہوتی ہے، اور سچائی، رحم دلی، شفقت و محبت، امن و آشتی، ذکرِ خداوندی اور عبادتِ الٰہی سے اُسے آسودگی نصیب ہوتی ہے، اور وہ ان کی طلب گار ہوتی ہے، چنانچہ اگر یہ چیزیں نہ ملیں تو اُس پر بے چینی طاری ہو جاتی ہے، جو انسان کو مجبور کرتی رہتی ہے کہ وہ حق تلاش کرکے اس پر عمل پیرا ہو۔ تاکہ اسکو سکون پہنچے۔

سرود و موسیقی کا بڑا نقصان یہی ہے کہ وہ انسانوں کو مادی جسم کی لذتوں میں فنا کر دیتے ہیں اور اُسے روح کی پیاس سے غافل کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے انسان جادۂ مستقیم سے دور ہوتا جاتا ہے۔ حکیم الامّت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سرود و موسیقی کی ممانعت کی حکمت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجمیوں کی عادات پر نظر ڈالی، اور دیکھا کہ وہ دنیاوی لذتوں میں مگن ہونے کے لئے کس درجہ تکلفات سے کام لیتے ہیں، چنانچہ آپ نے اُن میں سے اصولی اور بنیادی چیزوں کو حرام قرار دیا، اور جو کم درجہ کی چیزیں تھیں اُنھیں مکروہ ٹھہرایا، اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ یہ چیزیں آخرت کو بھلاتی ہیں، اور ان سے دنیا کی ہوس میں

اضافہ ہوتا ہے.... انہی اصولی چیزوں میں ایسی غم غلط کرنے والی اشیاء بھی شامل ہیں جو انسان کو دنیا اور آخرت کی فکروں سے غافل کرتی ہیں، اور آدمی کا وقت برباد کرتی ہیں، جیسے باجے، تاشے، شطرنج اور کبوتر بازی وغیرہ۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۱۹۲)

صرف یہی نہیں کہ موسیقی انسان میں دینی امور سے غفلت پیدا کرتی ہے، بلکہ امور دنیوی سے بھی غافل کر دیتی ہے۔ سورہ لقمان کی آیت "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ" کی شان نزول میں مفسرین و محدثین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ مکہ میں ایک دولت مند مشرک تاجر نضر بن حارث تھا، اس نے کچھ باندیاں خرید رکھی تھیں، اور جب کسی شخص کے بارے میں اُسے علم ہوتا کہ وہ قرآن کریم میں دلچسپی لے رہا ہے یا اسلام قبول کرنا چاہتا ہے، تو اُس کے پاس جاتا اور اُسے اپنی باندیوں کے پاس لے آتا۔ اور باندیوں کو ہدایت کرتا کہ اس شخص کو خوب کھلاؤ پلاؤ اور اچھے اچھے گانے سناؤ، اس کے بعد اُس شخص سے کہتا بتاؤ یہ شراب وکباب اور رقص وسرود بہتر ہیں، یا وہ کام جن کی محمدؐ دعوت دیتا ہے، یعنی جہاد نماز، روزہ وغیرہ۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۶۷ والکشاف ج ۲ ص ۴۹۰)

سرود وموسیقی میں لگا کر لوگوں کو امور مہمہ سے غافل کر دینا صرف نضر بن حارث ہی کی دماغی اپج نہیں تھی، بلکہ درحقیقت یہ ذہنیت ہمیشہ ہی دولتمندوں اور حکمرانوں کی رہی ہے۔ قدیم تاریخ کھنگالنے کی کوئی ضرورت نہیں آج بھی ظالم وجابر حکمران اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے عوام کو سینما، ٹی وی، تھیٹر اور رقص وسرود وغیرہ میں لگا دیتے ہیں، کیونکہ اس طرح عوام ان کے کرتوتوں سے غافل ہو کر کھیل کود میں محو ہو جاتے ہیں، پاکستان کی تاریخ میں بھی ایسے واقعات بار بار دہرائے گئے ہیں، اسی خاصیت کو بھانپ کر اسلام دشمن قوتیں آج بھی

مسلمانوں کو مذہب سے بیگانہ اور مقاصدِ حیات سے غافل کرنے کے لئے رقص و سرود کو اکسیر نسخہ سمجھتی ہیں، چنانچہ امریکہ اور لبنان کی موسیقی اور فلمی صنعت نے عرب دنیا پر کیا اثر ڈالا ہے اس سے کون واقف نہیں ہندوستانی گلوکاراؤں اور اداکاراؤں نے برصغیر کے مسلمانوں پر جو جادو چلایا ہے اس کے اثرات کس نے نہیں دیکھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو قوم بھی سرود و موسیقی میں لگ جاتی ہے وہ کسی کام کی نہیں رہتی. مزید ترقی کرنا تو کجا اس کے لئے اپنے اقتدار کو بھی برقرار رکھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ انسانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی کسی قوم نے رقص و سرود میں انہماک اختیار کیا ہے وہ تباہ و برباد ہو کر رہ گئی۔ روم و یونان جیسی عظیم قوموں کے زوال کے اسباب پڑھیئے رقص و سرود اور ان کے نتیجہ سے پیدا ہونے والی فحاشی اور بے حیائی ان اسباب میں سرفہرست نظر آئے گی۔ دنیا میں مسلمانوں کا اقتدار بھی اسی وقت تک مستحکم رہا جب تک وہ لہو و لعب اور رقص و سرود میں نہ لگے، مگر جب کبھی بھی رقص و سرود نے مسلمان بادشاہوں کے دربار اور اسلامی معاشرے میں فروغ پایا اسلامی سلطنت اپنا استحکام کھو بیٹھی اور اسلام دشمنوں نے مسلم معاشرے کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ مغلوں کی عظیم سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ سے اسی وقت انگریزوں نے چھینی ہے جب وہاں محمد شاہ رنگیلے جیسے حکمران پیدا ہونے لگے، جو دن بھر سرود و غنا میں لگے رہتے اور فن موسیقی کے امام اور بے مثال عالم سمجھے جاتے تھے، اور جو اس وقت تک دربار میں نہ جاتے تھے جب تک موسیقی سے اکتا نہ جاتے اور حرم سرا کی عورتیں زبردستی انھیں دربار میں نہ دھکیل دیتیں۔

حافظ ابن قیمؒ حدیث "نهيت عن الصوتين الاحمقين الخ"، کی شرح کرتے ہوئے اسی حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

"ومعلوم عند العامة والخاصة ان فتنة سماع الغناء والمعازف اعظم من فتنة النوح بكثير والذى شاهدناه نحن وغيرنا وعرفناه بالتجارب انه ماظهرت المعازف وآلات اللهو فى قوم وفشت فيهم واشتغلوا بها الاسلط الله عليهم العدو وبلوا بالقحط والجدب و ولاة السوء (مدارج السالكين ج ۱ ص ۴۹۸)

عوام و خواص دونوں ہی جانتے ہیں، کہ غناء و معازف کا فتنہ نوحہ کے فتنہ سے زیادہ خطرناک ہے چنانچہ جس امر کا ہم نے اور دوسروں نے مشاہدہ کیا ہے، اور جسے ہم تجربات کی بنیاد پر جانتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جس قوم میں بھی معازف و آلات کا رواج پھیلا، اور جس قوم نے بھی ان چیزوں میں مشغولیت اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اس کے دشمنوں کو مسلط کر دیا، اور اُسے جوع و قحط میں مبتلا کر دیا، اور بدترین لوگوں کو ان کا حاکم بنا دیا۔

پھر حاشیے میں ان مفاسد کے پیدا ہو جانے کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

وذلك انهم باللهو والغناء يقلبون حياتهم من الجد الى اللعب والسخرية ومن الرشد الى السفه والغى ومن القوة الى الضعف والوهن فان حياة الغناء واللهو واللعب لابد تحلل عناصر القوة والنشاط العلمى والعملى الذى لا نجاح

للامة ولا قوة لها الا به فتضعف صناعيًا و اقتصاديًا و زراعيًا و عسكريًا فضلاً عن انهيارها الخلق و شدة تعرضها للعنة الله و يصبح امرها فرطا لان قلوبها غفلت عن الحق في سنن الله و آياته و حكمته و اتبعت هواها فهوى بها الى درك الوهن و الضعف۔

یہ اس وجہ سے کہ لہو وغنا میں لگ جانے کے بعد ان کی زندگی کا رخ سنجیدہ اور حقیقی امور کے بجائے کھیل کود اور ہنسی مذاق کی طرف مڑ جاتا ہے، اور رشد و ہدایت کی جگہ حماقت و ضلالت اور قوت و شوکت کی جگہ ضعف و وھن لے لیتے ہیں، اس لئے کہ لہو و غنا اور کھیل کود میں انہماک کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ قوموں کی علم و عمل کی ایسی گرانبہا قوتوں اور صلاحیتوں کو دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں، جن کے بغیر کوئی قوم بھی زندہ نہیں رہ سکتی، چنانچہ جس قوم میں یہ چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں، وہ صنعتی، زراعتی، اقتصادی اور عسکری ہر اعتبار سے کمزور ہو جاتی ہے، اور اسکی قوت و شوکت اللہ کی لعنت اور پھٹکار کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو، جب دل اللہ کی نشانیوں، اسکی آیات اور حکمتوں سے غافل ہو جائیں، اور خواہشات کی پیروی کرنے لگیں تو ان میں لازمًا بزدلی اور کمزوری ہی پیدا ہو گی۔

یہی بات شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے یوں کہی ہے ؎

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے ٭ شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

پیدائش نفاق

غناؔ اور مزامیر کی وجہ سے غفلت پیدا ہونا، اور خود شناسی اور خدا شناسی سے محروم رہنا، ایک ایسا نقصان تھا، جو ہر انسان کے لئے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان عام تھا، لیکن اسی غفلت کی ایک خاص صورت اور بھی ہے، جس کا نام نفاق رکھا گیا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل"

گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے، جس طرح پانی سبزہ پیدا کرتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موسیقی اور گانے باجے میں اشتغال دل میں نفاق پیدا کرتا ہے، اور یہ چیز بس ایک مسلمان کے لئے اس کے ایمان کے ضیاع کا سبب بن سکتی ہیں۔ علماء نے اس سلسلے میں بہت غور و فکر کیا ہے، کہ آخر تمام معاصی میں سرود و موسیقی ہی کی کیا خصوصیت ہے کہ ان ہی سے نفاق پیدا ہوتا ہے؟ دوسرے یہ کہ ان سے پیدا ہونے والے مضرات میں نفاق ہی کو کیوں خاص طور پر بیان کیا گیا ہے؟ اس سلسلے میں سب سے عمدہ بحث حافظ ابن قیم نے "اغاثۃ اللھفان" میں کی ہے، اور انھوں نے نہایت تفصیل سے بتایا ہے کہ وہ خواص اور اثرات کیا ہیں، جن سے نفاق پیدا ہوتا ہے؟ ذیل میں ہم علامہ موصوف کے بیان کا خلاصہ نقل کرتے ہیں:

(۱) سرود و موسیقی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کے مخالف ہیں، اور

ایک حدیث میں انھیں شیطان کا قرآن قرار دیا گیا ہے۔ اور شیطان کا قرآن تو نفاق ہی پیدا کر سکتا ہے نہ کہ ایمان بظاہر اس تقابل کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ :

ا :۔ سرود و موسیقی میں اشتغال اس درجہ غفلت پیدا کر دیتا ہے، کہ آدمی میں قرآن کریم کو سمجھنے، اس پر غور و فکر کرنے، اور اس پر عمل پیرا ہونے کا جذبہ اور شوق ہی ختم ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات تلاوتِ قرآن[1] بھی بے لذت معلوم ہونے

---

[1] یہ جو کچھ کہا گیا حقیقت ہے، اور اس کا انکار کوئی نہیں کر سکتا، اس کی مزید وضاحت کے لئے ہم قصہ کو نقل کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو امام غزالی رح اور علامہ ابن جوزیؒ وغیرہ نے لکھا ہے، یہ قصہ بڑا سبق آموز اور عبرت انگیز ہے، ہم سب کو اس قصے پر غور کرنا چاہیئے،

قصہ ابوالحسین دراج کہتے ہیں کہ میں بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی زیارت کے لئے رے روانہ ہوا، جب وہاں پہونچا تو لوگوں سے ان کا مکان دریافت کیا، مگر جس شخص سے بھی ان کا پتہ پوچھتا تھا، وہ یہی جواب دیتا تھا، کہ "اس زندیق کو کیا پوچھتے ہو" یہ باتیں سنکر میں بہت تنگ دل ہوا حتیٰ کہ بغیر ملے ہی واپس جانے کا ارادہ کر لیا، رات کا وقت تھا، اس لئے مسجد میں شب باشی کا اتفاق ہوا، میں بہت متردد تھا، آخر یہی سوچا کہ جب اس شہر میں آ گیا ہوں تو کم از کم ان سے مل ہی لوں، یہ سوچکر پتہ پوچھتے پوچھتے اس مسجد تک پہنچ گیا جہاں وہ رہتے تھے، مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ محراب میں ایک حسین و جمیل بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں، سامنے ایک رحل رکھی ہے، اور وہ بزرگ ہاتھ میں قرآن شریف لئے ہوئے پڑھ رہے ہیں۔

میں نے قریب جا کر سلام عرض کیا، جس کا انھوں نے جواب دیا اور پھر پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا "بغداد سے آپ کی زیارت کے لئے چلا آیا ہوں" پوچھا کوئی چیز خوش الحانی سے بھی پڑھنا جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا، جی "اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

رایتک تبنی دائما فی قطیعتی　　ولو کنت ذا حزم لھدمت ما تبنی

(اے محبوب میں دیکھتا ہوں کہ تو مجھ سے قطع تعلق کرنے کی بنیاد ڈالتا ہے، اگر تو دور اندیش ہوتا تو اس بنیاد کو منہدم کر دیتا)

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

لگتی ہے، اس طرح آدمی قرآن کریم کے انوار و برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔

ب :۔ قرآن کریم انسانوں کو جو کچھ سکھاتا ہے، اور جس قسم کی صفات اس میں پیدا کرتا ہے، سرود و موسیقی اس کے بالکل برعکس تعلیم دیتے ہیں، اور بالکل ہی متضاد صفات پیدا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اور سرود و موسیقی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ قرآنِ کریم خواہشاتِ نفسانی کی پیروی سے روکتا ہے، عفت و پاکدامنی کا حکم دیتا ہے، شہوانی جذبات میں کنٹرول پیدا کرتا ہے، زنا اور دواعی زنا سے باز رکھتا ہے، اور شیطان کی ہر قسم کی اتباع سے منع کرتا ہے، جب کہ سرود و موسیقی خواہشات نفسانی اور اتباع ہوی کی دعوت دیتے ہیں، جسم میں ہیجان پیدا کرتے ہیں، سفلی جذبات کو بھڑکاتے ہیں، آتش شہوت کو ہوا دیتے ہیں، اور نفس کو زنا و بدکاری پر اُبھارتے ہیں۔

ج :۔ سرود و موسیقی آدمی کا حزم و وقار ختم کر دیتے ہیں، حالانکہ حزم و وقار ایک مسلمان کی زندگی کا لازمہ ہے، جب کہ اوچھی حرکتیں اور بے وقاری صرف منافق ہی کا خاصہ ہے۔ چنانچہ جو لوگ سرود و موسیقی سے اشتغال رکھتے ہیں، وہ کبھی ترنگ میں آکر ہاتھوں سے اشارے کرتے ہیں، کبھی انگلیاں بجاتے ہیں، کبھی پیر زمین پر مارتے ہیں، کبھی سر نچاتے ہیں، کبھی کندھے ہلاتے ہیں، کبھی پاس پڑی چیزیں بجاتے ہیں، کبھی گدھے کی طرح مستاتے ہیں، کبھی تالیاں بجاتے ہیں، کبھی اُف و آہ کرتے ہیں، کبھی

(گذشتہ سے پیوستہ) شعر سنتے ہی انھوں نے قرآن شریف بند کر دیا، اور اس قدر روئے کہ اُنکی داڑھی تر ہوگئی اور کپڑے بھیگ گئے، مجھے ان کے رونے پر بہت رحم آیا۔

تھوڑی دیر بعد مجھ سے بولے "بیٹا رے کے باسی مجھ کو یوں کہہ کہہ کر ملامت کرتے ہیں کہ یوسف بن حسین زندیق ہے۔ حالانکہ نماز کے وقت سے میں یہاں بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا ہوں، مگر ایک قطرہ آنسو کا میری آنکھ سے نہیں ٹپکا، اور تمہارا یہ شعر مجھ پر قیامت بن کر ٹوٹا۔

(تلبیس ابلیس ص: ۳۱۷)

پاگلوں کی طرح چیختے چلاتے اور بے سری آوازیں نکالتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سفلہ پن اور حیوانیت قرآن کے تعلیم کردہ اخلاق کے بالکل خلاف ہے۔

یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اسی قسم کی بے وقاری اور سفلہ پن شراب نوشی سے بھی پیدا ہوتا ہے، اسی لئے موسیقی کو شراب سے تشبیہ دی جاتی ہے، شراب بھی آدمی میں غفلت پیدا کرتی ہے، سفلی جذبات کو بھڑکاتی ہے، زنا و بدکاری کی داعی بنتی ہے، انسان پر مدہوشی طاری کرتی ہے، عقل میں نقص پیدا کرتی ہے، شرم و حیا میں کمی کرتی ہے، اخلاق و مروّت کو ختم کر دیتی ہے، اور حزم و وقار کو لے جاتی ہے۔

(۲) نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر میں کچھ ہو اور باطن میں کچھ، اور سرود و موسیقی میں اشتغال رکھنے والا بھی شخص اسی صفت کا مالک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ نماز روزے اور دوسری عبادتوں کا تارک ہوگا، اور کھلم کھلا اس گناہ کو کرے گا، اور علی الاعلان بے حیائی کا مرتکب ہوگا، تو ایسی صورت میں وہ شخص بدترین قسم کا فاسق و فاجر انسان ہے، اور کسی مومن سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ خدا کی نافرمانی اس قدر جرأت سے کرے۔

یا پھر بظاہر وہ نماز بھی پڑھتا ہوگا، روزے بھی رکھتا ہوگا، اور دوسری عبادتیں بھی کرتا ہوگا، مگر چوری چھپے موسیقی و غنا سے بھی لطف اندوز ہوتا ہوگا۔ تو اس صورت میں وہ جیسا نظر آتا ہے ویسا نہیں ہے، کیونکہ ظاہر تو وہ اللہ کی محبت اور آخرت کی فکر کو کرتا ہے، مگر اس کے دل میں شہوات کا دریا موجزن ہے، اور وہ ایسی چیزوں کی محبت میں مبتلا ہے، جنھیں اللہ اور اس کا رسول ناپسند کرتے ہیں، اس کے دل میں گانے اور موسیقی کی محبت بھری ہوتی ہے، اور شدّتِ محبت کی وجہ سے وہ خدا اور رسول کی کراہیت کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں سرود و موسیقی کی محبت خدا اور رسول کی محبت سے زیادہ ہے اور یہ خالص

نفاق ہے۔

(۳) نفاق کی ایک بڑی علامت یہ بھی ہے کہ ذکر و عبادت میں کمی ہو، نماز میں سستی ہو، اور اُسے یوں ادا کیا جائے جیسے کوا ٹھونگیں مارتا ہے۔ سرود و موسیقی میں اشتغال کی وجہ سے ذکر و عبادت بے لطف و بے جان ہو کر رہ جاتے ہیں، اذکار میں بھی دل نہیں لگتا اور طبیعت بھی ہر وقت معاصی اور مآثم کی طرف مائل رہتی ہے۔ چنانچہ سرود و موسیقی میں مبتلا بہت کم لوگ آپ ایسے پائیں گے، جن میں یہ صفات نہ ہوں۔

(۴) منافق بُرا کام کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ اچھا کام کر رہا ہوں، یہی خوش فہمی سرود و موسیقی سے اشتغال رکھنے والوں کو ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ قوالی سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اپنے دل کی اصلاح کر رہے ہیں، بعض گانے اور موسیقی سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اپنے دل میں رقّت پیدا کر رہے ہیں، اور اپنے لطیف و نازک احساسات کو اُبھار کر اپنا ارتقائی فریضہ خود انجام دے رہے ہیں، حالانکہ اس عمل سے وہ اپنے قلب اور اپنے اخلاق و کردار کا گلا خود گھونٹتے ہیں۔

اسی طرح مغنی اور منافق میں بھی بڑی مشابہت ہوتی ہے، کیونکہ منافق دین و ایمان کے خلاف شبہات کے فتنہ میں مبتلا کرتا ہے تو مغنی عفت و پاکدامنی کے برخلاف شہوات کے فتنہ میں ڈبو دیتا ہے۔

فحاشی اور عریانیت

فحاشی اور عریانیت ایسی تباہ کن چیزیں ہیں، جو اگر کسی معاشرے میں عام ہو جائیں تو اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا کر ہی دم لیتی ہیں۔

کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ شہوانی قوت وہ قیمتی شے اور جوہر ہے، جو ایک طرف تو نوعِ انسانی کے بقاء کا کام دیتی ہے، اور دوسری طرف انسان کو وہ طاقت مہیا کرتی

ہے، جو اُسے اعلیٰ اور تعمیری کام کرنے میں مدد دے، اسی وجہ سے اس قوت کی حفاظت اور اُسے ضیاع سے بچانا بہت ضروری ہے، علاوہ ازیں شہوانی قوت کا بے جا استعمال جس طرح صحتِ انسانی کو برباد کرتا ہے، اسی طرح معاشرے میں بداخلاقی اور انارکی بھی پیدا کرتا ہے، اور بے چینی واضطراب اور خانگی زندگی کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔

اسلام شہوانی قوت کو تعمیری کاموں میں استعمال کرتا ہے، اور اُسے ایک خاص نظم وضبط کے تابع کرتا ہے، اور اس کے بے جا اور غلط استعمال کو حرام قرار دیتا ہے۔ اسی لئے اسلام میں زنا بدترین جرم ہے، اور اس کے ارتکاب کرنے والے کی سزا کوڑے یا سنگساری ہے، زنا کے مفاسد کیا ہیں اور کسی معاشرے کو برباد کرنے میں اس کا کتنا ہاتھ ہے، یہ امور تو ایسے ہیں جن پر تفصیلی بحث کرنے کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے، طوالت کے خوف سے ہم یہ بحث قلم انداز کرتے ہیں۔

مگر اتنا جان لینا ضروری ہے کہ اسلام نہ صرف زنا کو حرام قرار دیتا ہے، بلکہ اس کے دواعی کو بھی حرام کہتا ہے، اور ایسی تمام اشیاء اور امور پر کڑی پابندی لگا دیتا ہے، جو آگے چل کر زنا کا سبب بن سکتے ہوں، چنانچہ نامحرم عورتوں یا غیر محرم مردوں کو دیکھنا، ان کے ساتھ تنہائی میں اُٹھنا بیٹھنا ان کے ساتھ ہنسی مذاق وغیرہ کرنا سب امور حرام ہیں، غنا ومزامیر کی حرمت کا بھی بڑا سبب یہی ہے کہ یہ زنا کا داعیہ پیدا کرتے ہیں اور انسان کے سفلی جذبات کو اُبھارتے اور اس کی شہوانی قوتوں کے انتشار کا سبب بنتے ہیں۔ اس سلسلے میں یزید بن ولید کا مقولہ آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت کی آواز میں ایک قدرتی نرمی، لوچ اور جاذبیت ہوتی ہے، اور مرد کی خواہش نفسانی کو اُبھارنے میں اسکو بڑا دخل ہوتا ہے، جب سادی آواز کی یہ کیفیت ہے، تو اس کے گلے سے نکلے ہوئے سُریلے نغمے اور موسیقی کتنی سحر آفریں

ہو گی، اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے، غالب بیچارے نے ٹھیک ہی کہا ہے ؎

مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے۔

یہ نری شاعری نہیں، بلکہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے، جسے جدید ماہرین نفسیات نے بھی تسلیم کیا ہے، ہیولاک ایلس کہتا ہے:

"انسان کے جنسی جذبات کو بیدار کرنے میں آواز نیز موسیقی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اور اس موضوع پر موٹ (MOOT) کی رائے سے اتفاق کیا جا سکتا ہے، کہ قوت سامعہ کے ذریعہ جنسی کساو جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، اس سے کہیں زیادہ واقع ہوتا رہتا ہے۔

(تفسیر قرآن انگریزی مولانا عبدالماجد دریاآبادی ج ۲ ص ۶۹۲)

قرآن حکیم نے اسی حقیقت کے پیش نظر ازواجِ مطہرات کو اولاً اور مسلمان عورتوں کو ثانیاً یہ حکم دیا ہے کہ:

" یٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا "

(احزاب: ۳۲)

"اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو جب کہ تم اللہ سے ڈرتی ہو تو اپنے لہجہ میں نرمی مت اختیار کرو کہ (اس سے) ایسے شخص کو خیالِ فاسد پیدا ہونے لگتا ہے، جس کے دل میں خرابی (چور) ہے اور (حیا اور عفت کے) قاعدے کے موافق بات کیا کرو۔

ازواجِ مطہرات اور مسلمان عورتوں کو یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ عرب کی جاہلی تہذیب میں آج کل کی جاہلی تہذیبوں کی طرح یہ دستور تھا کہ عورتیں تصنع کے بڑے بڑے طریقوں سے آواز اور لب و لہجہ میں طرح طرح کی رعنائی نزاکت اور دلفریبی پیدا

کرتی تھیں، یہ ہنر اُن کی فیشن ایبل سوسائٹی میں داخل تھا، اس لئے اسکی ممانعت خاص طور پر فرمائی گئی، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :

کما کانت الحال علیہ فی نساء العرب من مکالمۃ الرجال ترغیبھم الصوت ولینہ مثل کلام المریبات والمؤمسات

(تفسیر قرطبی : ج ۱۴ ص ۱۷۷)

(مسلمان عورتوں کو گفتگو کے اس طریقے سے روک دیا گیا) جو کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب عورتوں کی عادت بن چکا تھا، کہ جب وہ مردوں سے بات کرتیں تو ان کی آواز اور لب ولہجہ کی بناوٹ مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ان کا لب ولہجہ بالکل ایسا ہوتا جیسے زانی اور بدکار عورتوں کا ہوتا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد بعض امہات المومنین کا یہ معمول تھا کہ اگر کسی غیر مرد سے کلام کرنا پڑ جاتا تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتیں تاکہ آواز بدل جائے۔

(طبرانی بسند حسن . روح المعانی ج ۲۲ ص ۵)

اسی آیت سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ عورتوں کی آواز پر بھی کڑی پابندی ہے، اور یہ کہ کبھی ضرورت ہو اور کسی نامحرم سے بات کرنا پڑ جائے تو بات کی جا سکتی ہے، مگر وہ بھی لوچ دار اور نزاکت والے لہجہ سے نہیں، بلکہ اس طرح کہ سامع کے دل میں کوئی برا خیال پیدا نہ ہو سکے۔

اور بھلا عورتوں کی آواز پر پابندی کیوں نہیں ہو گی، جب کہ مسلمان عورتوں کو یہ حکم بھی دے دیا گیا ہے :

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ

(سورۂ نور : ۳۱)

اور عورتیں اپنا پیر زور سے نہ رکھیں، کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔

(زیور سے مراد یہاں وہ زیور ہیں جو از خود نہیں بجتے، بلکہ کسی چیز کی رگڑ سے بج اٹھتے ہیں، مثلاً چھوٹے کڑے وغیرہ۔ قرآن نے انہی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کے پہننے والیاں پیر زمین پر زور سے نہ رکھیں، لیکن وہ زیور جن سے از خود آواز پیدا ہوتی ہے، مثلاً گھنگرو تو ان کا پہننا ہی ناجائز ہے، کیونکہ حدیث میں جرس سے ممانعت آئی ہے جیسا کہ تفصیل سے آگے آرہا ہے)

اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب زیور کی آواز کے اخفاء کا اتنا اہتمام ہے تو صاحب زیور کی آواز کا اخفاء، کہ اکثر مورث فتنہ و میلان ہو جاتی ہے، کیوں نہ قابل اہتمام ہوگا۔ (بیان القرآن ج ۲ ص ۲۹۶)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

وفیه دلالة على ان المرأة منهية عن رفع صوتها بالكلام بحيث يسمع ذلك الاجانب اذ كان صوتها اقرب الى الفتنة من صوت خلخالها ولذلك كره اصحابنا اذان النساء لانه يحتاج فيه الى رفع الصوت والمرأة منهية عن ذلك۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۳۹۳)

اس آیت میں اس امر پر بھی دلالت ہے کہ عورتوں کے لئے بات چیت کرتے ہوئے اس حد تک آواز بلند کرنا منع ہے کہ نامحرم مرد سن سکیں۔ اس لئے کہ اسکی آواز اس کے زیورات کی آواز کی نسبت زیادہ فتنہ میں مبتلا کرنے والی ہے۔

اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے عورت کے اذان دینے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس میں آواز بلند کرنا پڑتی ہے، اور عورت کو رفع صوت

سے منع کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ مردوں کے لئے اجنبی عورت کی آواز سُننا بلا ضرورت جائز نہیں، نیز یہ کہ اگر عورتیں کسی ضرورت کی بناء پر اجنبی مرد سے بات بھی کریں تو ان کو چاہیئے کہ لب و لہجہ میں بالکل بھی لوچ پیدا نہ کریں۔ کیونکہ اس سے بنصِ قرآنی زنا میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد صحابہ سے لے کر آج تک تقریباً پوری اُمّت کا اس امر پر اجماع رہا ہے کہ کسی اجنبی عورت سے گانا سُننا حرام ہے حتیٰ کہ سلف میں سے جو حضرات اباحتِ غنا کے قائل رہے ہیں اُن کی بھی بڑی اکثریت اجنبی عورتوں سے گانا سننے کو حرام ہی کہتی ہے، علامہ مرتضیٰ زبیدی حنفی رح لکھتے ہیں:

وقال صاحب الامتاع وذهبت طائفة الى التفرقة بين الرجال والنساء فجزموا بتحريمه من النساء الاجانب وأجروا الخلاف فى غيرهن قال القاضى ابو الطيب الطبرى اذا كان المغنى امرأة ليس بمحرم له فلا يجوز بحال سواء كانت حرة او مملوكة قاله الاصحاب وسواء كانت مكشوفة او من وراء حجاب وقال القاضى حسين فى تعليقه اذا كان المغنى امرأة فلا خلاف انه يحرم سماع صوتها وقال ابو عبد الله السامرى الحنبلى فى كتابه المستوعب الغناء اذا قلنا به فذلك اذا كان فمن لا يحرم صوتها كزوجته او امته فاما من يحرم فلا يجوز قولا واحدًا وقال القرطبى جمهور من اباحه حكموا بتحريمه من الاجنبيات للرجال۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۵۰۱)

صاحب الامتاع (علامہ ابو الفضل جعفر بن ثعلب ادفوی شافعی) کہتے ہیں کہ ایک جماعت نے مرد اور عورت کے گانے کے درمیان فرق کیا ہے، اور اجنبی عورت سے گانا سننے کی حرمت پر جزم کیا ہے۔ اور محارم سے گانا سننے میں اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے۔

قاضی ابو الطیب طبری کہتے ہیں کہ جب مغنی نامحرم عورت ہو، تو اس سے گانا سننا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، چاہے عورت آزاد ہو یا مملوکہ پردے میں یا بے پردہ۔

قاضی حسین اپنی "تعلیق" میں کہتے ہیں کہ جب مغنی عورت ہو تو اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا گانا سننا حرام ہے۔

ابو عبداللہ سامری حنبلی اپنی کتاب "مستوعب" میں لکھتے ہیں "غناء کے بارے میں یہ جو ہم نے کہا ہے، یہ اس وقت ہے، جب کہ کسی ایسے سے گانا نہ سنا جائے جس کی آواز سننا حرام ہے، جیسے بیوی یا باندی سے جہاں تک اجنبی اور نامحرم عورت کا سوال ہے تو اس سے گانا سننا کسی ایک قول کے مطابق بھی جائز نہیں۔

امام قرطبی مالکی کہتے ہیں کہ جمہور قائلین اباحت مردوں کے لئے اجنبی عورتوں سے گانا سننا حرام ہی قرار دیتے ہیں۔

یہ تو تھا مردوں کے لئے عورتوں کا گانا سننا، کہ وہ حرام ہے، بالکل اسی طرح عورتوں کے لئے بھی اجنبی مردوں کا گانا سننا حرام ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں، کہ مرد کے لئے تو عورت کا گانا سننا ممنوع ہے، مگر عورتوں کے لئے مرد کا گانا سننا ممنوع نہیں حالانکہ ایسا نہیں، عورت کے لئے بھی اجنبی مرد کی آواز اور اس کا گانا اسی قدر خطرناک اور فتنہ انگیز ہے، جس قدر مرد کے لئے، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ۔

مشہور مغربی مفکر فاربیٹ کا کہنا ہے کہ :-

آواز کا سُر، اسکی کیفیت اور رقت، اس کا اتار چڑھاؤ، اس کی نفاست اور تیزی، غیر معمولی سُرعت سے محبت کا باعث ہوجاتی ہے، آواز کی اس درجہ اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ عورتوں کی خاصی بڑی تعداد اچھے گویّوں پر عاشق ہوتی رہتی ہے۔

(تفسیر قرآن انگریزی۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی ج ۲ ص ۶۷۲)

جو بات مغربی مفکرین آج کہہ رہے ہیں، وہی بات ایک مسلمان بادشاہ سلیمان بن عبد الملک نے صدیوں پہلے کہہ دی تھی، وہ عورتوں پر مرد مغنی کی آواز کے اثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اُونٹ بلبلاتا ہے تو اُونٹنی بے خود ہوجاتی ہے، بکرا جوشِ شہوت میں آواز نکالتا ہے، تو بکری مست ہوجاتی ہے، کبوتر غٹرغوں کرتا ہے تو کبوتری مزے میں آجاتی ہے، اور جب مرد گانا گاتا ہے تو عورت طرب میں آجاتی ہے۔

(تلبیس ابلیس ص ۳۰۵)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غالباً اسی بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت انجشہؓ سے ارشاد فرمایا تھا:

"ویحك یا انجشہ سوقك بالقواریر"

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۸)

تمہارا بھلا ہو انجشہ! ذرا آہستہ چلاؤ اور آبگینوں کا خیال رکھو۔

اور حضرت براء بن مالک سے ارشاد فرمایا تھا:

یا برا! ایاك والقواریر لا یسمعن صوتك

(کنز العمال ج ۷ ص ۳۲۲)

اے براء! ان آبگینوں کا خیال رکھو یہ تمہاری آواز نہ سن پائیں۔

ان دونوں احادیث پر تفصیلی بحث اپنے موقع پر آئے گی۔

یہاں یہ جان لینا بھی مفید ہے کہ امرد (بے ریش لڑکے) سے گانا سننا بھی حرام ہے عورتوں کے لئے بھی اور مردوں کے لئے بھی، کیونکہ اسکی صورت میں بدکاری میں ابتلاء کا زیادہ خدشہ ہے۔ علامہ مرتضیٰ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

"قال القرطبی یحرم سماع الامرد الحسن وادعی ان الفتنة فیہ اشد والبلیة اعظم فان المملوکات یمکن شراء ھن والحرائر یمکن التوصل الیھن بالنکاح ولا کذلك الامرد"

(اتحاف السادہ المتقین ج ۶ ص ۵۰۱)

امام قرطبی مالکی کہتے ہیں کہ خوبصورت بے ریش لڑکے سے گانا سننا حرام ہے ان کا کہنا ہے کہ اس صورت میں فتنہ زیادہ شدید اور شر زیادہ خطرناک ہے، اس لئے کہ باندیوں کو تو خریدا جا سکتا ہے، آزاد عورتوں سے نکاح کر کے تعلق قائم کیا جا سکتا ہے، جب کہ امرد سے کسی بھی شرعی طریقہ سے وصال ممکن نہیں۔ (جس کے نتیجہ میں لواطت میں ابتلاء کا خدشہ ہے)

عورتوں کے لئے بھی امرد سے گانا سننا اس لئے زیادہ خطرناک ہے کہ وہ ان کے لئے عام مرد کی نسبت سہل الحصول ہے۔ وہ اپنی خواہشات اس سے بہت آسانی سے پوری کر سکتی ہیں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ گانا سننے سے زنا میں مبتلا ہونے یا اسکی طرف کسی نہ کسی حیثیت میں مائل ہونے کا خدشہ ہے۔ اور یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے، اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ علامہ ابن الجوزی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ گانے میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں!

(۱) یہ دل کو خدا تعالیٰ کی عظمت پر غور کرنے اور اسکی خدمت میں قائم رہنے سے غافل کر دیتا ہے۔

(۲) یہ دل کو جلد حاصل ہونے والی لذتوں کی طرف راغب کرتا ہے، اور ان کے پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہر قسم کی حسی شہوتیں پیدا کرتا ہے جن میں سب سے بڑی شہوت جنسی خواہشات کی ہے، جس کی کامل لذت نئی نئی عورتوں میں ہے (کہ کل جدید لذیذ) مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ نئی نئی لذتیں حلال ذریعہ سے حاصل ہونا دشوار ہے، لہٰذا یہ انسان کو زنا پر اُبھارتا ہے۔

معلوم ہوا کہ زنا اور غنا (گانے) میں ایک خاص نسبت ہے، اسی جہت سے غنا روح کی لذت ہے، اور زنا لذات نفسانی کا بڑا حصہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے۔ "الغناء رقیۃ الزنا"، یعنی گانا زنا کا افسوں ہے"

(تلبیس ابلیس ص ۲۹۱)۔

"غنا سے زنا تک رسائی" ایک ایسا کلیہ ہے، جس سے موصوف کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتے چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ سب کو معلوم ہے کہ عام آدمیوں کی طبائع (بنیادی طور پر) یکساں ہیں، اور ان میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا، چنانچہ اگر کوئی جوان آدمی سلیم البدن صحیح المزاج دعویٰ کرے کہ "اچھی صورتیں دیکھنے سے وہ بے قرار نہیں ہوتا، اس کے دل پر ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا، اور اس کے دین میں کچھ ضرر نہیں آتا" تو ہم اسکو جھوٹا کہیں گے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ سب طبائع یکساں ہیں۔ اور اگر اس دعویٰ میں اسکی سچائی ثابت ہو جائے تو ہم جان لیں گے کہ اس کو کوئی مرض ہے، جسکی وجہ سے وہ حدِ اعتدال سے خارج ہو گیا۔

پھر اگر وہ بہانے ڈھونڈے اور کہے کہ "میں اچھی صورتیں محض عبرت حاصل کرنے کی غرض سے دیکھتا ہوں، اور آنکھوں کی کشادگی اور ناک کی باریکی، اور گورے رنگ کی صفائی میں صنعتِ الٰہی دیکھ کر تعجب کرتا ہوں" تو ہم اس شخص سے کہیں گے کہ طرح طرح کی دوسری اور بہت سی مباح چیزوں کو دیکھنے میں بہت کافی عبرت ہے، بلکہ اچھی صورتوں کے دیکھنے میں تو طبیعت کا فطری میلان صنعتِ الٰہی میں غور کرنے سے باز رکھتا ہے۔ کبھی یقین نہ کرو کہ باوجود شہوت سے پُر ہونے کے غور کرنے کی نوبت آتے گی۔ کیونکہ طبعی میلان اس سے ہٹا کر دوسری طرف لگا دیتا ہے۔

بالکل اسی طرح جو شخص یوں کہے کہ "یہ مست کر دینے والا گانا جو دلوں کو بے قرار کر دیتا ہے، عشق کا محرک بنتا ہے، اور دنیا کی محبت پیدا کرتا ہے، مجھ پر کچھ اثر نہیں کرتا، اور حبِ دنیا کا ذکر اس گانے میں ہے، میرا دل اسکی طرف متوجہ نہیں ہوتا" تو ایسے شخص کو ہم جھوٹا کہیں گے کیونکہ سب طبائع یکساں ہیں۔

پھر اگر اس کا دل خوفِ الٰہی کے سبب نفسانی خواہشات سے وافعتہً بھی دور ہو تب بھی یہ غنا طبیعت کو نفسانی خواہشات سے نزدیک کر دے گا۔ خواہ وہ کتنا ہی متقی اور پرہیزگار کیوں نہ ہو۔"

(تلبیس ابلیس ص ۲۴۷)

واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی "گناہ کدہ" موسیقی سے خالی نہیں ہوتا، کیونکہ موسیقی ان تمام کے اندر روح کا کام کرتی ہے اور شہوت کے ابھارنے کا زبردست ذریعہ بنتی ہے، موجودہ دور کے اندر تو موسیقی "تفریحات" کا لازمہ بن کر رہ گئی ہے، اور معاشرے میں شہوانیت، عریانیت اور بے حیائی پھیلانے میں اس نے زبردست

کردار ادا کیا ہے، موسیقی میں بتدریج شہوانیت کے بڑھتے ہوئے غلبہ کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر سوروکن اپنی تصنیف SANE SEX ORDER میں لکھتے ہیں:

" ابتدائی مغربی ادب کی طرح قرونِ وسطیٰ کی موسیقی بھی زیادہ تر مذہبی تھی، یہ خدا سے لو لگانے کا ذریعہ تھی، اور اس میں جنس کا کوئی عنصر نہ تھا، بارہویں صدی سے غیر مذہبی (سیکولر) موسیقی کا آغاز ہوتا ہے...... پھر رفتہ رفتہ مذہبی موسیقی کم ہوتی گئی، اور سیکولر موسیقی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ سیکولر نغمہ نگاروں کا تناسب جو سولہویں صدی میں تقریباً ۴۰ فیصدی اور سترھویں صدی میں ۵۴ فیصدی تھا، انیسویں صدی میں بڑھ کر ۵۶ فیصدی ہو گیا. اور سیکولر تخلیقات کا تناسب سترھویں صدی میں ۵۸ فیصدی سے بڑھ کر انیسوی صدی میں ۹۵ فیصدی ہو گیا.

جب موسیقی زیادہ سیکولر ہو گئی تو جنس مخالف کے رومان اور عاشقی کی رنگین داستان کی طرف زیادہ توجہ دی جانے لگی.

جب ہم بیسویں صدی کی موسیقی کی طرف آتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں، جنسی رومان بھی اصل موضوع ہو گیا ہے، اب یہ مسلسل ایک اہم مقام حاصل کرتا جا رہا ہے، اور جدید موسیقی بتدریج زیادہ سے زیادہ شہوانی غیر شائستہ اور وحشیانہ ہوتی جا رہی ہے.

جنس پرستی کا یہ رجحان مقبولِ عام موسیقی میں بالخصوص زیادہ نمایاں ہے. پاپولر جاز (JAZZ) نائٹ کلب، ٹیلی ویژن اور ریڈیو کی موسیقی انتہائی عریاں، پُر شہوت، اغواء کی ترغیب دینے والی، نیز گمراہ کن ہوتی ہے.

ایسے گانوں کے ریکارڈ لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوتے ہیں، اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں کا خاصا بڑا حصہ ایسے گندے ریکارڈوں

کی تکرار کی نذر ہوتا رہتا ہے۔ ایسے نغمہ نگاروں کی پرستش لاکھوں افراد کرتے ہیں، اور انھیں مالی معاوضہ سنجیدہ نغمہ نگاروں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔

(ص ۲۴، ۲۷ — فریب تمدن ص ۱۲۱)

ہمارے موجودہ دور میں موسیقی معاشرے کے بگاڑ میں جتنا حصہ لے رہی ہے، اتنی کوئی اور چیز نہیں، فلمیں ہوں یا ڈرامے، ناچ ہوں یا گانے شراب خانے ہوں یا نائٹ کلب کوئی چیز ایسی نہیں، جو موسیقی سے خالی ہو۔ کیا یہ سب دیکھنے کے بعد بھی اس سے انکار کرنا ممکن ہے کہ موسیقی شہوانیت کو ہوا دیتی اور زنا کا داعیہ بنتی ہے؟

اسلام اور موسیقی

شرح و ترجمہ

کشف العناء عن وصف الغناء (عربی)

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان

ترجمہ و شرح و تحقیق

محمد عبد المعز

استاذ و رفیق شعبۂ تصنیف و تالیف

دار العلوم کراچی

مکتبۂ دار العلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

ابتدائیہ (از مصنفؒ)

سماع (قوالی) اور غنا (گانے) کی حلت وحرمت کا مسئلہ متأخرین علماء اور صوفیاء کرام کے درمیان معرکۃ الآراء مسئلہ رہا ہے۔ اور دونوں جانب سے بڑی افراط اور تفریط برتی گئی ہے۔ ایک طرف وہ جماعت ہے، جس نے گانے بجانے ہی کو اپنا دین بنالیا ہے، اور نہ صرف اُسے جائز ومستحب، بلکہ فلاح وکامرانی کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ دوسری طرف وہ جماعت ہے، جو اُسے علی الاطلاق ناجائز وحرام اور فسق وفجور سے تعبیر کرتی ہے، بلکہ بعض لوگوں نے تو گانے بجانے والے کو کافر تک کہہ دیا ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ علماء محققین نے اس مسئلہ میں تفصیل بیان کی ہے، چنانچہ ان کے نزدیک غنا کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم باجماع حرام ہے، اور ایک قسم باجماع حلال، اور ایک قسم مختلف فیہ ہے۔

ان حالات کے پیشِ نظر احقر کو خیال ہوا کہ اس موضوع پر ایک مفصل مقالہ لکھ کر مسئلے کے تمام پہلوؤں کو تحقیق اور اعتدال کے ساتھ واضح کر دیا جائے۔

شیخ الاسلام علامہ خیر الدین رملیؒ نے اس مسئلہ کی نزاکت اور اہمیت کی تصویر کشی بڑے اچھے طریقہ سے کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

سماع کا مسئلہ، بہت دقیق اور وسیع مسئلہ ہے، جس میں بحث و مباحثہ نے بڑی جولانیاں دکھائی ہیں۔

اس مسئلہ کے بارے میں ائمہ سلف کے اقوال مضطرب ہیں اور ان کی تشریح و توضیح میں متاخرین علماء کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے تو اس مسئلہ کو ان مسائل میں شمار کیا ہے، جو کافی بحث و مباحثہ کے باوجود منقح اور منضبط نہیں ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی خاصی بڑی تعداد ایسی ہے، جو کوئی فیصلہ نہیں کر سکی، اور اس بارے میں توقف پسند کرتی ہے۔

جب صورتحال یہ ہے تو سماع کو قطعی طور پر حرام کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اور کسی مسلمان سے سوء ظنی اور بدگمانی کس طرح جائز ہو سکتی ہے، اور اس شخص کو کیونکر کافر کہا جا سکتا ہے، جس نے ایک ایسے مسئلہ میں جواز و اباحت کی راہ اختیار کی ہو، جس میں علماء کو خوب غور و فکر کے بعد بھی توقف کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ملا۔

لہٰذا جو شخص تحقیق شدہ معتدل راہ اختیار نہیں کرتا، اور ایسے تفصیل طلب اور مختلف فیہ مسئلہ میں تکفیر تک کرتا ہے، درحقیقت وہ خود کفر کا ارتکاب کرتا ہے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ "جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا، اس نے خود کفر کیا" اس کے علاوہ حلال کو حرام بتانے والا گمراہ ہوتا ہے[1]

(فتاویٰ خیریہ ج ۲ ص ۱۸۳)

اب احقر آپ کے سامنے مسئلہ کی تفصیل و تنقیح پیش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ وہ اُسے اس مسئلہ میں معتدل اور صحیح رائے قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

باب اوّل

دلائلِ حُرمت

حضرت ابو امامہ باہلی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مومنین کیلئے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسری، طنبور، صلیب اور اُمور جاہلیہ کو مٹا دوں۔"

آیاتِ قرآنی

گانے بجانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اسے معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے وہ آیات اور احادیث ذکر کی جاتی ہیں، جن کا تعلق غنا و مزامیر (گانے بجانے) سے ہے، خواہ ان سے حرمت اور ممانعت معلوم ہوتی ہو یا اباحت اور اجازت۔ احادیث کے ساتھ حتی الامکان ان کی اسنادی حیثیت بھی ذکر کرنے کی کوشش کی جائے گی، پھر ان شاء اللہ آخر میں تمام روایات کے درمیان تطبیق پیش کی جائے گی۔

آیاتِ قرآنیہ

قرآنِ کریم میں چار مقامات پر اس مسئلے کے بارے میں ہدایات اور اشارات ملتے ہیں۔

(۱) سورۂ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ؀ (لقمان : ٦)

بعض لوگ ایسے ہیں جو ان باتوں کے خریدار ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی ہیں، تاکہ بے سمجھے بوجھے اللہ کی راہ سے بھٹکائیں اور اس راہ کی ہنسی اڑائیں، ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لَهْوَ الْحَدِيْثِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

هُوَ وَاللّٰهِ الْغِنَاءُ[1]

بخدا اس سے مراد گانا ہی ہے۔

قاضی شوکانی رہ حضرت ابن مسعود رض کے اس قول کو نقل کرکے لکھتے ہیں:

"اسے ابن ابی شیبہ صحیح سند سے لائے ہیں اور امام حاکم اور بیہقی نے بھی اُسے روایت کیا ہے اور اُسے صحیح قرار دیا ہے۔"

(نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ لَهْوَ الْحَدِيْثِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

" هو الغناء واشباهه (ایضا بحوالہ بیہقی)

---

[1] السنن الکبری للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۳۔ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۱۱۔ تفسیر ابن جریر ج ۲۱ ص ۳۶

امام حاکم نے اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے:

"هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه"

یعنی اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں اس روایت کو ذرا مختلف الفاظ سے بھی نقل کیا ہے:۔

عن ابی الصہباء البکری انه سمع عبد الله بن مسعودؓ وهو يسئل هذه الاية وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فقال عبد الله الغناء والذی لا اله الا هو يرددها ثلاث مرات۔ (ابن جریر ج ۲۱ ص ۳۶)

یعنی ابو صہباء بکری کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس سے مراد گانا ہی ہے۔" آپ نے یہ جملہ تین بار دہرایا۔

لہو الحدیث گانا اور اسی قسم کی چیزیں ہیں[1]

حضرت حسن بصریؒ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ قول مروی ہے :۔

ان لہو الحدیث کل ما شغلک عن عبادۃ اللہ وذکرہ من السمر والاضاحیک والخرافات والغناء ونحوھا[1]"

(اخرجہ البخاری فی الادب المفرد وابن ابی الدنیا وابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ)

" لہو الحدیث ہر وہ چیز ہے جو تمھیں اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر سے غافل کردے جیسے رات گئے تک قصے کہانی، لطیفہ گوئی اور خرافات اور گانا وغیرہ "

حضرت مجاہدؒ سے اس آیت کی تفسیر یوں منقول ہے کہ

ھو اشتراء المغنی والمغنیۃ والاستماع الیہ والی مثلہ من الباطل[2]

(اخرجہ آدم وابن جریر والبیھقی فی سننہ)

لہو الحدیث سے مراد گانے والے غلام یا باندی خریدنا اور ان سے گانے اور اس

---

[1] الادب المفرد مع فضل اللہ الصمد ج ۲ ص ۶۶۲ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۲۱ و ۲۲۳ ۔ امام بیہقی لکھتے ہیں : " ورویناہ عن مجاھد وعکرمۃ وابراھیم النخعی " (ایضا ص ۲۲۳) یہی الفاظ ہمیں مجاہد، عکرمہ اور ابراہیم نخعی سے بھی روایت کیے گئے ہیں

[2] تفسیر روح المعانی ج ۲۱ ص ۶۷ حضرت حسن بصریؒ سے یہ روایت بھی ہے کہ

" قال الحسن البصری نزلت ھذہ الآیۃ فی الغناء والمزامیر "

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴۲)

یعنی حسن بصری نے فرمایا کہ آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ الخ گانے بجانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

جیسے خرافات سُننا ہے[۱]۔"

امام ابُو بکر جصّاص رحمۃ اللہ علیہ نے آیت لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کے تحت لکھا ہے:

"حضرت ابن عباسؓ سے آیت ومن الناس من یشتری لھو الحدیث کی تفسیر میں منقول ہے کہ اس سے مراد مغنیہ باندی خریدنا ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اسی قسم کا قول مروی ہے، حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد گانا اور ہر قسم کا لہو ولعب ہے[۲]۔"

---

[۱] السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۵۔ تفسیر ابن جریر ج ۲۱ ص ۳۷ البتہ ان دونوں میں "ھو اشتراء المغنی والمغنیۃ کے بعد بالمال الکثیر" کا اضافہ بھی ہے اور بقیہ الفاظ وہی ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔

[۲] احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۳۲۷۔ حضرت ابن عباسؓ سے لھو الحدیث کی تفسیر "شراء المغنیۃ" اور حضرت مجاہدؒ سے "الغناء وکل لعب ولھو" علامہ ابن جریر طبریؒ نے بھی نقل کی ہے (دیکھئے تفسیر ابن جریر ج ۲۱ ص ۳۶ و ۳۷)

ان کے علاوہ حافظ ابن جریرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ "ھو الغناء والاستماع لہ" یعنی لہو الحدیث سے مراد گانا اور اس کا سُننا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی لہو الحدیث کی تفسیر "غنا" ہی منقول ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے: "وصح عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ایضا انہ الغنا" (اغاثۃ اللہفان ج ۱ ص ۲۴۲، نیز دیکھئے عارضۃ الاحوذی لابن العربی ج ۱۲ ص ۴۳)

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ کا قول علامہ ابن عساکرؒ نے نقل کیا ہے کہ:

"من اشتری جاریۃ ضرابۃ لتمسکھا لغنائھا وضربھا مقیما علیہ حتی یموت لم اصل علیہ لان اللہ تعالیٰ قال وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ الآیۃ" (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۵۲ و تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۹) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ) جس شخص نے گانے بجانے والی باندی خریدی تاکہ اُسے گانے اور
موسیقی کے لئے مقرر کرلے اور اسی حالت پر برقرار رہا یہاں تک کہ اُسے موت آگئی
تو میں اسکی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي" الآیۃ

حضرت مکحول رح کا یہی قول امام خلال رح نے بھی اپنی سند سے نقل کیا ہے البتہ الفاظ ذرا مختصر
ہیں :

"من مات وعنده مغنية لم يصل عليه"

(الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ص ۱۶۰)

"جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کے پاس ایک گانے والی باندی ہو، اسکی
نماز جنازہ نہ پڑھی جائے"

امام ترمذیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے :۔

عن ابی امامة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتبيعوا
القينات ولا تشتروهن ولا تعلموهن ولاخير في تجارة فيهن و
ثمنهن حرام، في مثل هذا انزلت هذه الآية وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ الى آخر الآية "

(ترمذی، کتاب التفسیر ج ۲ ص ۳۶۰، وکتاب البیوع ج ۱ ص ۳۵)

حضرت ابوامامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، مغنیہ
باندیوں کی خرید وفروخت نہ کرو اور نہ انھیں گانا سکھاؤ، انکی تجارت میں کوئی خیر نہیں
اور ان کی قیمت لینا حرام ہے اور اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، وَمِنَ النَّاسِ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ) مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ الآية

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اسے "غریب" قرار دیا ہے اور اس کے ایک راوی علی بن یزید کو ضعیف کہا ہے۔

ترمذی کی روایتِ مذکورہ اگرچہ "غریب" ہے مگر اسکی تائید ان دوسری روایات سے ہوتی ہے، جس سے غنا و مزامیر کی حرمت معلوم ہوتی ہے، علاوہ ازیں حضرت ابن مسعودؓ کا اس آیت کی تفسیر میں قسم کھا کر فرمانا کہ اس سے مراد گانا ہی ہے، اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی "غنا" کے مراد ہونے پر قسم کھانا جیسا کہ "عوارف" اور "مدارک" وغیرہ میں لکھا ہے، اس روایت کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ ان دو جلیل القدر صحابہ کا ایک متعین تفسیر پر قسم کھانا اور اس قدر تاکید سے کہنا بظاہر اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تفسیر سُنی ہو۔

پھر ان دو صحابہؓ کے علاوہ حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی "غنا" ہی کی تفسیر منقول ہے، اور صحابہؓ کی تفسیر کے بارے میں بعض علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کسی صحابی سے جو تفسیر منقول ہو وہ حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے، چنانچہ امام حاکمؒ "مستدرک" کی کتاب التفسیر میں لکھتے ہیں:

"قال الحاكم ليعلم طالب هذا العلم ان تفسير الصحابي الذى شهد الوحى والتنزيل عند الشيخين حديث مسند"

(ذکر فضیلۃ سورۃ الفاتحۃ ج ۲ ص ۲۵۸)

یعنی حاکم کہتا ہے کہ تفسیر کے طالب علم کو جان لینا چاہئیے کہ صحابی کی تفسیر، جو درحقیقت نزولِ وحی و قرآن کا عینی شاہد ہوتا ہے، شیخین (امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ) کے نزدیک حدیث مسند ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) سورۃ بنی اسرائیل میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

"وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ" (بنی اسرائیل: ۶۴)

ان میں سے جس پر تو قابو پاتے اُسے اپنی آواز کے ذریعہ (راہِ راست سے) ہٹادے۔

حضرت مجاہدؒ کی تفسیر کے مطابق آیت میں صوت سے مراد گانا بجانا، لہو و لعب اور

(گذشتہ سے پیوستہ) ایک اور جگہ لکھتے ہیں :۔

"هو عندنا في حكم المرفوع"

یعنی صحابی کی تفسیر ہمارے نزدیک مرفوع

حدیث کے حکم میں ہے۔

نیز اس آیت کے شانِ نزول میں مفسرین نے نضر بن حارث کا جو واقعہ نقل کیا ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد غنا ہی ہے جیسا کہ تفصیل سے مقدمہ میں گذر چکا ہے۔

لہو الحدیث کی تفسیر بعض حضرات سے "شرک" منقول ہے، جو بظاہر آیت کے مفہوم سے بالکل جوڑ نہیں کھاتی، اور بعض حضرات نے اسکی تفسیر ہر باطل کلام اور گفتار سے کی ہے، اور اس سے مراد ہر وہ چیز لی ہے جو حق سے روکے، مگر ظاہر ہے کہ یہ تفسیر "غنا" کی تفسیر کے مخالف نہیں ہے، بلکہ زیادہ عام تفسیر ہے، جس کے عموم میں خود غنا و مزامیر بھی شامل ہیں، کیونکہ وہ حق سے روکنے میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام مفسرین نے لہو الحدیث سے مراد یا تو صرف گانا بجانا لیا ہے یا تمام فضول اور گمراہ کن کام، جن میں سرِ فہرست انھوں نے غنا و مزامیر کو شمار کیا ہے۔

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس آیت سے جہاں غنا و مزامیر کی حرمت معلوم ہوتی ہے وہیں ان لوگوں کے لئے زبردست تہدید بھی ہے جو غنا و مزامیر کا کاروبار کرتے ہیں یا گانے بجانے کے پیشے سے متعلق ہیں یا کسی بھی طریقہ سے یہ مذموم چیزیں مسلم معاشرے کے اندر پھیلانے کی سعی کرتے ہیں کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے مذکورہ آیات میں دردناک عذاب کی بشارت دی گئی ہے۔

فضول اور بے کار قسم کے کام ہیں[1]

(اخرجه ابن المنذر وابن جریر وغیرهما کذا فی الروح)

---

[1] روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۱۱۔ ابن جریر کی روایت کے الفاظ ہیں:

"بصوتك قال باللهو والغنا"

(ابن جریر ج ۱۵ ص ۷۶)

یعنی صوت سے مراد لہو اور گانا ہے

علامہ سیوطیؒ "الاکلیل فی استنباط التنزیل" میں ابن حاتم سے روایت کرتے ہیں کہ:

"قال مجاهد صوت الغناء والمزامیر وقال الحسن الدف"

(الاکلیل: ص ۱۴۲)

یعنی مجاہد نے صوت کی تفسیر گانے اور آلاتِ غنا سے کی ہے اور حضرت حسن بصریؒ نے صوت سے مراد دف لیا ہے۔

حضرت ضحاک نے بھی صوت کی تفسیر "صوت المزمار" یعنی بانسری کی آواز سے کی ہے (تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۲۸۸) جبکہ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے صوت کی نسبتاً عام تفسیر منقول ہے۔ یہ دونوں بزرگ کہتے ہیں کہ آیت میں صوت سے مراد ہر وہ چیز ہے جو گناہ و نافرمانی کی طرف بلائے، مگر یہ تفسیر بھی مجاہد، ضحاک اور حسن بصری کی تفسیر کے مخالف نہیں، بلکہ ان کی تفسیر کو اپنے پہلو میں سموئے ہوئے ہے، چنانچہ علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:

"قال ابن ابی حاتم فی تفسیرہ عن ابن عباسؓ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ قال کل داع الی معصیة ومن المعلوم ان الغناء من اعظم الدواعی الی المعصیة ولهذا فسر صوت الشیطان به" (اغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۵۵) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۳) سورۃ النجم میں ارشاد فرمایا :

أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ۝ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۝ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ۝ (النجم : ۵۹، ۶۰، ۶۱)

کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوتا ہے، اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو۔

امام ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ لغتِ حمیرؒ میں سمود گانے کو کہتے ہیں۔ حضرت عکرمہ سے بھی یہی مروی ہے۔ (روح المعانی[۱])

(گذشتہ سے پیوستہ) یعنی ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے آیت میں بصوتک کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو گناہ اور نافرمانی کی طرف بلائے" اور یہ بات معلوم ہے کہ گناہ کی طرف بلانے والی چیزوں میں سب سے بڑھ کر گانا ہے، اور اسی وجہ سے شیطان کی آواز کی تفسیر گانے سے کی گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ گانا بجانا شیطان کا ہتھیار ہے، جس کے ذریعہ وہ نوعِ انسانی کو سیدھے راستے سے بھٹکانے کا کام لیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے جو آگے تفصیل سے آرہی ہے۔

[۱] روح المعانی ج ۲۷ ص ۷۰۔ حضرت عکرمہ کے قول کو امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری، مجتبائی ج ۲ ص ۷۲۰) نیز علامہ ابن منظورؒ لکھتے ہیں :

"روی عن ابن عباس انه قال السمود الغناء لغة حمير يقال اسمدی لنا غنی لنا ويقال للقينة اسمدينا ای الهينا بالغناء"

(لسان العرب ج ۴ ص ۲۰۴)

"یعنی حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ "سمود" کے معنی "گانا" ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حمیری لغت ہے، چنانچہ "اسمدی لنا" کے معنی ہیں "غنی لنا"۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سمود کی تفسیر میں فرمایا:

هو الغناءُ باليمانية وكانوا اذا سمعوا القرآن غنوا تشاغلا عنه "

(اخرجه عبد الرزاق والبزار وابن جرير والبيهقي۔ روح المعانی)

"یعنی "سمود" یمانی زبان میں گانے کو کہا جاتا ہے۔ مشرکین جب قرآن کی آواز سنتے تو بیزاری ظاہر کرنے کے لئے گانا شروع کر دیتے[1]

(گذشتہ سے پیوستہ) اور جب کسی گانے والی سے کہا جاتا ہے "اسمدینا" تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ ہمیں گانا سنا کر مست کر دو"

[1] روح المعانی، ج ۲۷ ص ۷۲، نیز دیکھئے تفسیر ابن جریر ج ۲۷ ص ۴۳، ۴۴، ۴۴ اور سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۳ حضرت ابن عباسؓ سے سمود کی تفسیر غنا علامہ ہیثمی نے بھی نقل کی ہے اور پھر لکھا ہے:

رواه البزار ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۶)

لغت کے مشہور عالم علامہ ابن درید نے بھی "جمہرۃ اللغۃ" (ج ۲ ص ۲۶۵) میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ "یہ یمانی لغت ہے"۔ لغت میں لفظ "سمود" کے معنی غنا کے علاوہ کھیل کرنا، غافل ہونا اور تکبر سے سر اٹھانا بھی آتے ہیں، لیکن اس میں چنداں شبہ نہیں کہ ان معانی میں اور غنا کے معنیٰ لینے میں کچھ تضاد نہیں، اس لئے کہ مشرکین اپنے کھلنڈرے پن، غفلت اور تکبر کا اظہار اس طرح بھی کرتے تھے کہ وہ تلاوت قرآن کے وقت گانا گانا اور ڈھول ڈھپا بجانا شروع کر دیتے تھے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ گانا بجانا کھلنڈرے پن اور غفلت کی دلیل ہے، نیز مشرکین اُسے اظہار تکبر کے لئے بھی استعمال کرتے تھے، وہ اپنی مالی فراوانی اور خوشحالی کا اظہار ان فضولیات کے ذریعہ بھی کرتے تھے، اور اس طرح مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ دیکھو ہم کیسے مزے لوٹ رہے ہیں اور تم (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر کے کیسی تکالیف، مشکلات اور بدحالیوں کا شکار ہو۔

ان مذکورہ تین آیات سے محققین صوفیاء کے امام علامہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "عوارف المعارف" میں "غنا" کی تحریم پر استدلال کیا ہے [۱]

(۴) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا :

لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ (الفرقان۔۷۲)

وہ بے ہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے

حضرت محمد ابن الحنفیہ اور مجاہد نے الزور کی تفسیر "غناء" سے کی ہے۔ (کف الرعاع)[۲]

امام ابوبکر جصاص آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

"عن ابی حنیفۃ الزور الغناء"

یعنی امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ زور سے مراد غناء ہے[۳]

آگے لکھتے ہیں :

حضرت محمد بن الحنفیہ نے لا یشہدون الزور کی تفسیر آیت لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ الخ سے بھی کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کسی ایسی چیز کے درپے نہ ہو جس کا اسے علم نہ ہو۔

ابوبکر (المصنف) کہتا ہے کہ آیت میں دونوں ہی احتمال ہیں، ممکن ہے کہ اس سے مراد غنا ہو، جیسا کہ کچھ علماء نے مراد لیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے، ایسی بات کہنا مراد ہو جس کا قائل کو علم نہ ہو۔ بہرحال! لفظ چونکہ عام ہے اس لئے دونوں ہی معنیٰ مراد ہو سکتے ہیں [۴] (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۲۸)

---

[۱] عوارف المعارف۔ الباب الثالث والعشرون فی القول فی السماع ردا و انکارا ص ۱۸۷

[۲] کف الرعاع لابن حجر المکی مطبوع بہامش "الزواجر" ص ۳۹، نیز تفسیر الدر المنثور ج ۵ ص ۸۰۔ علامہ سیوطی رح نے یہی قول حسن اور ابوحجاف سے بھی نقل کیا ہے [۳] احکام القرآن ج ۳ ص ۴۲۷۔

[۴] امام ابن جریرؒ نے بھی الزور کی تفسیر میں مختلف اقوال ذکر کیے ہیں اور (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مذکورہ بالا آیات سے ان تفاسیر کی روشنی میں بظاہر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ غنا و مزامیر مطلقاً حرام ہیں۔

(گذشتہ سے پیوستہ) اس کے بعد لکھا ہے:۔

"فاولی الاقوال بالصواب فی تاویلہ ان یقال الذین لایشھدون الزور شیئا من الباطل لا شرکا و لا غناء و لا کذبا و لا غیرہ و کل مالزمہ اسم الزور"

(تفسیر ابن جریر ج ۱۹ ص ۲۹)

آیت کی تفسیر میں اولیٰ اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ عام معنی مراد لئے جائیں اور کہا جائے کہ عباد الرحمٰن کسی بھی قسم کے باطل کام میں شریک نہیں ہوتے، خواہ وہ شرک ہو، یا غنا یا کوئی جھوٹ یا کوئی اور کام جس پر "الزور" کا لفظ صادق آتا ہو"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس محفل یا مقام میں کوئی بُرا کام ہو رہا ہو، وہاں جانا اور اس میں شرکت کرنا اللہ کے نیک بندوں کے شایانِ شان نہیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک باجماع کسی ایسی محفل میں شرکت کرنا جائز نہیں جہاں ناچ گانے یا موسیقی وغیرہ ہو رہے ہوں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "الفقہ علی مذاھب الاربعۃ" ج ۲ ص ۳۵ تا ۳۹)

احادیث نبویؐ

غنا دمزامیر کے بارے میں دو قسم کی احادیث آتی ہیں، بعض احادیث ان کی کراہت اور تحریم پر دلالت کرتی ہیں اور بعض اباحت اور جواز پر۔ پہلے وہ احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن سے کراہت اور تحریم معلوم ہوتی ہے۔

(۱) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْعَامِرٍ اَوْ اَبُوْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیُّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیَکُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِیْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ (اخرجه البخاری فی الاشربة) وفی لفظ لَیَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِیْ الْخَمْرَ یُسَمُّوْنَهَا بِغَیْرِ اسْمِهَا یُعْزَفُ عَلٰی رُؤُسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّیَاتِ یَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ وَیَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیْرَ۔ رواه ابن ماجه وقال عن ابی

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ مجھے زید ابوعامر یا ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "عنقریب میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے"۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں: "عنقریب میری اُمت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل دیں گے، ان کے سروں پر ناچ گانے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعض کو خنزیر اور بندر بنا دے گا۔

مالک الاشعری ولم یشک۔ [4]

(منتقی الاخبار ص ۹۶ ج ۸)

ابوداؤد نے بھی یہ روایت نقل کی ہے [5]، اور ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے [6]۔ اور اس کے دیگر شواہد بھی موجود ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۸ ص ۹۷)

عـ۵ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، باب فی الداذی ج ۲ ص ۵۱۹۔ ابوداؤد کی روایت مختصر ہے اور اس میں معازف وقینات اور خسف ومسخ کا ذکر نہیں ہے۔

عـ۶ موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، کتاب الاشربۃ، باب فی من یستحل الخمر ص ۳۳۶۔ صحیح ابن حبان اور سنن ابی داؤد کی سند ایک ہی ہے، لیکن امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پوری نقل کی ہے جس میں معازف وقینات اور خسف ومسخ کا ذکر ہے جب کہ امام ابوداؤد نے غالباً اختصار سے کام لیا ہے اور حدیث کا ابتدائی حصہ جو اُن کے مطلب کا تھا، نقل کردیا ہے۔ واللہ اعلم۔

سلہ دیکھئے صحیح بخاری، کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیہ بغیر اسمہ ج ۲ ص ۸۳۷ وابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات ص ۳۰۰۔ ابن ماجہ کی روایت کی سند بالکل صحیح ہے چنانچہ حافظ ابن قیم نے صحت کی تصریح بھی کی ہے۔ (اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۲۶۱)

"معازف" کے بارے میں علمائے لغت کا اتفاق ہے کہ اس کے معنی باجے اور آلاتِ غنا ہیں۔ مذکورہ حدیث سے آلاتِ غنا کی حرمت پر استدلال نہایت واضح ہے، کیونکہ حدیث میں "یَسْتَحِلُّوْنَ" کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے جو صاف بتا رہا ہے کہ ذکر کردہ اشیاء، جن میں باجے بھی شامل ہیں، شریعت میں حرام ہیں جنھیں بعض لوگ حلال قرار دے لیں گے۔

نیز معازف کو زنا، ریشم اور شراب جیسی حرام چیزوں کی صف میں رکھا گیا ہے اور انھیں حلال قرار دینے کو ایسا ہی سنگین جرم بتایا گیا ہے جیسے شراب کو حلال قرار دینا، اور پھر ان سب کی یکساں مذمت کر کے عذابِ الٰہی کی وعید سنائی گئی ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

گمراہ کن تاویل :

معازف کو حلال کرنے والے بعض لوگ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ "اس سے حرمت معازف پر استدلال درست نہیں، کیونکہ معازف و مزامیر فی نفسہ حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں مگر انھیں جب کسی حرام چیز کے ساتھ ملا یا جاتا ہے تو یہ قابل مذمت اور حرام ہو جاتے ہیں چنانچہ یہاں بھی باجے محض اس لئے مذموم قرار پاتے کہ وہ شراب، زنا اور ریشم کے ساتھ ملے ہوئے ہیں" وہ لوگ مزید کہتے ہیں کہ "مذکورہ حدیث میں عذاب کی وعید چار چیزوں کے مجموعے پر سنائی گئی ہے لہٰذا جب ان چاروں یعنی زنا، ریشم، شراب اور معازف کا ایک ساتھ ارتکاب ہوگا، تب ہی وعید کا استحقاق ہوگا۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جب چند ترتیب وار چیزوں کی ممانعت ہو تو ان سب کی مجموعی وعید اس مجموعے کے کسی ایک فرد کی وعید کی دلیل نہیں ہوگی اور اسکی بڑی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے :-

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

اسے پکڑ کر گلے میں طوق ڈالو، پھر اُسے جہنم میں لے جاؤ، پھر ستر گز کے حلقے والی زنجیر میں اسے جکڑ دو۔ یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور مسکین کو کھلانے پر کسی کو اُبھارتا نہ تھا۔

(پارہ ۲۹: رکوع ۵:)

یہاں بلاشبہ اس وعید شدید کا سبب محض مسکین کو کھلانے پر نہ اُبھارنا نہیں ہے اور نہ اس کو ترک کرنا حرام ہے"

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ) لیکن ان حضرات کا یہ اعتراض اور تاویل درست نہیں، بلکہ اصل یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کے غلام جب دین کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں تو اس وقت ان کی دست درازیوں سے کوئی چیز محفوظ نہیں رہتی، وہ اپنے دعوے ثابت کرنے کے لئے قرآن وسنّت تک کو بدلنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور ان میں وہ تاویلات کرتے ہیں جو تحریفِ معنوی کا بدترین نمونہ ہوتی ہے، بلکہ بسا اوقات ان کی تاویلات عربی زبان کے مسلّمہ قواعد کے خلاف ہونے کے علاوہ عقل وشعور کی بھی صریح مخالف ہوتی ہیں۔ مندرجہ بالا تاویل کی نوعیت بھی کچھ یہی ہے۔

چنانچہ پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث میں مذکور چار چیزوں میں معازف ہی کی کیا خصوصیت ہے کہ وہ تنہا حلال ہیں اور مجموعے کی صورت میں حرام ہیں، آخر یہی بات زنا، شراب یا ریشم کے بارے میں بھی تو کہی جاسکتی ہے اور جس طرح انھوں نے گندگی کے اس ڈھیر میں سے مَعَازف کو پاک صاف، حلال وطیّب کر کے نکال لیا، اگر کل کوئی شخص شراب کے حلال ہونے کا دعوٰی کرے اور اس حدیث میں یہی تاویل کر کے کہے کہ شراب ایک حلال اور پاک چیز ہے، البتہ مجموعے کی صُورت میں حرام ہے تو یہ حضرات اُسے کیا جواب دیں گے؟ یا اگر یہی بات کوئی زنا کے بارے میں کہے اور اس حدیث میں یہی تاویل کرے تو ان کا کیا جواب ہوگا؟ پھر آخر مَعَازِف ہی میں وہ کیا خوبی ہے جس کی بناء پر اُسے مجموعے کے ساتھ مل کر حرام اور تنہا حلال کہا جارہا ہے؟

دوسری بات یہ کہ ان کی یہ تاویل قواعدِ عربیہ کی صریح مخالف ہے اور اگر اُسے مان لیا جائے تو ایک بہت بڑی گمراہی کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حدیث میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں "یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف"۔ اور ان میں چار چیزوں کو (بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ) حرف عطف "و" کے ساتھ جوڑا گیا ہے، اور یہ عربیت کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ حرف عطف "و" معطوف اور معطوف علیہ کو ایک حکم میں جمع کرتے کے لئے آتا ہے اور شمولیت حکم کے لئے معطوف اور معطوف علیہ کا ایک ساتھ پایا جانا یا بالترتیب پایا جانا ضروری نہیں۔ جیسے آپ ٹھیٹ اصطلاحی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ "و" مطلق جمع کے لئے آتا ہے"۔ اس قاعدے کی تصریح تمام علماء نے کی ہے، ہم محض صاحب "الکشاف" علامہ زمخشری رح کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، جو لغت عربیہ کے جلیل القدر اور مسلّم امام ہیں، موصوف اپنی کتاب "المفصل" میں لکھتے ہیں کہ:

" فالواو للجمع المطلق من غير ان يكون المبدوء به داخلا في الحكم قبل الآخر ولا ان يجتمعا في وقت واحد بل الامران جائزان وجائز عكسهما"

(شرح المفصل ج ۸ ص ۹۰)

" "و" مطلق جمع کے لئے آتا ہے، اس سے قطع نظر کہ معطوف علیہ پہلے حکم میں داخل ہوا ہے یا معطوف، نیز یہ کہ دونوں ایک ہی وقت میں حکم میں جمع ہیں یا نہیں، دونوں ہی صورتیں جائز ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ چونکہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے اور اس میں معطوف اور معطوف علیہ کے اکٹھے پائے جانے کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہوتا، اس لئے بالعموم یہی سمجھا جاتا ہے کہ فرداً فرداً حکم میں شامل ہیں، اور دونوں کا ایک ساتھ پایا جانا محض ایک اتفاقی امر ہے جو کسی قوی قرینے سے متعین ہوتا ہے، چنانچہ جب آپ کہتے ہیں کہ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ "میرے پاس زید اور عمرو آئے"۔ اب اس میں دونوں ہی احتمال ہیں کہ زید اور عمرو اکیلے اکیلے آئے یا دونوں اکٹھے آئے، لیکن اکٹھے آنے کا دعویٰ کرنا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) اسی وقت صحیح ہے جب کہ کوئی قرینہ موجود ہو، ورنہ یہی سمجھا جائے گا کہ فرداً فرداً دونوں ہی آئے، یہی عربی زبان کا عام اسلوب ہے چنانچہ اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، ہم محض دو ایک مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المائدة ۹۰)

ترجمہ: "اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے پلید شیطانی کام ہیں ان سے بچے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

یہاں چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں اور ان چاروں کو حرفِ عطف واؤ کے ذریعے جوڑا گیا ہے جو مطلق جمع کے لئے آتا ہے اور فرداً فرداً ہر ایک حکم میں شامل ہوتا ہے۔ مجموعی صورت کا دعویٰ اسی وقت ٹھیک ہے جب کوئی انتہائی قوی قرینہ موجود ہو، ورنہ کل کوئی منچلا اٹھ کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ شراب حلال پاکیزہ چیز ہے، کیونکہ ایک جہاں اُسے پیتا ہے، دراصل قرآن کریم میں شراب کی جو مذمت آئی ہے، وہ دوسری حرام چیزیں ساتھ مل جانے کی وجہ سے آئی ہے، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ جہاں کہیں شراب کی مذمت بیان کی گئی ہے وہیں جوئے کا ذکر بھی کیا گیا ہے، تو وہ شراب حرام ہے جو جوئے تک پہنچا دے گا۔ ورنہ فی نفسہٖ شراب میں کوئی قباحت نہیں۔ ایسے ہی کوئی دوسرا شخص جوئے کے بارے میں بھی یہی دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ بھی صرف اجتماعی صورت میں حرام ہے، ورنہ انفرادی طور پر حلال اور پاکیزہ چیز ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ)

"اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ (البقرۃ: ۱۷۳)

تم پر حرام کیا گیا ہے، مُردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے۔

اس آیت میں بھی چار چیزیں بیان کی گئی ہیں جن کو حرفِ عطف واؤ کے ذریعے جوڑا گیا ہے لہٰذا یہاں بھی ہر ایک چیز فرداً فرداً حکم میں شامل ہوگی، یہ دعویٰ کہ اجتماعی صورت مراد ہے، نہایت قوی قرینے کا محتاج ہے، ورنہ کل کوئی ملحد اٹھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ سُور حلال پاکیزہ چیز ہے، ایک دنیا اس کا گوشت کھاتی ہے، البتہ جب وہ دوسری ناپاک چیزوں کے ساتھ مل جاتا ہے تو حرام ہو جاتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں سُور کی جو حرمت آئی ہے وہ دراصل مجموعے کی صورت میں ہے، یعنی وہ سُور حرام ہے جو مردار ہو یا غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے' اس کا قرینہ یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی سُور کی حرمت بیان کی گئی ہے، وہیں ان دونوں اشیاء کا ذکر بھی ہے۔

دیکھا آپ نے! اگر ان کی یہ من گھڑت تاویل مان لی جائے، تو شاید قرآن وسنت سے کسی بھی چیز کو حرام یا حلال ثابت کرنا ممکن نہ رہے اور گمراہی کا ایسا دروازہ کھلے کہ اسلام کی اصولی تعلیمات بھی باقی نہ بچیں اور دین کا حلیہ بگڑ کر رہ جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ ان بُری چیزوں کو کیوں ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے' تو جواب یہ ہے کہ بعض کاموں کی بعض کاموں سے خاص مناسبت ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے لئے معاون بنتے ہیں، اسی وجہ سے بسا اوقات ایک دوسرے کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ) یہ اصول جس طرح طاعات میں جاری ہوتا ہے کہ بعض طاعات دوسری کے لئے معاون ہوتی ہیں، اسی طرح معاصی میں بھی کار فرما ہے۔ چنانچہ بعض معصیتیں دوسری معصیتوں سے خاص مناسبت اور تعلق رکھتی ہیں، اسی وجہ سے اکثر ان کا ذکر ایک ساتھ کیا جاتا ہے، مثلاً شراب کو جوئے سے خاص مناسبت ہے، چنانچہ اکثر جوا کھیلنے والا شراب کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور شراب پینے والا جوئے کی طرف چل دیتا ہے، اسی وجہ سے ان کا ذکر ساتھ آیا ہے، بعینہٖ یہی معاملہ اس حدیث میں ہے کہ یہ چاروں گناہ ایک دوسرے کے ساتھ خاص مناسبت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے ممد و معاون بنتے ہیں۔ چنانچہ ناچ گانے، زنا، شراب اور لباس حرام کی مناسبت اس قدر بدیہی ہے کہ اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض انسانیت شناس لوگوں نے کہا ہے کہ:

"الغناء رقیۃ الزنا"

گانا زنا کا افسوں ہے۔

(۲) اپنے دعوے میں یہ دلیل پیش کرنا کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب چند ترتیب وار چیزوں کی ممانعت ہو تو ان سب کی مجموعی وعید کسی ایک فرد کی وعید کی دلیل نہیں ہوگی، آنکھوں میں دھول جھونکنا اور صاف مغالطے میں ڈالنا ہے۔

دراصل اس دلیل میں خلط مبحث سے کام لیا گیا ہے، چنانچہ ذرا غور کرنے کے بعد بات صاف ہوجاتی ہے، کیونکہ حدیث میں "معازف" کی حرمت یستحلون کے لفظ سے ثابت ہو رہی ہے نہ کہ عذاب کی وعید سے۔

مطلب یہ ہے کہ زنا، ریشم، شراب اور باجے شریعت میں حرام ہیں، جب اُمّت کے بعض لوگ انھیں حلال سمجھنے لگیں گے تو ان پر عذاب نازل ہوگا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتنی سے پیوستہ) یہ بحث، کہ ان میں سے کسی ایک کو حلال کریں گے تو یہ عذاب نازل ہوگا یا جب ان سب کو حلال کرینگے تو عذاب نازل ہوگا، ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ ایک حرام چیز کو حلال کرنے کی کیا سزا ہوگی؟ اور کئی حرام چیزوں کو حلال کرنے کی کیا سزا ہوگی؟ بہرحال حدیث سے اتنا صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ چار حرام چیزوں کو حلال کرنے کی جسارت کریں گے جس کی سزا میں ان پر یہ عذاب نازل ہوگا۔

رہا اپنے اصول کے لئے آیت خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ الآیۃ سے استدلال کرنا، سو وہ بھی درست نہیں، اس لئے کہ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ عذاب دو چیزوں کے مجموعے پر موقوف تھا، اور اگر وہ صرف کفر ہی کا مرتکب ہوتا تو یہ عذاب نہ دیا جاتا؟

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کوئی قانون یا منطق کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس کا اسلوب خطابی اور وعظ و تذکیر پر مشتمل ہے، چنانچہ وہ کسی شخص کے عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے اعمالِ بد شمار کراتا ہے تو اس میں اس مسئلے سے کوئی بحث نہیں ہوتی کہ یہ عذاب (ان تمام اعمالِ بد کے مجموعے پر متفرع ہے یا ان میں سے ہر بدعملی اپنی انفرادی حیثیت میں بھی اس عذاب کے لئے کافی تھی؟ چنانچہ ان اعمالِ بد میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو تنہا بھی اس عذاب کے لئے کافی ہوتے، اور بعض ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو تنہا ہونے کی صورت میں چاہے اتنے شدید عذاب کے مستوجب نہ ہوں لیکن گناہ ضرور ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں آیاتِ خداوندی کو جھٹلانا بلاشبہ ایسا جرم ہے جو تنہا بھی اس عذاب کے لئے کافی ہو سکتا تھا؛ ہاں! مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا بیشک ایسا جرم ہے جس کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ گناہ ہونے کے باوجود شاید اتنے شدید عذاب کا مستوجب نہ ہوتا،

. . . .

(گذشتہ سے پیوستہ) لیکن اوّل تو اس بارے میں بھی کچھ علماء کی رائے یہ ہے کہ "حضّ اطعام" سے مراد آخرت کا انکار ہے، کیونکہ مسکین کو کھلا کر اس سے اُجرت نہیں مانگی جاتی، بلکہ ثواب آخرت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو جو شخص آخرت پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسکین کو کیا کھلائے گا، یا کھلانے پر کیوں اُبھارے گا، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں :-

" وفيه اشارة الى انه كان لا يؤمن بالبعث لان الناس لا يطلبون على المساكين فيما يطعمونهم، وانما يطعمونهم لوجه الله رجاء الثواب فى الآخرة، فاذا لم يؤمن بالبعث لم يكن ما يحمله على اطعامهم "

(فتح البیان ج ۱۰ ص ۵۴۳)

"اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ شخص آخرت کا قائل نہ تھا اس لیے کہ لوگ مسکین سے کھانے کا بدلہ نہیں طلب کیا کرتے، وہ انھیں محض اللہ کی رضا اور آخرت میں ثواب کی اُمید پر کھلاتے ہیں تو جب وہ آخرت پر ایمان نہیں لایا تو کوئی چیز ایسی نہیں، جو اُسے کھلانے پر اُبھارے۔"

نواب صاحب کی اس تفسیر کو مان لیا جائے تو سرے سے بات ہی ختم ہو جاتی ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ یہ عذاب اللہ کو نہ ماننے پر بھی ہو سکتا ہے اور یہی عذاب آخرت کے انکار پر بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں مجموعہ مراد لینا اور مجموعے پر عذاب ثابت کرنا ضروری نہیں رہتا۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ "حضّ اطعام" حقوق العباد سے کنایہ ہے اور حقوق العباد ادا نہ کرنے کا سبب عدمِ ایمان ہے۔ چنانچہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو اس قدر سخت

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ) عذاب اس وجہ سے ہوگا کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا نہ کرتا تھا۔ حقوق اللہ تو اس طرح کہ اللہ پر ایمان ہی نہ رکھتا تھا اور حقوق العباد اس طرح کہ کسی غریب، مسکین کی مدد کرنا اور اس کو کھلانا، پلانا تو درکنار، اسے اتنی توفیق بھی نہیں ہوتی تھی کہ کسی دوسرے ہی کو مسکین کی امداد پر اُبھار دیتا۔

خلاصہ یہ کہ وہ حقوق العباد ادا نہ کرتا تھا، جس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ اللہ پر ایمان نہ رکھتا تھا، اس وجہ سے اس کے اندر مخلوق کے لئے رحم و شفقت اور ان کی اعانت و امداد کا جذبہ بھی نہ تھا۔ اس صورت میں بھی حاصل یہی نکلتا ہے کہ ترکِ حضِّ اطعام سے مراد عدم ایمان باللہ ہے۔ یہی تفسیر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اختیار فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

> ''یہاں اطعام اور حض سے مراد مرتبہ واجبہ ہے اور اس کے ترک سے مراد وہ ترک جس کا سبب عدم ایمان ہو۔ حاصل یہ کہ خدا کی عظمت اور مخلوق کی شفقت جو اصل عبادات متعلقہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ہیں یہ دونوں کا تارک اور منکر تھا، اس لئے مستحق عذاب ہوا۔''

(بیان القرآن ج ۱۲ ص ۳۶)

اس تفسیر کی روشنی میں بھی مجموعہ مراد لینے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ دونوں کا مآل ایک ہی نکلتا ہے، اور اگر بالفرض یہاں ''حضِّ اطعام'' سے مراد ایمان بالآخرۃ یا حقوق کی ادائیگی نہ ہو بلکہ اس کے ظاہری معنیٰ ہی مراد ہوں تب بھی زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں یہی کہا جا سکے گا کہ یہاں جس عذاب کا ذکر ہے، وہ صرف ''حضِّ اطعام'' کے ترک کی سزا نہیں لیکن یہ کیسے لازم آگیا کہ جہاں کہیں دو یا دو سے زیادہ اشیاء کی حرمت (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) کا تذکرہ ہوگا، وہاں ان میں سے کوئی چیز اپنی انفرادی حیثیت میں حرام نہ ہوگی ؟ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اسلام میں سُور، کتا، بلی حرام ہے تو کیا کوئی صاحب عقل اس کا یہ مطلب سمجھ سکتا ہے کہ سور اسی وقت حرام ہوگا، جب اُسے کُتے، بلی کے ساتھ ملاکر کھایا جائے، اور تنہا کھایا جائے تو حرام نہیں ؟ اللہ تعالیٰ اس قسم کی بے سروپا تاویلات سے ہر صاحب ایمان کو محفوظ رکھے۔

حدیث پر ایک اور اعتراض

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں یوں ذکر کیا ہے :-

"وقال هشام بن عمار حدثنا صدقة بن خالد" الخ

جس سے علامہ ابن حزم ظاہری رہ کو یہ وہم ہوگیا کہ حدیث منقطع ہے، چنانچہ انہوں نے لکھ دیا کہ اس حدیث سے حُرمتِ معازف پر استدلال درست نہیں، کیونکہ :

"هذا منقطع ولم يتصل ما بين البخاري وصدقة بن خالد"

(المحلی، احکام البیوع، مسئلہ ۱۵۶۵ ج ۹ ص ۵۹)

یہ حدیث منقطع ہے اور امام بخاری اور صدقہ بن خالد کے درمیان اتصال نہیں

لیکن اوّل تو ہمارا استدلال روایتِ بخاری پر موقوف نہیں، کیونکہ امام بخاری کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی یہی روایت، انھی الفاظ میں نہایت قوی سند سے ذکر کی ہے، چنانچہ بیہقی (ج ۱۰ ص ۲۲۱) کو دیکھا جاسکتا ہے۔

دُوسرے خاص بخاری کی اس روایت کے بارے میں بھی علامہ ابن حزمؒ کا دعویٰ درست نہیں بلکہ خلافِ حقیقت اور سراسر وہم ہے، چنانچہ محدثین نے ان کے اس

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

قول پر سخت تنقید کی ہے، اور بعض نے علامہ ابن حزمؒ کے اس دعوے کی تردید میں مستقل رسائل لکھے ہیں، ہمارے زمانے میں بھی ناصر الدین البانی نے ایک مستقل جزء (رسالہ) علامہ ابن حزمؒ کے اس دعوے کی تردید میں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ شرّاحِ بخاری نے نہایت تفصیل و تحقیق سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے، بالخصوص حافظ ابن حجرؒ کی ذکر کردہ بحث خاصی طویل اور مفید ہے۔ ذیل میں ہم کچھ جوابات کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں:۔

* ۱ * یہ حدیث صحیح متصل ہے، کیونکہ ہشام بن عمار امام بخاریؒ کے مشہور استاد ہیں اور امام بخاریؒ نے ان سے کئی جگہ روایات لی ہیں، البتہ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے ہشام سے مذاکرۃً یعنی باہمی گفتگو کے دوران سنا ہے، باقاعدہ تلمذ کے لئے بیٹھ کر اور دورانِ درس نہیں سنا، اسی بناء پر انھوں نے احتیاط سے کام لیا ہے اور مذاکرے کی روایت کے لئے حدّثنا یا عن کے بجائے قال کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ علامہ عینی رحؒ کا رجحان اسی طرف ہے، (عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۹۱)

* ۲ * جس جگہ امام بخاریؒ یہ کہتے ہیں کہ قَالَ فُلَانٌ اور اپنے کسی شیخ کا نام ذکر کر دیتے ہیں تو وہ حدیث "صحیح" اور "معنعن" ہوتی ہے، کیونکہ ان کا قال جیسا جزم کا لفظ استعمال فرمانا اور اس کے بعد اپنے کسی شیخ کا ذکر کرنا جو ان کے مشہور استاد ہیں، صحتِ حدیث کی قطعی دلیل ہے، کیونکہ امام بخاریؒ سے بڑھ کر کون تدلیس سے بچنے والا ہے۔

(اغاثۃ اللہفان ج ۱ ص ۲۶۰ وفتح الباری ج ۱ ص ۴۶)

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے بھی علامہ ابن حزم رحؒ کے اعتراض کا یہی جواب دیا ہے وہ ان پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و ابن حزم در کتاب خود گفتہ است کہ اگر راوی عدل روایت کند از کسیکہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ)

اورا دریافتہ است محمول بر لقاء و سماع بود خواہ بگوید اخبرنا یا حدثنا یا عن فلان یا قال فلان ہمہ محمول بر سماع ست و این "ناقض صریح کہ این مرد کردہ ، وو سے اینقدر کہ سخن در اتصال و صحت این حدیث کند اکتفاء نہ کرد بلکہ بتعصبے کہ در اثبات اباحت دارد بوضع این حدیث و ہر چہ دریں باب مرویست حکم کردہ . . . . . و محدثین اورا درین باب عظیم خطیہ کردہ اند .

(شرح سفر السعادت ص ۵۶۴)

ابن حزم نے خود اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "اگر عادل راوی کسی ایسے شخص سے روایت کرے جس کا زمانہ اس نے پایا ہے تو اسکی یہ روایت ملاقات اور بالمشافہ سماع پر محمول ہوگی . چاہے وہ "اخبرنا" کے الفاظ استعمال کرے یا "حدثنا" کے "عن فلان" کہے یا "قال فلاں" سب سماع پر محمول ہوں گے "

(معلوم ہوا کہ) اس روایت کے بارے میں موصوف نے جو کچھ کہا ہے وہ خود ان کے اپنے ذکر کردہ اصول کے صریح خلاف ہے .

اور پھر انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا کہ صرف اس حدیث کی صحت واتصال پر کلام کر لیتے . بلکہ اباحت غنا کے سلسلے میں جو متعصبانہ ذہنیت وہ رکھتے ہیں اسکی بناء پر انہوں نے اس حدیث پر اور جتنی کچھ احادیث اس باب میں مروی ہے اُن سب پر وضع کا حکم لگا دیا . محدثین نے ان کی اس سلسلہ میں شدت سے تردید و تغلیط کی ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

گذشتہ سے پیوستہ

۳* چلیئے اگر یہ مان بھی لیں کہ یہ حدیث معلّق ہے اور بظاہر منقطع نظر آتی ہے تو بھی اُصولِ حدیث کا مسئلہ ہے کہ "صحیح بخاری" کی تعلیقات صحیح متصل حدیثیں ہوتی ہیں جنھیں بعض مصالح کی بناء پر امام بخاری معلّق ذکر کر دیتے ہیں، چنانچہ علاّمہ ابن صلاح نے لکھا ہے کہ:

"صحیح بخاری رح میں جو احادیث تعلیقاً ذکر کی گئی ہیں اور بظاہر منقطع معلوم ہوتی ہیں وہ درحقیقت منقطع نہیں ہیں، لہٰذا انھیں منقطع کہنا اور ان پر ضعف کا حکم لگانا درست نہیں چنانچہ حافظ ابن حزم کا یہ دعویٰ کہ حدیث لیکونن من امتی اقوام یستحلون الخ منقطع ہے، ہرگز لائقِ اعتنا نہیں بلکہ کئی وجوہ کی بناء پر غلط ہے، کیونکہ یہ حدیث صحیح کی شرط کے مطابق معروف الاتصال ہے۔

دراصل یہ شبہ امام بخاریؒ کے اس اُسلوبِ نگارش سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات ایک حدیث کو کسی ایسی مصلحت کے پیشِ نظر جس سے انقطاع کا عیب بھی پیدا نہ ہو، معلّقاً ذکر کر دیتے ہیں، مثلاً یہ مصلحت کہ اُسی حدیث کو انھوں نے اپنی کتاب میں کسی دوسری جگہ متصل ذکر کیا ہوتا ہے۔" (علوم الحدیث ص ۶۱، ۶۲)

۴* امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اپنی کتاب صحیح بخاری میں ذکر کیا ہے، جس میں انہوں نے احادیثِ صحیحہ کا التزام برتا ہے، نیز پھر اس روایت کو انھوں نے بطور دلیل پیش کیا ہے محض استشہاداً انہیں ذکر کیا ہے، ان کا اس روایت پر اس درجہ اعتماد کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

(تہذیب السنن لابن القیم الجوزیؒ ج ۵ ص ۲۷۲)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَتٰى ذٰلِكَ؟ قَالَ اِذَا ظَهَرَتِ الْقِيَانُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اس اُمت میں بھی زمین دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے" مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پوچھا "یا رسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟" حضور نے فرمایا "جب گانے والی عورتوں اور باجوں کا عام رواج ہو جائے گا اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی۔"[۱]

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرکے لکھتے ہیں "ھٰذا حدیث غریب" یہ حدیث غریب[۲] ہے۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

* ۵ * یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح متصل ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اُسے خود ہشام سے سُنا ہے، اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ دُوسرے حفّاظِ حدیث نے اسی حدیث کو ہشام سے موصولاً نقل کیا ہے۔ چنانچہ امام اسمٰعیلی اور طبرانی۔ نیز امام بیہقی۔ نے ہشام سے تحدیث کی تصریح کی ہے، جب کہ ابو نعیم اور ابن حبان نے اُسے معنعن نقل کیا ہے۔

(فتح الباری و تہذیب السنن، بحوالۂ مذکورہ)

[۱] جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب قبیل باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت انا والساعۃ کھاتین ج ۲ ص ۴۴۔

[۲] مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں ذکرہ المنذری فی الترغیب وسکت عنہ" (تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۲۲۵) یعنی حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو "الترغیب والترہیب" میں ذکر کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک قوی اور قابلِ استدلال ہے،

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْءُ دُوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّکٰوةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنٰی صَدِیْقَهٗ وَاَقْصٰی اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِیْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِیْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰیَاتٍ تَتَابَعُ کَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْکُهٗ فَتَتَابَعَ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔

(رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب مالِ غنیمت کو شخصی دولت بنالیا جائے، جب امانت کو لوٹ کا مال سمجھا جائے، جب زکوٰۃ کو تاوان جانا جائے، جب علمِ دین دنیا طلبی کے لئے سیکھا جائے، جب مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے، دوست کو قریب رکھے اور باپ کو دور رکھے، جب مسجدوں میں شور وغل ہونے لگے، جب قبیلے کا سردار ان کا بدترین آدمی ہو، جب قوم کا سربراہ ذلیل ترین شخص ہو، جب شریر آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جانے لگے، جب مغنیہ عورتوں اور باجوں کا رواج عام ہو جائے، جب شرابیں پی جانے لگیں، اور جب اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں تو اس وقت تم انتظار کرو سرخ آندھی کا، زلزلے کا، زمین میں دھنسنے کا، صورتیں مسخ ہونے اور بگڑنے کا اور قیامت کی ایسی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے کسی ہار کی لڑی ٹوٹ جائے تو اس کے دانے ایک کے بعد ایک بکھرتے چلے جاتے ہیں۔[1]

---

[1] جامع ترمذی بحوالہ مذکورہ۔ ترمذی کے موجودہ نسخوں میں فَتَتَابَعَ کے بعد بَعْضُهٗ بَعْضًا کا اضافہ نہیں ہے، غالباً مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث براہِ راست ترمذی کے بجائے "منتقی الاخبار" سے نقل کی ہے، جس میں یہ اضافہ موجود ہے۔

امام ترمذی رح نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اُسے "حَسَنٌ غَرِیبٌ"[۱] کہا ہے۔

(۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُمْسَخُ قَوْمٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قِرَدَةً وَّ خَنَازِیْرَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمُسْلِمُوْنَ هُمْ؟ قَالَ نَعَمْ یَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَیَصُوْمُوْنَ قَالُوْا فَمَا بَالُهُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اتَّخَذُوا الْمَعَازِفَ وَالْقَیْنَاتِ وَالدُّفُوْفَ وَشَرِبُوْا هٰذِهِ الْاَشْرِبَةَ فَبَاتُوْا عَلٰی شَرَابِهِمْ وَلَهْوِهِمْ فَاَصْبَحُوْا وَقَدْ مُسِخُوْا۔

(رواہ مسدد و ابن حبان۔ کف الرعاع ج ۱ ص ۱۰-۱۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قرب قیامت میں میری اُمّت کے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے انھیں بندروں اور خنزیروں کی صورتوں میں بدل دیا جائیگا۔" صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا وہ لوگ مسلمان ہوں گے؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا "ہاں وہ لوگ اس بات کی گواہی دینگے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور وہ روزے بھی رکھیں گے" صحابہؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ پھر اُن کا یہ حال کیوں ہوگا؟" آپؐ نے فرمایا کہ "وہ لوگ باجوں اور مغنیہ عورتوں کے عادی ہو جائیں گے شرابیں پیا کرینگے، ایک شب جب وہ شراب نوشی اور لہو و لعب میں مشغول ہونگے، تو صبح تک ان کی صورتیں مسخ ہو چکی ہونگی[۲]۔"

---

۱ منتقی الاخبار میں امام ترمذی رح کا قول یوں ہی منقول ہے جب کہ ترمذی کے موجودہ نسخوں میں صرف هٰذا حدیثٌ غریبٌ لکھا ہے۔

۲ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ لَا تَنْقَضِیْ الدُّنْیَا حَتّٰی یَقَعَ بِهِمُ الْخَسْفُ وَالْقَذْفُ وَالْمَسْخُ قَالُوْا وَمَتٰی ذَاكَ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۵) عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّتْ بِهَا الْبَلَاءُ وَفِيْهِ وَاتَّخَذَ الْقِيَانَ وَالْمَعَازِفَ۔

(رواہ الترمذی)

حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب میری اُمت پندرہ چیزوں کی عادی ہو جاتے تو اس پر مصائب نازل ہوں گے"، آپؐ نے ان پندرہ چیزوں میں ایک یہ بھی بتائی کہ "جب مغنی عورتیں اور باجے تاشے رواج پکڑ جائیں"[۱]

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"ہمیں اس طریق کے علاوہ کسی دوسرے طریق سے اس حدیث کے روایت ہونے کا علم نہیں، اور نہ ہی ہمیں فرج بن فضالہ کے علاوہ کسی ایسے شخص

(گذشتہ سے پیوستہ) یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذَا رَاَیْتَ النِّسَاءَ رَکِبْنَ السُّرُوْجَ وَکَثُرَتِ الْقَیْنَاتُ وَفَشَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ وَاسْتَغْنَی الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ وَالنِّسَاءُ بِالنِّسَاءِ

(رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہو گی جب تک زمین دھنسنے، پتھروں کی بارش ہونے اور صورتیں بگڑنے کے واقعات نہیں ہوں گے" لوگوں نے پوچھا "یارسول اللہ! ایسا کب ہو گا؟" آپؐ نے فرمایا "جب تم دیکھو کہ عورتیں زین پر سوار ہونے لگیں (یعنی ڈرائیونگ کرنے لگیں) اور گانے والیوں کی کثرت ہو جاتے اور جھوٹی گواہیاں عام ہو جائیں اور مرد مردوں کو اور عورتیں عورتوں کو کافی سمجھنے لگیں" (غالباً ہم جنسی مراد ہے)۔

علامہ ہیثمیؒ اس حدیث کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ "فیہ سلیمان بن داؤد الیمانی وھو متروک"۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰) [۱] منتقی الاخبار (سنن ترمذی ج ۲ ص ۴۴)

کا علم ہے جو یحییٰ بن سعید انصاری سے اس حدیث کو روایت کرتا ہوں، فرج بن فضالہ پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے، اور ان کے حافظے کو کمزور بتایا ہے، وکیع اور دوسرے ائمہ حدیث ان سے روایت کرتے ہیں[1]

(۶) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَ مَسْخٌ وَقَذْفٌ قِيْلَ وَ مَتٰى ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِذَا ظَهَرَتِ الْقِيَانُ وَاسْتُحِلَّتِ الْخَمْرُ۔

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اس اُمت میں زمین دھنسنے صورتیں بگڑنے اور پتھروں کی بارش ہونے کے واقعات ہوں گے۔" عرض کیا گیا، "یا رسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟" فرمایا "جب گانے والیاں عام ہوجائیں گی اور شراب حلال سمجھی جائے گی[2]

(رواہ عبد بن حمید و اللفظ لہ و ابن ماجہ مختصراً۔)

علامہ ابن حجر مکیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"ابن ماجہ اور عبد بن حمید کی ذکر کردہ اس روایت کا مدار عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم پر ہے، جو کہ ضعیف ہیں، مگر اسی مفہوم کی حدیث بہت سے صحیح طرق سے بھی مروی ہے، لہٰذا علامہ ابن حزم کا خیال کہ یہ حدیث ضعیف ہے، درست نہیں[3]۔ کیونکہ امام بخاریؒ نے اس[4] حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے اور

---

[1] ایضاً [2] دیکھئے سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الخسوف ص ۳۰۲۔

علامہ ہیثمیؒ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں:۔ "وفیہ عبداللہ بن ابی الزناد وفیہ ضعف وبقیۃ رجال احدی الطریقین رجال الصحیح" (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰) "اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن ابی الزناد نامی ایک راوی ہیں جن میں ضعف پایا جاتا ہے اور حدیث کے ایک طریق کے بقیہ راوی "صحیح" کے رجال ہیں۔" [3] علامہ ابن حزمؒ کا وہم اور اس کا جواب ہم تفصیل سے پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔

(حاشیہ [4] اگلے صفحہ پر)

امام اسماعیلی، احمد، ابن ماجہ، ابونعیم اور ابوداؤد نے ایسی صحیح سندوں سے روایت کیا ہے، جن پر کچھ کلام نہیں، اور دیگر ائمہ کی جماعت نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے چنانچہ بعض حفاظ نے حدیث کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے

لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف۔ (کف الرعاع ج ا ص ۱۰)

علامہ سیوطی رحمہ نے بھی اس حدیث کو "جامع صغیر" میں ذکر کیا ہے اور اس پر حسن کی علامت لگی ہوئی ہے[1]۔

(صفحہ گذشتہ کا حاشیہ) [2] مراد حدیث کا مفہوم ہے، ورنہ امام بخاری رہ وغیرہ نے اس حدیث کو حضرت ابو مالک اشعری رض سے روایت کیا ہے۔

[1] جامع صغیر میں حضرت سہل بن سعد رض کی یہ روایت مجھے نہیں ملی، البتہ حضرت انس رض سے یہی حدیث قریب قریب انھی الفاظ سے مروی ہے اور اس پر علامت حسن لگی ہوئی ہے۔

(الجامع الصغیر ص ۱۳۹)

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے اُمت پر یک دم کوئی ایسا ہولناک عذاب نازل نہیں ہوگا جس سے پوری کی پوری امت تباہ و برباد ہو جائے، البتہ کثیر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ قرب قیامت میں اُمت کے بعض افراد پر اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے عذاب نازل ہوگا شدید زلزلے کے بعد انھیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا، اُن کی صورتیں بگاڑ دی جائیں گی اور اُن کے اُوپر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوگی۔

جن احادیث میں اس عذاب کی وجہ بتائی گئی ہے، ان میں سے اکثر میں ایک وجہ یہ بھی ذکر ہے کہ اُن لوگوں میں لہو و لعب عام ہو جائے گا، گانے والیوں کا ان کے معاشرے میں دور دورہ ہوگا اور ان لوگوں کی دینی اور اخلاقی حالت اس قدر پست ہو جائے گی کہ وہ گانے بجانے کو ایک حلال فعل سمجھنے لگیں گے۔ ایسی احادیث جن سے یہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) وجہ معلوم ہوتی ہے، بہت زیادہ ہیں، اور کسی ایک صحابی سے مروی نہیں ہیں بلکہ دس سے زیادہ صحابہ رضؓ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں جن میں سے بعض صحابہؓ کی حدیثیں آپ مختلف طُرق سے، مختلف الفاظ میں پڑھ بھی چکے ہیں۔ وہ صحابہ رضؓ جن کی احادیث میں عذابِ الٰہی کی وجہ گانے والیوں کا عام ہوجانا اور باجے تاشے میں منہمک ہوجانا بتائی گئی ہے، ان کے نام یہ ہیں :-

"حضرت[۱] ابو مالک اشعری رضؓ، حضرت[۲] عمران بن حصین رضؓ، حضرت[۳] ابو ہریرہ رضؓ، حضرت[۴] علی رضؓ، حضرت[۵] سہل بن سعد الساعدی رضؓ، حضرت[۶] عبادۃ بن الصامت رضؓ حضرت[۷] ابو امامہ رضؓ، حضرت[۸] ابن عباس رضؓ، حضرت[۹] ابو سعید خُدری رضؓ، حضرت[۱۰] عبد اللہ بن بشر رضؓ، حضرت[۱۱] انس رضؓ، حضرت[۱۲] عبد الرحمٰن بن سابط رضؓ، حضرت[۱۳] عائشہ رضؓ"

ان میں سے اوّل الذکر پانچ صحابہ رضؓ کی احادیث گزر چکی ہیں، بقیہ صحابہؓ کی احادیث درج کی جاتی ہیں۔

"عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفس محمد بیدہ لیبیتن اناس من امتی علی اشر و بطر ولعب ولھو فیصبحوا قردۃ وخنازیر باستحلالھم الحرام واتخاذھم القینات وشربھم الخمر وباکلھم الربا ولبسھم الحریر"

اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، میری اُمّت کے کچھ لوگ ضرور فخر و غرور میں مست ہوکر اور لہو ولعب میں گم ہوکر رات گزاریں گے، اور صبح ان کا یہ حال ہوگا کہ ان کی صورتیں بندروں اور خنزیروں کی صورتوں میں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

بدل دی جائیں گی اور اس عذاب کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ حرام چیزوں کو حلال کرلیں گے، پیشہ ور گانے والیاں انھوں نے رکھی ہوں گی، وہ شراب پئیں گے، سود کھائیں گے اور ریشم پہنیں گے۔"

یہی حدیث انہی الفاظ میں حضرت ابوامامہ رضؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ علامہ ہیثمی اس حدیث کو ان تینوں صحابہ سے روایت کرکے لکھتے ہیں: رواہ عبداللہ ورواہ الطبرانی من حدیث ابی امامۃؓ فقط" یعنی عبداللہ (بن احمدؒ) نے یہ حدیث تینوں صحابہ سے نقل کی ہے، جب کہ امام طبرانی رحؒ نے صرف حضرت ابوامامہؓ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔" آگے مزید لکھتے ہیں کہ "اس حدیث کی سند میں ایک راوی فرقد سبخی ہیں جو کہ ضعیف ہیں۔" (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰)

لیکن فرقد سبخی ایک مختلف فیہ راوی رہے ہیں، جہاں بہت سے محدثین انھیں ضعیف کہتے ہیں وہیں محدثین کی ایک جماعت ان کی توثیق بھی کرتی رہی ہے۔" امام ترمذی کہتے ہیں "تکلم فیہ یحیی بن سعید وروی عنہ الناس یعنی ان پر یحیی بن سعید نے کلام کیا ہے، جب کہ بہت سے محدثین ان سے حدیث لیتے ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ بصرہ کے صالحین میں شمار ہوتے تھے، عجلی کہتے ہیں، ان سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۶۳)

حضرت ابن عباسؓ سے ایک حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں:-

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیبیتن قوم من ہذہ الامۃ علی طعام وشراب و لہو فیصبحوا قد مسخوا قردۃ وخنازیر۔

(رواہ الطبرانی فی الصغیر)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ضرور میری اُمت میں سے کچھ لوگ شراب کباب اور لہو ولعب میں رات گذا ریں گے اور ان پر صبح اس حالت میں ہوگی کہ اُن کی شکلیں بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں بدل چکی ہوں گی۔"

علامہ ہیثمی یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں کہ "اس کی سند میں ابھی فرقد سبخی ہیں جو ضعیف راوی ہیں" (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰)

عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون فی ھذہ الامۃ خسف ومسخ وقذف فی متخذی القیان وشاربی الخمر ولابسی الحریر۔

(رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میری اُمت میں زمین دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے اور یہ عذاب ان لوگوں پر نازل ہوگا جو پیشہ ور گانے والیوں کو اپنا لیں گے شراب پئیں گے اور ریشم پہنیں گے۔"

علامہ ہیثمی رح اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں "وفیہ زیاد بن ابی زیاد الجصاص وثقہ ابن حبان وضعفہ الجمھور وبقیۃ رجالہ ثقات" (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۱)

"یعنی اس حدیث کی سند میں زیاد بن ابی زیاد نامی ایک راوی ہیں، جنھیں علامہ ابن حبان ثقہ کہتے ہیں اور جمہور علماء ان کی تضعیف کرتے ہیں، ان کے علاوہ سند میں باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔"

عن عبد اللہ بن بشر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سمعتہ یقول انہ یکون فی اٰخر ھذہ الامّۃ قوم یبیاھم

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گزشتہ سے پیوستہ)

فی شرب الخمر وضرب المعازف حتی اللہ ... علیھم فیعود قردۃ وخنازیر۔

(رواہ الطبرانی)

حضرت عبداللہ بن بشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ اس اُمت کے آخر میں ایک قوم ایسی ہوگی جو شراب نوشی اور باجے تاشے میں مشغول ہوگی کہ یکدم ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور انھیں بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا۔"

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرکے لکھتے ہیں "وفیہ جماعۃ لم اعرفھم" اسکی سند میں کئی راویوں سے میں واقف نہیں۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکونن فی ھذہ الامۃ خسف وقذف ومسخ وذلک اذا شربوا الخمور واتخذوا القینات وضربوا بالمعازف۔

(ابن ابی الدنیا فی ذم الملاھی)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ضرور میری اُمت میں زمین دھنسنے، پتھروں کی بارش ہونے اور صورتیں بگڑنے کے واقعات ہوں گے، اور ایسا اس وقت ہوگا جب لوگ شرابیں پئیں گے، گانے والی لونڈیاں عام ہوجائیں گی اور باجے تاشے بجاتے جائیں گے۔"

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ حدیث "جامع صغیر" (ج ۲ ص ۱۳۹) میں ذکر کی ہے اور اس پر حسن کی علامت لگی ہوئی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی متعدد

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) طرق سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۲۶۵ ۔

عن عبد الرحمٰن بن سابط رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی امتی خسف وقذف ومسخ قالوا فمتی ذالک یارسول اللہ؟ قال اذا ظھروا المعازف و استحلوا الخمور۔

(اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۲۶۵ بحوالہ ابن ابی الدنیا)

حضرت ابن عبدالرحمٰن بن سابط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میری اُمت میں زمین دھنسنے، پتھروں کی بارش ہونے اور صورتیں مسخ ہونے کے واقعات ہوں گے" لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ایسا کب ہوگا؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا "جب باجے رواج پکڑ لیں گے اور لوگ شرابیں حلال کر لیں گے"۔

آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ وہ حدیث بھی پڑھتے چلیں جسے حافظ ابن قیمؒ نے متعدد طُرق سے نقل کیا ہے:۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی امتی خسف ومسخ وقذف قالت عائشۃ یارسول اللہ وھم یقولون لا الٰہ الا اللہ؟ فقال اذا ظھرت القینات وظھر الزنی وشربت الخمور ولبس الحریر، وکان عند ذا۔ (اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۲۶۴ بحوالہ ابن ابی الدنیا)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میری امت میں زمین دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) کی بارش کے واقعات ہوں گے" حضرت عائشہ رض نے عرض کیا" یارسول اللہ! کیا وہ لوگ کلمہ پڑھتے ہوں گے؟" آپ نے فرمایا" (ہاں) جب گانے والیاں عام ہوجائیں، زنا و بدکاری پھیل جائے، شرابیں پی جانے لگیں، ریشم کا لباس زیب تن کیا جائے، تب ایسا ہی ہوگا"

یہ کل تیرہ صحابہ رض کی احادیث ہیں، جن میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قُربِ قیامت میں ان واقعات کے ہونے کی شہادت ملتی ہے، ان میں بعض حدیثیں سَنَدًا نہایت قوی ہیں، بعض حَسَن کے درجے کی ہیں اور بعض ضعیف ہیں، بہرحال! ان سب کے مجموعے پر نظر ڈالنے سے اتنی بات ثابت ہوجاتی ہے کہ ان احادیث کا مجموعی مفہوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یقیناً ثابت ہے، چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:

وقد تظاهرت الاخبار بوقوع المسخ فی هذه الامة وهو مقيد فی اكثر الاحاديث باصحاب الغنأ وشاربی الخمر.

(اغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۶۶)

احادیث میں یہ بات بکثرت آئی ہے کہ اس امت میں مسخ واقع ہوگا، اور اکثر حدیثوں میں یہ عذاب گانے باجے میں منہمک ہونے اور شراب پینے والوں کے ساتھ مقید ہے۔

مسخ کی نوعیت

علماء کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ یہاں جس مسخ کی وعید سنائی گئی ہے، اسکی نوعیت کیا ہے، آیا اس کے حقیقی معنی مراد ہیں یا مجازی معنی؟

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حقیقی معنی مراد ہیں، یعنی ان لوگوں کی شکلیں واقعۃً بندروں اور خنزیروں کی شکل میں بدل جائیں گی۔ اور وہ انسان کے بجائے خنزیر اور بندر بن کر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

دگذشتنہ سے پیوستنہ) رہ جائیں گے۔ اگر یہ معنی لے لئے جائیں، تو بھی کچھ مستبعد نہیں اس لئے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور جس کو جیسی چاہے سزا دے سکتا ہے، البتہ اس صورت میں پھر یہ کہنا ہوگا کہ غالباً ایسا اس زمانے میں ہوگا، جب قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ اور یہ بھی اسکی ایک بڑی نشانی ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ مسخ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں، بلکہ مجازی معنی مراد ہیں لہٰذا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان لوگوں کی شکلیں ہو بہو بندروں اور خنزیروں جیسی ہو جائیں گی۔ اور وہ انسان کے بجائے بندر بن جائیں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ:

جب کوئی انسان کوئی بُرا کام کرتا ہے، مثلاً کسی کو دھوکا دیتا ہے یا کسی پر ظلم کرتا ہے، یا زنا و بدکاری وغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو اس کا دل اس گناہ سے متاثر ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اس گناہ کا بار بار ارتکاب کرتا ہے، تو اس کا دل اس گناہ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، اور اسکی طبیعت کے اندر اس گناہ کی خصوصی صفت یعنی مکر و فریب یا سنگدلی و شقاوت یا بے حیائی و بے غیرتی وغیرہ رچ بس جاتی ہے۔

جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ انسانیت سے دور اور حیوانیت سے قریب آجاتا ہے۔ اور اس میں اور جانوروں میں مشابہت پیدا ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اگر وہ بے شرمی اور بے حیائی کا ارتکاب کرتا ہے تو اسکی طبیعت میں خنزیر کے اخلاق پیدا ہوجاتے ہیں، اور اگر وہ کسی کے ساتھ مکر و فریب کرتا ہے تو طبیعت میں بھیڑیئے اور لومڑی کے خصائل پیدا ہوجاتے ہیں، اور اگر لالچ اور حرص کا ثبوت دیتا ہے تو طبیعت میں کتے کی عادتیں جنم لیتی ہیں۔

انسان جس قسم کا گناہ کرتا ہے، اس سے جہاں اسی صفت کے مالک جانور کے اخلاق اس میں پیدا ہونے لگتے ہیں، وہیں اس کے چہرے پر بھی اس جانور کے خد و خال ظاہر ہونے لگتے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

⑦ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ سَمِعَ صَوْتَ زُمَّارَةِ رَاعٍ فَوَضَعَ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ وَعَدَلَ رَاحِلَتَهُ عَنِ الطَّرِيقِ وَهُوَ يَقُولُ يَا نَافِعُ أَتَسْمَعُ؟ فَأَقُولُ نَعَمْ، فَيَمْضِي حَتَّى قُلْتُ لَا، فَرَفَعَ يَدَهُ وَعَدَلَ رَاحِلَتَهُ إِلَى الطَّرِيقِ وَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں پر انگلیاں رکھ لیں اور اپنی سواری کو راستے سے موڑ لیا، پھر کہنے لگے "نافع! آواز آرہی ہے؟" میں نے عرض کیا "جی"، آپ چلتے رہے، حتیٰ کہ میں نے عرض کیا کہ "اب آواز نہیں آرہی" تو آپ نے اپنے کانوں پر سے ہاتھ ہٹائے اور اسی راستے پر آگئے، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(گزشتہ سے پیوستہ) ہیں، کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ظاہر جسد کا باطن قلب سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ابتداءً تو یہ خدوخال بہت ہلکے ہوتے ہیں، مگر پھر رفتہ رفتہ وہ اس گناہ کے بار بار ارتکاب کے ساتھ واضح ہوتے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے، کہ اس کا دل بھیڑیئے اور خنزیر کے دل کی طرح اور چہرہ بھیڑیئے اور خنزیر کے چہرے جیسا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ جس آدمی میں فراست ہو، وہ اس شخص کا چہرہ دیکھتے ہی اس کے اخلاق و کردار کو جان لیتا ہے، اور اس کے چہرے میں پائے جانے والے جانور کے خدوخال پہچان لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ایک قاتل کے چہرے پر سنگدلی اور کرختگی پائیں گے، ایک دھوکہ باز آدمی کے چہرے پر عیاری اور مکاری دیکھیں گے اور ایک زانی اور بدکار کے چہرے پر نحوست کا مشاہدہ کریں گے۔ یہی نہیں بلکہ یہ آثار ان جانوروں کی بھی چغلی کھا رہے ہوں گے، جو ان صفات کے حقیقی مالک ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ جو لوگ غنا و مزامیر میں منہمک ہوں، ان کا مسخ خنزیر اور بندروں کی صورت میں کیوں ہوگا؟ نیز ان دو جانوروں ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ سو اس کا جواب جہاں تک ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ غنا و مزامیر سے دو بڑی صفات جو پیدا ہوتی ہیں وہ ہیں بے حیائی اور بے غیرتی، اور بے وقاری اور نقالی۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بے حیائی اور بے غیرتی کی صفات کا حقیقی مالک خنزیر ہے۔ اور بے وقاری اور نقالی کا حقیقی مالک بندر۔ واللہ اعلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ زُمَّارَةَ رَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ هٰذَا۔ (رواہ احمد وابو داؤد وابن ماجہ، منتقی الاخبار ج ۸ ص ۹۶)

وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے چرواہے کی بانسری کی آواز سنکر ایسا ہی کیا تھا[۱]

[۱] دیکھئے مسند احمد ج ۲ ص ۸، ۳۸ و ابو داؤد کتاب الادب، باب کراہیۃ الغنا والزمر ج ۲ ص ۶۷۴۔

یہ ہے ان خدا ترس اور اللہ کے نیک بندوں کا شیطانی آوازوں کے ساتھ معاملہ، کہ قصداً ان کے سننا تو کجا، اگر کبھی بلا قصد و ارادہ بھی سننے میں آجاتیں تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے۔

یہاں بعض لوگ بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بانسری اور باجے کی آواز سننا جائز ہے، کیونکہ اگر بانسری اور باجے کی آواز سننا جائز نہ ہوتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف خود کان نہ بند کرتے بلکہ نافع کو بھی اس کا حکم دیتے"۔

حالانکہ پہلی بات تو یہی ہے کہ حضرت نافع رح اس وقت نابالغ بچے تھے اس لئے مکلف بھی نہ تھے چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری رح نے حضرت نافعؒ سے اس بات کی صراحت بھی نقل کی ہے کہ "قال نافع وکنت اذ ذاک صغیرا" (جامع الاصول ج ۸ ص ۴۵۷)

دوسرے یہ کہ گناہ کا مدار قصد و ارادے پر ہے چنانچہ جو کام بلا قصد و ارادہ ہو وہ باعث گناہ نہیں، جیسے نامحرم عورت پر بے ساختہ نظر پڑ جانا گناہ نہیں البتہ قصد و ارادے سے دیکھنا گناہ ہے، یا حالتِ احرام میں حاجی کے لئے خوشبو سونگھنا جائز نہیں لیکن بغیر قصد و ارادے کے اگر اس کو خوشبو محسوس ہو جائے تو کوئی مواخذہ نہیں۔ اسی لئے باجے یا بانسری کی آواز قصداً سننا گناہ ہے، البتہ اگر بلا قصد کان میں پڑ جائے تو گناہ نہیں، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو جو آواز سنائی دے رہی تھی وہ بلا قصد و اختیار تھی اور ان کے لئے کان بند کرنا ضروری نہ تھا، لیکن ان کی بزرگی اور تقویٰ کا تقاضا یہی تھا کہ وہ کان بند کر لیتے، بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے موقع پر کان بند کر لئے تھے، اگر چونکہ یہ تقویٰ تھا فتویٰ نہ تھا، اس لئے انھوں نے عملاً پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا کر نافع کو بھی تقویٰ کے مطابق عمل کی ترغیب دی۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

قاضی شوکانی رحمہ لکھتے ہیں کہ:

"حافظ نے اس روایت کو تلخیص میں ذکر کر کے سکوت کیا ہے اور ابو علی لؤلوی کہتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو "منکر" کہا ہے۔

(نیل الاوطار ج ۸ ص ۹۷)

راقم کہتا ہے کہ متقدمین کی اصطلاح میں منکر کا اطلاق بعض اوقات "حدیث غریب" پر بھی ہوتا ہے۔ فتامل[1]

(گذشتہ سے پیوستہ) اسکی مثال بالکل ایسی ہے جیسے راستے میں کچھ لوگ حرام اور ناجائز باتیں کر رہے ہوں کوئی متقی اور پرہیزگار آدمی اُن کے پاس سے گزرے، تو اگر وہ کان بند کرلے تو بہتر ہے اور اگر کان بند نہ کرے اور یوں ہی گذر جائے تو بھی گنہگار نہ ہوگا بشرطیکہ بالارادہ ان کی گفتگو سنے اور اس گفتگو سے کوئی ایسی دینی مضرت بھی پیدا نہ ہوتی ہو اور جس کا کسی حالت میں بھی سننا روا نہیں۔

[1] امام ابوداؤد نے اس حدیث کو "منکر" قرار دیا ہے، لیکن ان کا یہ قول ٹھیک نہیں کیونکہ محققین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر نہیں ہے، چنانچہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری بذل المجہود شرح ابی داؤد میں لکھتے ہیں:

"امّا قول ابی داؤد انّ الحدیث منکر فلم اقف علی وجہ نکارتہ لان رواتہ، ثقات ولیس بمخالف لمن ھو اوثق منہ"

(ج ۱۹ ص ۱٦٦)

رہا امام ابوداؤد کا اس حدیث کو منکر کہنا تو میں اس نکارت کی وجہ نہیں جان سکا، کیونکہ حدیث کے رُوات ثقہ ہیں، اور اپنے سے ثقہ کی مخالفت بھی نہیں کر رہے۔

تقریباً یہی بات مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے عون المعبود شرح ابی داؤد میں کہی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ولا یعلم وجہ النکارۃ فانّ ھذا الحدیث رواتہ کلھم

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

ثقات ولیس بمخالف لروایۃ اوثق الناس" (ج ۲ ص ۴۳۴)

یہاں نکارت کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ حدیث دوسرے ثقہ لوگوں کی روایت کے خلاف بھی نہیں ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح جیسے حدیث کے محقق عالم نے اس حدیث پر اعتماد کیا؟ اور اسکو "التلخیص الحبیر" میں بغیر تنقید کے نقل کر دیا ہے، اور ان کا یہ سکوت روایت کے "حسن" ہونے کی دلیل ہے ۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوداؤد کے اس حدیث کو منکر قرار دینے کا جواب یہ دیا ہے کہ "منکر" کے جو معروف معنیٰ ہیں، وہ یہاں مراد نہیں بلکہ منکر سے مراد "غریب" ہے کیونکہ متقدمین بعض اوقات منکر کا لفظ بول کر غریب مراد لیتے ہیں ۔

بہتر ہوگا کہ اس مسئلے کی بھی ذرا وضاحت کردی جائے، بات دراصل یہ ہے کہ متقدمین کے زمانے میں اصطلاحات اس قدر منضبط نہیں تھیں، جس قدر متأخرین کے عہد میں ہوگئیں اسی وجہ سے متقدمین کے ہاں ایک اصطلاح کو دوسری اصطلاح کی جگہ استعمال کرنے کا عام رواج تھا، اور یہ معاملہ کچھ حدیث ہی کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ دوسرے علوم وفنون مثلاً فقہ وتفسیر وغیرہ میں بھی عام تھا چنانچہ جس خاص معنیٰ میں متأخرین منکر کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں متقدمین اس معنیٰ کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے، وہ لکھتے ہیں :-

"ولا تظنن من قولهم هذا حديث منكر ان راويه غير ثقة فكثيرا ما يطلقون النكارة على مجرد التفرد وان اصطلح المتأخرون على ان المنكر هو الحديث الذى رواه ضعيف

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

مخالفا لثقة ": (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل ص ۹۲)

آپ محدثین کے قول " ھٰذا حدیث منکر " سے یہ ہرگز نہ سمجھیے گا کہ حدیث کے راوی ثقہ نہیں، کیونکہ متقدمین اکثر نکارت کا اطلاق راوی کے متفرد ہونے کی صورت میں بھی کر دیتے ہیں، اگرچہ متأخرین نے منکر کے بارے میں یہ اصطلاح ٹھہرائی ہے کہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا راوی ضعیف ہو اور ثقہ کی مخالفت کرے "

پھر آگے مزید وضاحت سے لکھتے ہیں :-

" وان تفرق بین قول القدماء " ھذا حدیث منکر " و بین قول المتأخرین ھذا حدیث منکر فان القدماء کثیرا ما یطلقونه علی مجرد ما انفرد به راویه وان کان من الاثبات والمتاخرون یطلقونه علی روایة راوٍ ضعیف خالف الثقات " (ایضاً ص ۹۸)

یعنی متقدمین کے قول " ھذا حدیث منکر " اور متأخرین کے قول " ھذا حدیث منکر " کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ متقدمین اکثر اس کا اطلاق اس روایت پر کرتے ہیں جس کا راوی متفرد ہو، اگرچہ ثقات ہی میں سے ہو جبکہ متأخرین اس کا اطلاق اس روایت پر کرتے ہیں جس کا راوی ضعیف ہو اور ثقات کی مخالفت کرے۔

حاصل یہ نکلا کہ متأخرین " منکر " کے جو اصطلاحی معنی لیتے ہیں، متقدمین اسکی پابندی نہیں کرتے، بلکہ اکثر " منکر " بول کر حدیث غریب مراد لیتے ہیں، لہٰذا مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ " ہو سکتا ہے کہ امام ابوداؤد نے یہاں منکر بول کر مراد غریب لیا ہو " بالکل مستبعد

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ وَالْغُبَيْرَاءَ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے شراب جوا طبل اور طنبور کو حرام کیا ہے، نیز ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) نہیں۔ اس ساری تفصیلی بحث کی وجہ یہ ہے کہ حدیث منکر کا راوی ضعیف ہوتا ہے اور ثقات کی مخالفت کرتا ہے، اس وجہ سے حدیث قابلِ اعتماد نہیں رہتی، جبکہ حدیث غریب قابلِ اعتماد ہوتی ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ سننے والا ایک ہی ہو اور حدیث صحیح ہو۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ یہ حدیث واقعۃً غریب بھی ہے یا نہیں، تو تحقیقی بات یہی ہے کہ یہ غریب بھی نہیں ہے کیونکہ جو لوگ اُسے "غریب" قرار دیتے ہیں وہ اُسے سلیمان بن موسیٰ کا تفرد کہتے ہیں، حالانکہ یہ سلیمان بن موسیٰ کا تفرد نہیں، کیونکہ مسند ابویعلیٰ میں میمون بن مہران اور طبرانی میں مطعم بن مقدام ان کی متابعت کرتے ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے بھی "مرقاۃ الصعود" میں یہی تفصیل لکھی ہے۔ (عون المعبود ج ۴ ص ۳۳۵)

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث صحیح اور قوی ہے اور اس میں بظاہر ضعف کا کوئی پہلو نہیں۔ اسی وجہ سے علامہ ابن ناصرؒ نے، جو علامہ ابن الجوزیؒ کے شیخ ہیں، اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۵۲۶) یہی رائے علامہ سیوطی رہ، مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری رہ کی بھی ہے ورنہ کم از کم یہ حدیث حسن تو ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کی صنیع سے معلوم ہوتا ہے۔

لہ ابوداؤد کے لؤلؤی کے نسخے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہیں جیسا کہ دوسری کتب حدیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

(رواہ احمد و ابو داؤد)[1]

قاضی شوکانی رح رقمطراز ہیں کہ

"حافظ ابن حجرؒ نے "تلخیص" میں اس حدیث کو ذکر کر کے سکوت کیا ہے حالانکہ اس کی سند میں ولید بن عبدۃ نامی راوی ہیں، جو حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، اور ان کو ابو حاتم رازی نے "مجہول" کہا ہے۔ ابن یونس نے "تاریخ مصریین" میں لکھا ہے کہ ان سے یزید بن ابی حبیب روایت کرتے ہیں، حافظ منذریؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث معلول ہے، لیکن اسکی تائید حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت کرتی ہے جسے امام احمد، ابو داؤد، ابن حبان اور بیہقی نے ذکر کیا ہے ___ اور عنقریب ہم بھی ذکر کریں گے ___ امام احمد نے یہی حدیث قیس بن سعد بن عبادہؓ سے بھی روایت کی ہے۔ (نیل الاوطار ج ۸ ص ۹۹)۔

علامہ موصوف آگے مزید لکھتے ہیں کہ:

---

[1] دیکھئے ابو داؤد کتاب الاشربۃ باب ما جاء فی السکر ج ۲ ص ۵۱۹ و مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۸۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ایک حدیث ان الفاظ میں بھی مروی ہے:-

إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَىٰ أُمَّتِي الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْمِزْرَ وَالْكُوبَةَ وَ الْقِنِّينَ وَزَادَنِي صَلوٰةَ الْوِتْرِ قَالَ يَزِيدُ "الْقِنِّينَ الْبَرَابِطَ"

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۵، ۱۶۷)

لیکن اسکی سند میں ابراہیم بن عبدالرحمن بن رافع ہیں، جن کے بارے میں علامہ ہیثمیؒ نے لکھا ہے کہ وہ مجہول ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی سند سے یہ حدیث ضعیف ہے مگر اسی مفہوم کی اگلی حدیث جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، اس کی سند نہایت قوی اور صحیح ہے، اور وہ حضرت ابن عمروؓ کی اس حدیث کے لئے شاہد ہے۔

"کُوبَہ (بضم الکاف) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ لفظ طبل کے لئے بولا جاتا ہے، جیسا کہ امام بیہقی نے ابن عباسؓ کی حدیث میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ تفسیر علی بن بذیمہ سے منقول ہے۔

غُبَیرَاء (بضم الغین المعجمہ) حافظ نے "تلخیص" میں کہا ہے کہ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے، اور اس کے چار معنیٰ بتائے گئے ہیں۔ (۱) طنبور (۲) عود (۳) بربط (۴) وہ شراب جو کسی قسم کے دانے سے تیار کی جاتی ہے۔ غُبَیرَاء کی یہی تفسیر صاحب نہایہ نے بھی لکھی ہے"۔

⑨ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ الْخَمْرَ وَالْمَیْسِرَ وَالْکُوْبَۃَ وَکُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے شراب جوئے اور طبل کو حرام کیا ہے نیز ہر نشہ آور چیز حرام ہے"۔[۱]

(رواہ احمد وابوداؤد وابن حبان والبیہقی۔ نیل الاوطار ج ۸ ص ۹۹)

---

[۱] دیکھئے سنن ابی داؤد کتاب الاشربۃ باب فی الاوعیہ ج ۲ ص ۵۲۰ ومسند احمد ج ۱ ص ۲۷۴، ۲۸۹، ۳۵۰ والبیہقی کتاب الشہادات باب ماجاء فی ذم الملاہی من المعازف والمزامیر ونحوھا ج ۱۰ ص ۲۲۱۔

اس حدیث پر امام ابو داؤدؒ نے ۔۔۔ اور پھر ان کے بعد حافظ منذریؒ نے بھی سکوت اختیار کیا ہے، اور امام ابوداؤد نے "رسالۃ الیٰ اہل مکۃ" میں تصریح کی ہے کہ:

"اپنی سُنن میں جس روایت پر میں نے سکوت کیا ہے وہ صالح (ٹھیک) ہے اور مسکوت روایات میں سے بعض، بعض سے صحت میں بڑھی ہوئی ہیں"۔

(ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ ص ۲۴)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰى اُمَّتِي الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ وَاَشْيَاءَ عَدَّدَهَا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر شراب جوئے اور طبل کو حرام کیا ہے اور آپ نے ان کے علاوہ بھی کچھ چیزیں گنوائیں [۵۱]

(گذشتہ سے پیوستہ) معلوم ہوا کہ یہ حدیث امام ابوداؤد کے نزدیک صالح اور قابلِ استدلال ہے نیز حافظ منذریؒ بھی اس میں کوئی سقم نہیں پاتے۔

اسی مفہوم کی ایک اور حدیث حضرت قیس بن سعدؓ سے مروی ہے جس کا حوالہ قاضی شوکانیؒ نے دیا ہے کہ:

عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالٰى حَرَّمَ عَلَيَّ الْخَمْرَ وَالْكُوْبَةَ وَالْقِنِّيْنَ

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۲ و البیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۲)

حضرت قیس بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ پر شراب، طبل اور طنبور حرام فرمایا ہے"۔

محدث عبدالقادر ارناؤوط جامع الاصول پر تعلیقات میں لکھتے ہیں:۔

"وَاِسْنَادُهُ لَا بَاْسَ بِهِ" (جامع الاصول ج ۵ ص ۹۷)

[۵۱] حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث معمولی تغیر کے ساتھ ابھی گزری ہے، اور اس کی اسنادی حیثیت پر کلام بھی گزر چکا ہے۔ نیز وَاَشْيَاءَ عَدَّدَهَا کی زیادتی مجھے کہیں نہیں ملی البتہ حافظ ابن حجرؒ نے التلخیص الحبیر میں "و" کے بجائے "فِي" لکھا ہے، یعنی فِي اَشْيَاءَ عَدَّدَهَا۔ اس صورت میں یہ حدیث اور حدیث نمبر ۴ ایک ہی روایت سمجھی جاتے گی۔

(رواہ احمد وابوداؤد وابن حبان ۔ کف الرعاع ج ۱ ص ۱۵)

⑪ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَلْكُوبَةُ حَرَامٌ وَالدَّنُّ حَرَامٌ وَالْمَزَامِيرُ حَرَامٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ طبل حرام ہے، شراب[1] حرام ہے اور بانسریاں حرام ہے۔

(رواہ مسدد)

امام بیہقی رح اور مسددؒ نے اس روایت کو موقوفاً اور امام بزارؒ نے معمولی تغیر کے ساتھ مرفوعاً نقل کیا ہے۔ (کف الرعاع ج ۱ ص ۱۰)

⑫ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَتَغَنّٰى مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا صَلٰوةَ لَهُ لَا صَلٰوةَ لَهُ لَا صَلٰوةَ لَهُ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات کسی شخص کے گانے کی آواز سنی تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا "اسکی نماز مقبول نہیں، اسکی نماز مقبول نہیں، اسکی نماز مقبول نہیں"

(رواہ محمد بن اسحاق ۔ نیل الاوطار ج ۸، ص ۱۰۰)

علامہ محمد طاہر پٹنی لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطیؒ نے "اللآلی المصنوعۃ" میں اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے۔

---

[1] کف الرعاع میں "الدن" کا لفظ مکتوب ہے جس کے معنی "مٹکے" کے آتے ہیں، حضرت مصنفؒ نے یہ حدیث چونکہ کف الرعاع سے نقل کی ہے، اس لئے انھوں نے بھی "الدن" ہی کا لفظ لکھ دیا ورنہ اصل روایت میں "الدف" کا لفظ ہے، چنانچہ امام بیہقیؒ نے سنن کبریٰ (ج ۱۰ ص ۲۲۲) میں اور حافظ ابن حجرؒ نے المطالب العالیہ (ج ۲ ص ۲۵۳) میں "الدف" ہی کا لفظ لکھا ہے واللہ اعلم۔ اگر "الدن" کی روایت درست ہو تو "مٹکے" سے مراد غالباً شراب ہوگی، اسی لئے متن میں اس کا ترجمہ "شراب" کیا گیا ہے۔

(۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْتِمَاعُ الْمَلَاهِیْ مَعْصِیَةٌ وَالْجُلُوْسُ عَلَیْهَا فِسْقٌ وَالتَّلَذُّذُ بِهَا کُفْرٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "گانا باجا سننا معصیت ہے، اس کے لئے بیٹھنا فسق ہے، اور اس سے لطف اندوزی کفر ہے[۱]"

(رواہ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحٰق. نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۰۰)

حدیث میں کفر سے مراد "کفرانِ نعمت" ہے۔ (درمختار ج ۵ ص ۲۲۳)

(۱۴) عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ بِکَسْرِ الْمَزَامِیْرِ۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میں بانسریاں (آلات موسیقی) توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہوں[۲]"

(رَوَاهُ اِبْنُ غَیْلَان. نیل الاوطار بحوالۂ مذکورہ)

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اعضاء و جوارح اس لئے دیئے ہیں کہ وہ انھیں اس کے احکامات کے مطابق استعمال کرے، اور اپنی قوتوں، صلاحیتوں اور حسیات کو اسکی عبادات میں لگاتے، لیکن اگر ایسا کرنے کے بجائے وہ انہی چیزوں کو خدا کی نافرمانی اور معاصی میں صرف کرے تو اس سے بڑھ کر ناشکری کیا ہوگی؟

[۲] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو شیخ علی المتقی ہندیؒ صاحب کنز العمال نے پورا نقل کیا ہے، جس میں یہ بھی ہے کہ:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بُعثتُ بکسر المزامیر ثم قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کسبُ المغنی والمغنیۃ حرامٌ وکسبُ الزانیۃ سحتٌ وحقٌ علی اللّٰہ ان لا یدخل الجنۃ بدنا من السحت۔ (کنز العمال ج ۷ ص ۳۳۵) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۱۵ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ بَعَثَنِیْ هُدًی وَّرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَاَمَرَنِیْ لِمَحْقِ الْمَزَامِیْرِ وَ الْاَوْتَارِ وَالصَّلِیْبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا ہے، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسری، طنبور، صلیب اور امور جاہلیت کو مٹادوں[1]"

(رواہ ابوداؤد الطیالسی فی حدیث طویل واللفظ لہٗ و احمد بن حنبل۔ کف الرعاع ج ۱ ص ۸۔ وذکرہ فی الکنز عن ابی بکر الشافعی فی الغیلانیات وسندہٗ ضعیف۔)

(گذشتہ سے پیوستہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میں مزامیر توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہوں پھر آپؐ نے فرمایا کہ مغنّی اور مغنّیہ کی کمائی حرام ہے اور فاحشہ عورت کی آمدنی بھی حرام ہے۔ اور اللہ نے ضابطہ بنا لیا ہے کہ جنّت میں حرام آمدنی سے پروان چڑھے ہوئے جسم کو داخل نہیں کرے گا"۔

شیخ علی متقی رحؒ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں، "سَنَدُهٗ ضَعِیْفٌ"۔

[1] دیکھئے مسند ابوداؤد الطیالسی ص ۱۵۵ و مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۸ و کنز العمال ج ۷ ص ۳۳۵۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی علی بن یزید ضعیف ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۶۹)

اسی مفہوم کی ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اُمِرْتُ بِهَدْمِ الطَّبْلِ وَالْمِزْمَارِ (جمع الجوامع ج ۱ ص ۱۵۲ بحوالہ دیلمی)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ڈھول اور بانسریاں مٹادوں

(۱۶) عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا ثَمَنُ الْقَيْنَةِ سُحْتٌ وَغِنَاءُهَا حَرَامٌ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مرفوعاً مروی ہے کہ "مغنیہ کی اُجرت اور اس کا گانا دونوں حرام ہیں۔ ؎"

(رواہ الطبرانی۔ نیل الاوطار بحوالہ مذکورہ)

(۱۷) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُغَنِّيَاتِ وَالنَّوَّاحَاتِ وَعَنْ شِرَائِهِنَّ وَبَيْعِهِنَّ وَالتِّجَارَةِ فِيْهِنَّ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے والی اور نوحہ کرنے والی عورتوں سے روکا ہے، اور ان کی خرید و فروخت کی ممانعت کردی ہے، اور ارشاد فرمایا ہے کہ "ان عورتوں کی کمائی

؎ قاضی شوکانی رح نے اس حدیث کا صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا ہے، جب کہ امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں پوری حدیث یوں روایت کی ہے :۔

ثمن القينة سحت وغناءها حرام والنظر اليها حرام وثمنها مثل ثمن الكلب وثمن الكلب سحت ومن نبت لحمه على السحت فالنار اولى به۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۸)

مغنیہ کی اُجرت حرام ہے، اور اس کا گانا سننا اور اسکی طرف دیکھنا بھی حرام ہے، نیز اسکی اُجرت لینا اسی طرح حرام ہے جس طرح کُتے کی قیمت لینا حرام ہے اور جو گوشت حرام کمائی سے پروان چڑھتا ہے دوزخ کی آگ اسکی زیادہ مستحق ہے۔

علامہ ہیثمی رح نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "اسکی سند میں ایک راوی یزید بن عبدالملک نوفلی متروک اور ضعیف ہے، البتہ یحییٰ بن معین کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں" حافظ سیوطی رح نے بھی اس پوری حدیث کو جامع صغیر میں ذکر کیا ہے اور اس پر ضعیف کی علامت لگائی ہوئی ہے۔ علامہ مناوی رح نے حافظ ذہبی سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔" (فیض القدیر ج ۳ ص ۲۸۷)

قَالَ وَكَسْبُهُنَّ حَرَامٌ۔ حرام ہے"

کنز العمال ج ۷ ص ۳۳۵ برمز السنن الاربعة الترمذی وابی داؤد و النسائی وابن ماجه) [۱]

(۱۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى حَرَّمَ الْقَيْنَةَ وَبَيْعَهَا وَثَمَنَهَا وَتَعْلِيمَهَا وَالْاِسْتِمَاعَ إِلَيْهَا ثُمَّ قَرَأَ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ" الآية

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مغنیہ باندی کی خرید فروخت، اسکی اجرت و تعلیم اور اس کا گانا سننا حرام کیا ہے اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ الآية. [۲]

(رواه ابن ابی الدنیا وابن مردویه روح المعانی قدیم ج ۶ ص ۲۶۳ و ۲۶۴)

---

[۱] یہاں مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے تسامح ہوا ہے، اور انھوں نے لکھ دیا ہے کہ

"کنز برمز السنن الاربعة الترمذی وابی داؤد والنسائی وابن ماجه"

حالانکہ یہ ٹھیک نہیں، کیونکہ کنز العمال میں اس حدیث کے آگے (ع) لکھا ہوا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ حدیث مسند ابی یعلی کی ہے، جبکہ سنن اربعہ کے لئے صاحب کنز العمال (٤) کی علامت استعمال کرتے ہیں. واللہ اعلم

علامہ ہیثمی رح اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں رواه ابو یعلی وفیه ابن نبهان وهو متروك۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۹۱) یعنی اس حدیث کو ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اسکی سند میں ابن نبہان نام کے ایک راوی متروک ہیں. نیز دیکھئے المطالب العالیہ ج ۱ ص ۳۷۹۔

[۲] علامہ آلوسی رح نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے وہ آج دستیاب نہیں اور نہ ہی موصوف نے حدیث کی سند ذکر کی ہے کہ خود تحقیق کر لی جائے، البتہ اسی حدیث کو علامہ ہیثمی رح نے طبرانی کے حوالے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گزشتہ سے پیوستہ) سے نقل کیا ہے، جس میں "ثُمَّ قَرَأَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ الْآيَةَ" کا اضافہ نہیں ہے ورنہ باقی الفاظ یہی ہیں۔ علامہ ہیثمیؒ اس حدیث کو ذکر کر کے لکھتے ہیں: "رواه الطبراني في الاوسط وفيه اثنان لم اجد ذكرهما وليث بن ابي سليم مدلس" (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۹۱) یعنی اس حدیث کو امام طبرانی رح اوسط میں لاتے ہیں اور اسکی سند میں دو راوی ایسے ہیں جن کے حالات مجھے نہیں مل سکے اور ایک راوی لیث بن ابی سلیم بھی ہیں جو تدلیس کرتے ہیں۔

اسلامی شریعت میں مغنیّہ باندیوں کی بیع و شراء اور ان سے گانے باجے سننے حرام ہیں (یہی فقہاء کا بھی مسلک ہے جیسا کہ تفصیل سے آگے آتے گا) جن احادیث میں اسکی ممانعت آئی ہے ان میں سے بعض تو گذر چکی ہیں، یعنی ایک حضرت ابو اُمامہؓ کی حدیث جو ہم آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ کی تفسیر میں لکھ آتے ہیں اور بقیہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی یہ تین حدیثیں جو آپنے ابھی پڑھیں۔ ان کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے کہ:

لاتبتاعوا المغنّيات ولاتشتروهن ولاتعلّموهن ولاخير في تجارة فيهن وثمنهن حرام۔

(کنز العمال ج ۲ ص ۲۰۰ بحوالہ بیہقی)

مغنیہ باندیوں کی خرید و فروخت مت کرو، اور نہ ہی باندیوں کو گانے باجے سکھاؤ اس لئے کہ اس تجارت میں کچھ خیر نہیں اور ان کی کمائی حرام ہے

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ادوار قدیمہ میں گانے بجانے کی ثقافت تمام تر بلکہ کلیتہً لونڈیوں کی بدولت زندہ تھی، آزاد اور شریف عورتیں اس پیشے کو لائق اعتناء اور باعث عزت نہیں سمجھتی تھیں اور نہ ہی وہ آرٹسٹوں کا روپ دھار کر اس میدان میں کودی تھیں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۹) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ضَرْبِ الدُّفِّ وَصَوْتِ الزُّمَّارَةِ۔ (اخرجه قاسم بن سلام۔ نیل الاوطار بحواله منذری وغیره)

حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دف، ڈھول، اور بانسری بجانے سے منع فرمایا ہے[1]

(۲۰) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ضَرْبِ الدُّفِّ وَلَعِبِ الصَّنْجِ وَضَرْبِ الزُّمَّارَةِ۔ (اخرجه الخطابی وذکره فی الکنز برمز الدارقطنی)

حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دف بجانے چنگ سے کھیلنے اور بانسری بجانے سے منع فرمایا ہے[2]

(گذشتہ سے پیوستہ) چنانچہ جو عورت بھی اس زمانے میں اس پیشے سے متعلق ہوتی اکثر وہی ہوتی تھی، جسے اپنی مرضی اور رائے کا اختیار نہ ہوتا اور جس کا مالک دلّی کے ذریعہ انجام دے کر اپنی تجوریاں بھرنا چاہتا۔

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغنیات کی بیع و شراء کا ذکر فرمایا، اور ان کے معاوضہ کو کہیں قیمت اور کہیں اُجرت کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ اور اکثر مقامات پر مغنیہ کے لئے "قینة" کا لفظ استعمال فرمایا، جو عربی زبان میں لونڈی کے لئے بولا جاتا ہے، علامہ زمخشری رح لکھتے ہیں:

والقینة عند العرب الامة والقین العبد وانما خص الامة لان الغناء اکثر ما یتولاه الاماء دون الحرائر

(فیض القدیر ج ۳ ص ۳۳۹)

"قینة" عربوں کے ہاں باندی اور "قین" غلام کو کہا جاتا ہے، یہاں گانے کے ساتھ باندی کو اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ گانے اکثر باندیاں ہی گاتی ہیں نہ کہ آزاد عورتیں۔

[1] قاضی شوکانی رح نے اس حدیث کی سند ذکر نہیں کی ہے اور نہ ہی اس کا مأخذ دستیاب ہے [2] کنز العمال ج ۷ ص ۳۳۵

"المغنی"، میں ہے کہ مطہر[۵] بن سالم جو حضرت علی رض سے روایت کرتے ہیں مجہول ہیں۔ مذکورہ بالا تمام احادیث آلاتِ موسیقی کی حرمت پر صراحتاً دلالت کر رہی ہیں۔

(۲۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "گانا دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح

---

[۵] کنز العمال کے مطبوعہ نسخے میں مطہر بن سالم ہی لکھا ہے جو غالباً کتابت کی غلطی ہے، اصل نام مطر بن سالم ہے چنانچہ المغنی کی عبارت یہ ہے: "مطر بن سالم عن علی مجہول"۔ (المغنی فی الضعفاء ج ۲ ص ۶۶۲)۔

نیز کنز العمال میں لفظ الصیغ ہی لکھا ہے، جب کہ کف الرعاع میں الصنج درج ہے۔ حالانکہ صحیح لفظ الصنج ہے جس کے معنی چنگ آتے ہیں اور جو ایک قسم کا آلۂ موسیقی ہے، چنانچہ علامہ سیوطی رح نے الجامع الصغیر (ج ۲ ص ۱۹۳) میں اور خطیب نے تاریخ البغداد (ج ۱۳ ص ۳۰۰) میں الصنج کا لفظ ہی لکھا ہے۔ علاوہ ازیں الجامع الصغیر میں اس حدیث پر ضعیف کی علامت لگی ہوئی ہے۔ علامہ مناوی رح بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (فیض القدیر ج ۶ ص ۳۳۴) بانسری کی مذمت میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رض سے بھی مروی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

سُوْءُ الْكَسْبِ اُجْرَةُ الزُّمَّارَةِ وَثَمَنُ الْكَلْبِ"

(کنز العمال ج ۲ ص ۲۰۱ بحوالہ ابوبکر بن مقسم فی جزءہ۔)

بدترین کمائی بانسری کی اجرت اور کتے کی قیمت ہے۔

علامہ سیوطی رح نے جامع صغیر میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس پر ضعیف کی علامت لگی ہوئی ہے ج ۲ ص ۱۲۷ مذکورہ احادیث سے جو دف کی حرمت معلوم ہوتی ہے اس سے مراد اس وقت دف بجانا ہے جب کوئی شرعی ضرورت نہ ہو، ورنہ دف کی اباحت مواضع سرور میں خود احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جیساکہ تفصیل سے آگے آ رہا ہے۔

اَلْمَاءُ الْبَقْلَ۔ پانی کھیتی اُگاتا ہے [۱]

(رواہ البیہقی وابن ابی الدنیا وابوداؤد ولکن بدون التشبیہ)

امام بیہقی رحمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ سے یہ روایت موقوفاً بھی نقل کی ہے [۲] ایسی ہی حدیث حضرت ابوہریرہ رضہ سے بھی مروی ہے جسے ابن عدی اور دیلمی نے نقل کیا ہے، اور یہی حدیث حضرت جابر رضہ سے بھی مروی ہے۔ (کنز العمال بحوالہ شعب الایمان للبیہقی) [۳]

حافظ عراقی "احیاء علوم الدین" کی تخریج میں لکھتے ہیں :-

"حضرت ابن مسعود رضہ سے یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں، اس لئے کہ اسکی سند میں ایک مجہول راوی ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور یہ ابن العبد کے نسخے میں موجود ہے، ابن العرابی کے نسخے میں نہیں ہے بیہقی نے بھی اُسے مرفوعاً اور موقوفاً نقل کیا ہے۔" [۴]

---

[۱] بیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۳ و عون المعبود شرح ابی داؤد ج ۴ ص ۴۳۵

[۲] بیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۳

[۳] کنز العمال ج ۷ ص ۳۳۳، علاوہ ازیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث علامہ ابن حجر مکی رح کف الرعاع میں بھی لاتے ہیں۔ (دیکھئے کف الرعاع ج ۱ ص ۱۶)

[۴] دیکھئے احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۵۲۔ اس روایت کے مرفوع یا موقوف ہونے پر بڑی بحثیں کی گئی ہیں - محدثین کا عام رجحان یہی ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضہ کا قول ہے۔ اور اس کا مرفوع ہونا کسی صحیح سند سے ثابت نہیں، ہمارے نزدیک اس بارے میں قول فیصل وہی ہے جو علامہ آلوسی رح اور شافعی صغیر رح نے لکھا ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس روایت کا مرفوع ہونا اگرچہ کسی سند سے ثابت نہیں، لیکن چونکہ یہ قول غیر مدرک بالقیاس ہے، اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضہ نے حضور ص ہی سے سُنا ہوگا، علامہ آلوسی رح لکھتے ہیں : (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُبُّ الْغِنَاءِ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الْعُشْبَ۔ (اَخْرَجَهُ الدَّیْلَمِیُّ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گانے کی محبت دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزہ اگاتا ہے[۱]

(۲۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ،

(گزشتہ سے پیوستہ) قال العراقی رفعه غیر صحیح لان فی اسناده من لم یسم وفیه اشارة الی ان وقفه علی ابن مسعود رض صحیح وهو فی حکم المرفوع اذ مثله لا یقال من قبل الرأی۔

(روح المعانی ج ۲۱ ص ۶۸)

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ "یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں، اس لئے کہ اسکی سند میں ایک مجہول راوی ہے" اس قول میں یہ اشارہ ہے کہ اس روایت کا حضرت ابن مسعودؓ پر موقوف ہونا صحیح ہے اور حقیقۃً یہ مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ ایسی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔

نیز شافعی صغیر علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس لکھتے ہیں:۔

صح عن ابن مسعودؓ ومثله لا یقال من قبل الرأی فیکون فی حکم المرفوع۔ (نهایة المحتاج ج ۸ ص ۲۸۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ قول صحیح سند سے مروی ہے اور ایسی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی ہے، اس لئے یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

گانے سے دل میں نفاق کس طرح پیدا ہوتا ہے، اس پر تفصیلی بحث ہم مقدمہ میں کرچکے ہیں۔

[۱] حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث صحیح سند سے مروی نہیں اور ضعیف ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۵۲۵)

اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَسَمَاعَ الْمَعَازِفِ وَالْغِنَاءِ فَاِنَّھُمَا یُنْبِتَانِ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ۔ (رواہ ابن الصصری فی امالیہ۔ کف الرعاع ج ۱ ص ۱۶)

سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانے باجے سُننے سے بچو، اس لئے کہ یہ دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتے ہیں جس طرح پانی کھیتی اُگاتا ہے[۵۱]،،

وَاَخْرَجَ الدَّیْلَمِیُّ اِنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْغِنَاءُ وَ اللَّھْوُ یُنْبِتَانِ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الْعُشْبَ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اَنَّ الْقُرْاٰنَ وَالذِّکْرَ لَیُنْبِتَانِ الْاِیْمَانَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الْعُشْبَ۔

دیلمی نے روایت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "غنا اور لہو دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتے ہیں جس طرح پانی سبزہ اُگاتا ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ذکر اللہ اور تلاوت قرآن دل میں ایسے ہی ایمان پیدا کرتے ہیں جیسے پانی سبزہ اُگاتا ہے[۵۲]"

(۲۴) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَعَدَ اِلٰی قَیْنَۃٍ یَسْتَمِعُ مِنْھَا صَبَّ اللّٰہُ فِیْ اُذُنَیْہِ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مغنیہ باندی کا گانا سُنے قیامت کے دن اُسکے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا[۵۳]

---

۵۱ حضرت ابن مسعود رضؓ کی اس حدیث پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔

۵۲ صحیح یہ ہے کہ دیلمی کی ذکر کردہ روایت کے یہ الفاظ حضرت ابن مسعودؓ سے منقول نہیں، بلکہ ان کی نسبت حضرت انسؓ کی طرف کی جاتی ہے اور وہ بھی ٹھیک نہیں، چنانچہ حافظ سخاوی رحمہ حضرت انسؓ سے یہ روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:۔ "لا یصح کما قالہ النووی" (المقاصد الحسنۃ: ص ۲۹۶)

۵۳ اس حدیث کو علامہ سیوطی نے "جامع صغیر" ج ۲ ص ۱۶۳ میں نقل کیا ہے، اور اس پر ضعیف کی علامت لگی ہوئی ہے

الاَّ بِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ (رواہ ابن الصصری فی امالیہ وابن عساکر فی تاریخہ)

(۲۵) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَلَهُ قَيْنَةٌ فَلَا تُصَلُّوا عَلَيْهِ ۔

حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کے پاس مغنیہ باندی ہو، اسکی نماز جنازہ مت پڑھو"۔ ؎۱

(رواہ الحاکم فی تاریخہ والدیلمی وسندہ ضعیف)

(۲۶) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ عَمْرَو بْنَ قُرَّةَ قَالَ كُتِبَتْ عَلَيَّ الشِّقْوَةُ فَلَا أَرَىٰ أُرْزَقُ إِلَّا مِنْ دُفِّي فَأْذَنْ لِي فِي الْغِنَاءِ مِنْ غَيْرِ فَاحِشَةٍ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا آذَنُ لَكَ وَلَا كَرَامَةَ وَلَا نِعْمَةَ عَيْنٍ كَذَبْتَ أَيْ عَدُوَّ اللّٰهِ لَقَدْ رَزَقَكَ اللّٰهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاخْتَرْتَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مِنْ رِزْقِهِ مَكَانَ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ مِنْ حَلَالِهِ ۔

(رواہ البیہقی والطبرانی والدیلمی فی حدیث طویل وفیہ وَاعْلَمْ أَنَّ عَوْنَ اللّٰهِ مَعَ صَالِحِي التُّجَّارِ)

صفوان بن امیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرو بن قرہ نے (بارگاہ نبوی میں) عرض کیا کہ "رسول اللہ میں بڑا بدبخت ہوں، اس لئے کہ مجھکو روزی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ سوائے دف بجانے کے نہیں آتا، آپ مجھے اجازت دیں کہ میں فحاشی کے بغیر گایا کروں" حضورؐ نے فرمایا کہ "میں تم کو ہرگز ایسے بدتر اور ذلیل کام کی اجازت نہیں دوں گا، اے دشمن خدا تم جھوٹ بول رہے ہو، اللہ نے تمھیں اس قابل بنایا ہے کہ حلال طیب روزی حاصل کرو مگر تم نے خود حرام روزی حلال روزی کے بجائے اختیار کر رکھی ہے ؎۲۔

؎۱ علامہ علی متقیؒ اس حدیث کو نقل کرکے لکھتے ہیں، وفیہ داؤد بن سلیمان الخواص عن عازم د ابن حلۃ قال الازدی ضعیف جداً (کنزالعمال ج ۸، ص ۳۳۴) یعنی اسکی سند میں داؤد بن سلیمان الخواص ہیں جن کے بارے میں ازدی کا قول ہے کہ یہ بہت ضعیف راوی ہیں

؎۲ یہ حدیث مجھے نہیں ملی ۔

(۲۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ أَیْنَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُنَزِّھُوْنَ أَسْمَاعَھُمْ وَ أَبْصَارَھُمْ عَنْ مَزَامِیْرِ الشَّیْطَانِ؟ مَیِّزُوْھُمْ فَیُمَیِّزُوْنَھُمْ فِیْ کُثُبِ الْمِسْكِ وَالْعَنْبَرِ ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلَائِکَةِ أَسْمِعُوْھُمْ مِنْ تَسْبِیْحِیْ وَتَحْمِیْدِیْ فَیُسْمِعُوْنَ بِأَصْوَاتٍ لَمْ یَسْمَعِ السَّامِعُوْنَ مِثْلَھَا۔ (اخرجه الدیلمی وذکرہ فی الکنز معزیا للدیلمی عن جابر ایضًا وذکرہ فی جمع الفوائد معزیًا لرزین)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، "کہاں ہیں وہ لوگ جو اپنے کانوں اور آنکھوں کو شیطانی باجوں کو سننے اور ان کے بجانے والوں کو دیکھنے سے محفوظ رکھتے تھے، انہیں ساری جماعتوں سے الگ کردو"، چنانچہ فرشتے انہیں الگ کر کے مشک و عنبر کے ٹیلوں پر بٹھادیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ "ان لوگوں کو میری تسبیح اور تحمید سناؤ"، چنانچہ فرشتے ایسی پیاری آوازوں میں ذکر اللہ سنائیں گے، کہ سننے والوں نے ایسی آوازیں کبھی نہ سنی ہوں گی۔[1]

(۲۸) عَنْ أَبِیْ مُوْسَی الْأَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اسْتَمَعَ إِلٰی صَوْتِ غِنَاءٍ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص گانا سنتا ہے اسے جنت میں

---

[1] اس حدیث کو علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے "دیلمی"، کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جب کہ علامہ علی متقی نے "دیلمی" کے ہی حوالہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے (کنز العمال ج ۷، ص ۳۳۳) علاوہ ازیں علامہ محمد بن محمد مغربی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حضرت محمد بن المنکدر رحمہ اللہ سے بحوالہ رزین روایت کیا ہے (جمع الفوائد ج ۲ ص ۳۸) جب کہ امام ثعالبی نے اسے حضرت محمد بن المنکدر ہی سے بحوالہ ابن وھب روایت کیا ہے۔ (جواہر الحسان ج ۳ ص ۲۰۷)

لَمْ يُؤْذَنْ اَنْ يَسْتَمِعَ اِلٰى صَوْتِ الرُّوْحَانِيِّيْنَ فِي الْجَنَّةِ (رواه الحكيم الترمذی زاد فی الكنز وَمِنَ الرُّوْحَانِيُّوْنَ قَالَ قُرَّاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ - (كنز العمال ج ۷ ص ۳۳۳)

روحانیوں کی آواز سننے کی اجازت نہیں ملے گی" کنز العمال میں یہ بھی اضافہ ہے کہ کسی نے پوچھا "روحانیوں سے کون لوگ مراد ہیں؟" تو حضورؐ نے جواب دیا "جنت کے قراء"[۱]

(۲۹) عَنْ اَنَسٍ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَوْتَانِ مَلْعُوْنَانِ فِي الدُّنْيَا وَالْاُخْرٰى مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَرَنَّةٌ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ (رواه البزار وابن

حضرت انس رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دو قسم کی آوازیں ایسی ہیں، جن پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کی گئی ہے ایک تو خوشی کے موقع پر باجے تاشے کی آواز دوسرے مصیبت کے موقع پر آہ وبکاہ اور نوحہ کی آواز"

---

[۱] اس حدیث کو علامہ سیوطی رح نے "جامع صغیر" میں بھی نقل کیا ہے اور اس پر ضعیف کی علامت لگی ہوئی ہے (جامع صغیر جلد ۲ ص ۱۶۲) امام قرطبی اپنی تفسیر میں اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

قد ذكرناه فی كتاب التذكرة مع نظائره فمن شرب الخمر لم يشربه فی الآخرة ومن لبس الحرير لم يلبس فی الآخرة الى غير ذلك وكل ذلك صحيح المعنى على ما بيناه هناك۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۴ ص ۵۴)

ہم نے اپنی کتاب "التذکرہ" میں اس حدیث کو اس کے نظائر کے ساتھ ذکر کیا ہے (جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دنیا میں کسی ممنوع وحرام چیز سے لطف اندوز ہو آخرت میں اسکے مقابلے میں پائی جانیوالی حلال ولذیذ چیز سے محروم کر دیا جائیگا مثلاً) جو شخص دنیا میں شراب پیئے گا وہ آخرت میں شراب طہور سے محروم کیا جائیگا اور جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں ریشم سے محروم ہوگا، اور یہ تمام روایات معنوی اعتبار سے ثابت ہیں جیسا کہ ہم نے "التذکرہ" میں لکھا ہے۔

مردودیہ والبیہقی. وذکرہ فی الکنز عن الیضاء ایضاً کنز العمال ج ۷، ص ۳۳۲[ف]

(۳۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْغِنَاءِ وَالْاِسْتِمَاعِ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانا گانے اور گانا سننے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح چغلی کھانے

لہ ______ اس حدیث کو حضرت انسؓ سے حافظ سیوطیؒ نے بھی "جامع صغیر" میں نقل کیا ہے اور اس پر صحیح کی علامت لگی ہوئی ہے، علامہ ہیثمیؒ یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں "رواہ البزار ورجالہ ثقات" (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳) علامہ مناویؒ "جامع صغیر" کی شرح میں لکھتے "قال المنذری رواتہ ثقات قال الھیثمی رجالہ ثقات، (فیض القدیر ج ۴ ص ۲۱۰) حاصل یہ کہ یہ حدیث نہایت قوی اور صحیح ہے۔

شیطان کی عیاری

اس مقام پر حافظ ابن قیمؒ نے مدارج السالکین ج ۱ ص ۴۹۸ میں بہت نفیس بات کہی ہے۔ ہم یہاں اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں کہ "قلب انسانی پر دو حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ ایک غم کی حالت اور دوسری خوشی کی حالت۔ غم کی حالت بالعموم اس وقت طاری ہوتی ہے جب انسان کی کوئی متاع عزیز گم ہو جائے اس کے برعکس خوشی کی حالت اس وقت طاری ہوتی ہے جب انسان کو کوئی اچھی چیز مل جائے۔

ان دونوں حالتوں کی مناسبت سے دو عبادتیں رکھی گئی ہیں۔ غم کی حالت میں صبر کرنا اور اللہ کی مشیت پر راضی رہنا عبادت ہے اور خوشی کی حالت میں اللہ کی عطا اور انعام پر شکر ادا کرنا عبادت ہے۔ اور صبر و شکر در حقیقت بڑی عظیم عبادتیں ہیں جن کے فضائل و فوائد قرآن کریم اور احادیث میں بکثرت آتے ہیں۔ شیطان نے کمال عیاری سے کام لیکر ان دونوں موقعوں پر عبادتِ الٰہی سے ہٹانے اور ثواب کمانے سے محروم کرنے کیلئے انسان کو دو ایسے کاموں میں لگادیا جو معصیتِ الٰہی اور بڑے گناہ ہیں یعنی غم کے موقع پر رونے دھونے، جزع فزع، اور نوحہ اور گریہ میں لگادیا، اور خوشی کے موقع پر گانے بجانے اور رقص و سرود میں منہمک کر دیا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"،

اِلَی الْغِنَاءِ وَنَهٰی عَنِ النَّمِیْمَةِ وَ | اور سننے سے بھی منع کیا ہے ۔[۵]
اَلْاِسْتِمَاعِ اِلَی النَّمِیْمَةِ۔ (رواہ الطبرانی والخطابی ومثلہ فی الکنز)

یہ تمام احادیث علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب "کف الرعاع" سے نقل کی گئی ہیں۔ اوران میں جو زیادتیاں دیگر کتب میں آئی ہیں۔ انھیں ساتھ ہی ذکر کردیا گیا ہے۔

(۳۱) عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ بَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْشِیْ فِیْ بَعْضِ سِکَکِ الْمَدِیْنَةِ اِذْ مَرَّ الشَّابُّ وَهُوَ یُغَنِّیْ فَقَالَ وَیْلَكَ یَاشَابُّ هَلَّا بِالْقُرْاٰنِ تُغَنِّیْ قَالَهَا مِرَارًا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی کسی گلی سے گذر رہے تھے، تو ایک نوجوان قریب سے (کوئی گیت) گاتا ہوا گذرا۔ حضور نے اسے مخاطب کرکے فرمایا "نوجوان تم پر افسوس ہے تم قرآن نز تم سے کیوں نہیں پڑھ لیتے؟" آپ نے یہ بات کئی بار دوہرائی۔[۶]

(رواہ الحسن بن سفیان والدیلمی)

(۳۲) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ مَا رَفَعَ اَحَدٌ صَوْتَهٗ بِغِنَاءٍ اِلَّا بَعَثَ اللّٰہُ عَلَیْهِ شَیْطَانَیْنِ یَجْلِسَانِ عَلٰی مَنْکِبَیْهِ یَضْرِبَانِ بِاَعْقَابِهِمَا

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب بھی کوئی شخص گانے کیلئے آواز نکالتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو شیطانوں کو بھیج دیتا ہے، جو اس کے کندھے پر بیٹھ کر اپنی ایڑیاں

---

[۵] اس حدیث کو علامہ سیوطی رحمہ نے بھی ذکر کیا ہے اور اس پر ضعیف کی علامت لگی ہوئی ہے (جامع صغیر ج ۲ ص ۱۹۰) علامہ مناوی اسکی شرح میں لکھتے ہیں :- قال الحافظ العراقی سندہ ضعیف قال ھیثمی فیہ فرات بن السائب وھو متروک (فیض القدیر ج ۶ ص ۳۲۰، یعنی حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور علامہ ہیثمی رحمہ کہتے ہیں کہ اسکی سند میں فرات بن السائب ہے جو متروک ہے۔ نیز دیکھئے "تاریخ البغداد" ج ص ۲۲۶ [۶] یہ حدیث مجھے نہیں ملی۔

عَلٰی صَدْرِهٖ حَتّٰی یُمْسِكَ۔ اس کے سینے پر مارتے رہتے ہیں تاوقتیکہ وہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ ۵۱

(اخرجه ابن ابی الدنیا وابن مردویه)

حافظ عراقی نے "احیاء علوم الدین" کی تخریج میں اس روایت کو معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ اور اُسے ضعیف قرار دیا ہے (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۵۱)

نیز یہی روایت علامہ محمد طاہر پٹنی نے ابن ابی الدنیا اور طبرانی کے حوالہ سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ "یہ ضعیف" ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۱۹۷)

یہ بتیس احادیث ہیں۔ جن کی اسنادی حیثیت مختلف ہے۔ بعض صحیح ہیں بعض حسن ہیں اور بعض ضعیف۔ پھر ان احادیث میں جس اطلاق اور عموم کے ساتھ گانے باجے کو حرام قرار دیا گیا ہے اُن کو سننے کے بعد میرے خیال میں کوئی مسلمان بھی ان چیزوں کے ناجائز ہونے میں شک نہیں کر سکتا ۵۲

---

۵۱ علامہ ہیثمی اسی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں "رواہ الطبرانی باسانید و رجال احدھما وثقوا وضعفوا"۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۲۰) یعنی اس حدیث کو امام طبرانی مختلف سندوں سے لاتے ہیں۔ جن میں سے ایک سند کے رجال کی توثیق بھی کی گئی ہے اور تضعیف بھی۔

۵۲ ان ۳۲ احادیث اور ان کی تخریج وتحقیق پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اباحت غنا و مزامیر کے دعویداروں کا یہ خیال درست نہیں کہ گانے باجے کی حرمت پر دلالت کرنے والی کوئی حدیث بھی صحیح سند سے مروی نہیں۔ کیونکہ گذشتہ اوراق میں کئی احادیث ایسی بھی گذری ہیں جن کی صحت نہایت واضح ہے۔ ذیل میں ہم حرمت غنا و مزامیر کے بارے میں مزید کچھ احادیث نقل کرتے ہیں جن کی اسنادی حیثیت بھی ساتھ ہی بیان کی جائے گی۔

(۳۳) عن عبد الرحمٰن بن عوف قال اخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فانطلقت معہ الی ابراھیم ابنہ وھو یجود

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) بنفسہ فاخذہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرہ حتی خرجت نفسہ قال فوضعہ وبکی قال فقلت تبکی وانت تنھی عن البکاء قال انی لم انہ عن البکاء ولکنی نھیت عن صوتین احمقین فاجرین صوت عند نغمۃ لھو ولعب ومزامیر الشیطان وصوت عند مصیبۃ لطم وجوہ وشق جیوب (رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۴ ص ۴۰ - وابوداؤد الطیالسی ج ۷ ص ۲۲۵ و ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۳۹۳ وغیرھم)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ تھاما اور میں آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے ابراہیم رضؓ کے پاس چل دیا۔ ابراہیم رضؓ اس وقت نزع کی حالت میں تھے حضورؐ نے انھیں اپنی گود میں اٹھالیا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ پھر آپ نے انھیں گود سے اُتار دیا اور رونے لگے میں نے عرض کیا "یارسول اللہ! آپ رو رہے ہیں حالانکہ آپ نے رونے سے منع فرمایا ہے؟" حضور نے جواب دیا "میں نے رونے سے منع نہیں کیا البتہ دو احمقانہ اور فاجرانہ آوازوں سے منع کیا ہے۔ ایک تو خوشی کے وقت لہو ولعب اور شیطانی باجوں کی آواز دوسرے مصیبت کے وقت چہرہ پیٹنے، گریبان چاک کرنے اور نوحہ کی آواز۔"

امام حاکم نے اس حدیث کو نقل کرکے سکوت کیا ہے۔ جب کہ اس حدیث پر بعض محدثین مثلاً امام نووی وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اسکی سند میں ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں۔ جو کہ ضعیف ہیں (نصب الرایہ ج ۴ ص ۸۴) لیکن حقیقت

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) یہ ہے کہ ابن ابی لیلیٰ اس درجہ کمزور راوی نہیں کہ ان کی وجہ سے حدیث ضعیف قرار پائے۔ کیونکہ ان کا حافظہ بلاشبہ کمزور تھا۔ مگر وہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق "صدوق" تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ترمذی جلد ا ص ۱۲۰)۔

(۳۴) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الجرس مزامیر الشیطان۔

(مسلم ج ۲ ص ۲۰۲ وابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "گھنٹی شیطان کے باجے ہیں"۔

جرس اس گھنٹی کو کہا جاتا ہے، جو عموماً اونٹ وغیرہ کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔ احادیث میں اس کے استعمال کی ممانعت آئی ہے، اور مذکورہ حدیث میں اس کے لئے "مزامیر الشیطان" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس کا استعمال بھی آلۂ موسیقی کے طور پر کیا جاتا ہے، اور اس کی آواز بھی اپنے اندر حسن و جاذبیت اور غفلت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(۳۵) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصحب الملائکۃ رفقۃً فیھا کلب ولا جرس۔

(مسلم ج ۲ ص ۲۰۲، ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "فرشتے اس جماعت میں شریک نہیں ہوتے جس میں کتا یا گھنٹی ہو"۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ) امام ابوداؤد اور عبدالرزاق نے یہی حدیث حضرت ام حبیبہ رض سے بھی روایت کی ہے البتہ اس میں کلب کا تذکرہ نہیں ہے۔

(۳۶) حوط بن عبد العزی : إن رفقةً أقبلت من مضر لها جرس فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم أن يقطعوهُ فمن ثم کره الجرس فقال إن الملائكة لا تصحب رفقة فيها جرس۔

(رواه مسدد۔ المطالب العالیہ ج ۲ ص ۴۳۹)

حضرت حوط بن عبدالعزی سے روایت ہے کہ مضر سے ایک قافلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ان کے جانوروں پر گھنٹیاں بندھی تھیں۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ گھنٹیاں کاٹ دیں۔ اسی وجہ سے آپ نے گھنٹی کو مکروہ قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ "فرشتے ایسی جماعت کے ساتھ نہیں رہتے جس میں گھنٹی ہو"

علامہ بوصیری رح کہتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں (المطالب العالیہ ج ۲ ص ۴۳۹) یہی حال اوپر کی دونوں حدیثوں کا بھی ہے کہ وہ بھی سند کے اعتبار سے نہایت قوی اور صحیح ہیں۔

(۳۷) عن عائشة رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بالاجراس ان تقطع من اعناق الابل یوم بدر

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۰)

حضرت عائشہ رض بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن حکم دیا کہ اونٹوں کے گلوں سے گھنٹیاں کاٹ دی جائیں۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ممانعت کی وجہ سے صحابہ کرام رضؓ بھی جرس پر نکیر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ حضرات ان پازیبوں کو بھی ناپسند کرتے تھے جن پر گھنگھرو لگے ہوں۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن حسان کی باندی بنانہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ وہ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس بیٹھی تھیں کہ:

اذ دخل علیها بجاریة وعلیها جلاجل یصوتن فقالت لا تدخلنها علیّ الا ان تقطعوا جلاجلها وقالت سمعت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لا تدخل الملائکة بیتا فیہ جرس۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۸۱)

ایک بچی لائی گئی جو گھنگرو پہنے ہوئے تھی، اور گھنگرو بول رہے تھے تو آپ نے فرمایا میرے پاس ان کو نہ لایا کرو جب تک ان کے گھنگرو نہ کاٹ دو اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں گھنٹی ہو۔

امام عبدالرزاق نے بھی مصنف (ج ۱ ص ۴۵۹) میں یہ روایت ہشام بن عروہ سے نقل کی ہے اور اس میں حضرت عائشہ رضؓ کے الفاظ یہ ہیں۔

"اخرجوا عنی مفرقة الملائکة"

میرے پاس سے فرشتوں کو ہٹانے والی چیز نکال دو۔

حضرت عمر رضؓ کا بھی ایک اثر یہ منقول ہے کہ ان کے پاس حضرت زبیر رضؓ کی بچی لائی گئی اس کے پیروں میں گھنگرو بندھے تھے تو آپ نے انھیں کاٹ دیا اور ارشاد فرمایا:

سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ان مع کل جرس شیطانا (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۸۱)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ ہر گھنٹی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف معازف و مزامیر کی ممانعت فرمائی ہے بلکہ گھنٹی اور گھنگرو باندھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ چیزیں بھی آلاتِ موسیقی میں شامل ہیں۔ اور رقص و سرود کی زبردست معاون ہیں یہی وجہ ہے کہ ناچ رنگ میں گھنگرو کے بغیر جان ہی نہیں پڑتی۔

انہی احادیث جرس سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ بھی حرمت غنا و مزامیر پر استدلال کرتے تھے، ان کے ایک شاگرد مولانا محمد صدیق صاحب جنھوں نے ان کا درس ابوداؤد ضبط کیا ہے، لکھتے ہیں کہ آپ نے حدیث "الجرس مزامیر الشیطان" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

وقال فی حدیث الباب فی حق الجرس انه مزمار الشیطان لانها تلهی القلب عن ذکر الله تعالی واعلوان المعازف مایضرب بالفم والملاهی مایضرب بالایدی قال الائمة الاربعة بتحریمه واستثنوا الطبل والدهل للتسحیر اوالولیمة اولغرض صحیح آخر وثبت عن بعض الصوفیة سماع السرود وهو لفظ فارسی یطلق علی سماع الاشعار فقط بغیر المعازف والملاهی ولم یثبت عن المتقدمین سماع المعازف والملاهی والعیاذ بالله

(انوار المحمود شرح سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۱۳)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) حدیثِ باب میں جرس کے حق میں "مزمار الشیطان" کے
الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اس لئے کہ یہ قلب کو یادِ الٰہی سے غافل کرتی ہے،
یاد رکھنا چاہیئے کہ "معازف" ان باجوں کو کہا جاتا ہے جو منہ سے بجائے
جاتے ہیں، اور ملاھی ان آلات کو کہا جاتا ہے جو ہاتھوں سے بجائے جاتے ہیں۔
ائمہ اربعہ بالاتفاق ان کی حرمت کے قائل ہیں۔ البتہ سحری، ولیمہ یا کسی اور غرض
صحیح کے لئے ڈھول (دف) کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔
بعض صوفیاء سے "سرود" سننا ثابت ہے۔ سرود ایک فارسی لفظ ہے
جس کے معنی ہیں "آلاتِ موسیقی کے بغیر صرف اشعار سننا"، متقدمین میں سے
کسی سے بھی العیاذ باللہ معازف وملاھی سننا ثابت نہیں۔

(۳۸) عن کیسان مولی معاویۃ قال خطبنا معاویۃ رضی اللہ عنہ فقال
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن سبع وانا
انھاکم عنھن ألا ان منھن النوح والغناء والتصاویر و
الشعر والذھب والخز والسروج والخنزیر
(رواہ الطبرانی)

کیسان بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور اس میں
فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کی ممانعت فرمائی ہے
میں بھی ان سات چیزوں سے تمہیں روکتا ہوں جان لو کہ وہ چیزیں یہ ہیں
نوحہ، گانا، تصاویر، شعر، سونا، ریشم، زین (مراد غالباً دیواروں کے
پردے ہیں) اور خنزیر۔"
علامہ ہیثمی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں: رواہ الطبرانی باسنادین

(گذشتہ سے پیوستہ) ورجال احدھما ثقات (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۲۰) اس حدیث کو امام طبرانی دو سندوں سے لاتے ہیں جن میں سے ایک سند کی روایت ثقہ ہیں۔ غرض یہ کہ یہ حدیث قوی اور صحیح ہے۔

(۳۹) عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ابلیس لما نزل الی الارض قال یارب انزلتنی الی الارض وجعلتنی رجیما اوکما ذکر فاجعل لی بیتا قال بیتک الحمام قال فاجعل لی مجلسا قال الاسواق ومجامع الطرق قال اجعل طعاما قال طعامک مالم یذکر اسم اللہ قال اجعل لی شرابا قال کل مسکر قال اجعل لی مؤذنا قال المزامیر قال اجعل لی قرآنا قال الشعر قال اجعل لی کتابا قال الوشم قال اجعل لی حدیثا قال الکذب قال اجعل لی مصائد قال النساء (رواہ الطبرانی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ابلیس زمین پر آنے لگا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا " اے پروردگار تو مجھے زمین پر بھیج رہا ہے اور راندۂ درگاہ کر رہا ہے میرے لئے کوئی گھر بھی بنا دے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تیرا گھر حمام ہے"۔ اس نے عرض کیا "میرے لئے کوئی بیٹھک (مجلس) بھی بنا دے"، فرمایا "بازار اور راستے (تیری بیٹھک ہیں)" عرض کیا "میرے لئے کھانا بھی مقرر فرما دے" فرمایا "تیرا کھانا ہر وہ چیز ہے جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے" عرض کیا "میرے پینے کے لئے بھی کوئی چیز مقرر کر دیجئے"، فرمایا "ہر نشہ آور چیز (تیرا مشروب ہے)"

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) عرض کیا مجھے اپنی طرف بلانے کا کوئی ذریعہ بھی عنایت فرمادے، فرمایا" باجے تاشے تیرے مؤذن ہیں" عرض کیا" میرے لئے قرآن (بار بار پڑھی جانے والی چیز) بھی بنادے" فرمایا" شعر" (تیرا قرآن ہے) عرض کیا" مجھے کچھ لکھنے کے لئے بھی دے دے" فرمایا" گودنا (تیری لکھائی ہے)" عرض کیا" میرے لئے کلام بھی مقرر فرمادے" فرمایا" جھوٹ" (تیرا کلام ہے) عرض کیا" میرے لئے جال بھی بنادے" فرمایا" عورتیں (تیرا جال ہیں)"

علامہ ہیثمیؒ اس حدیث کو نقل کرکے لکھتے ہیں:

رواہ الطبرانی وفیہ علی بن زید الالھانی وھو ضعیف وقد تقدم لھذا طرق فی کتاب الایمان۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۹)

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اسکی سند میں علی بن یزید الہانی نامی راوی ضعیف ہیں اسی حدیث کے بعض دوسرے طرق کتاب الایمان میں گذر چکے ہیں۔

علامہ موصوف کی نشاندہی پر" کتاب الایمان" کی طرف مراجعت کی گئی، وہاں یہی یہی حدیث علامہ ہیثمیؒ حضرت ابن عباسؓ کی سند سے لائے ہیں اور پھر لکھا ہے کہ:

رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ یحیی بن صالح الایلی ضعیف ضعفہ العقیلی۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۴)

اس حدیث کو امام طبرانی معجم کبیر میں لائے ہیں اور اسکی سند میں ایک راوی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) یحییٰ بن صالح ایلی ضعیف ہیں انھیں عقیلی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے یہ حدیث متعدد طرق سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث کا ہر ہر جزو انفرادی طور پر قرآن کریم یا احادیثِ نبوی سے ثابت ہے موصوف کے الفاظ ہیں کہ:

"شواهد هذا الاثر كثيرة فكل جملة لها شواهد من السنة او من القرآن"

(اغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۵۱)

اس روایت کے شواہد کثیر ہیں۔ اور اس کے ہر ہر جملہ کے لئے قرآن یا حدیث میں بہت سے شواہد پائے جاتے ہیں۔

یہ لکھنے کے بعد حافظ ابن قیم رح نے نہایت شرح و بسط سے اپنے دعوای کو ثابت کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم تفصیلات قلم انداز کرتے ہیں۔ جن احباب کو دلچسپی ہو وہ خود "اغاثۃ اللہفان" میں ملاحظہ فرمالیں۔

(۴۰) علامہ قرطبیؒ نے ایک حدیث یہ نقل کی ہے کہ:

ان عبد الله بن مسعود رض سمع غناء فاسرع وذهب فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لقد اصبح ابن ام عبد عبداً كريماً (تفسیر قرطبی ج ۱۳ ص ۸۱)

"حضرت ابن مسعود رضؓ نے ایک جگہ گانے کی آواز سنی تو فوراً وہاں سے اُٹھے اور چل دیئے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا "ابن مسعودؓ شریف آدمی ہیں"

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۴۱) عن ابی برزۃ قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فسمع رجلین یتغنیان واحدھما یجیب الآخر وھو یقول ؎

یزال حواری تلوح عظامہ

روی الحرب عنہ ان یجن فیقبرا

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انظروا من ھما فقالوا فلان وفلان فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم ارکسھما رکسا ودعھما الی النار دعا

(رواہ احمد والبزار وابویعلی)

حضرت ابوبرزہ رضؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ آپ نے دو آدمیوں کے گانے کی آواز سنی ان میں سے ایک شعر پڑھتا تھا اور دوسرا اس کا جواب دیتا تھا۔ پڑھنے والا کہہ رہا تھا ؎

یزال حواری تلوح عظامہ

روی الحرب عنہ ان یجن فیقبرا

آپ نے فرمایا "ذرا دیکھو یہ کون لوگ ہیں؟" لوگوں نے عرض کیا کہ "فلاں فلاں ہیں"۔ آپ نے ان کے لئے بددعا فرمائی اور کہا، اے اللہ انھیں جہنم میں الٹ دے اور آگ میں دھکیل دے"۔

علامہ ہیثمیؒ یہ حدیث نقل کرکے لکھتے ہیں: وفیہ یزید بن ابی زیاد والاکثر علی تضعیفہ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۲۱)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) اسکی سند میں یزید بن ابی زیاد نامی راوی ہے اکثر محدثین انھیں ضعیف قرار دیتے ہیں۔

علامہ موصوف نے اس حدیث کے ہم معنی ایک اور حدیث طبرانی کے حوالہ سے حضرت مطلب بن ربیعہؓ سے بھی نقل کی ہے مگر اسکی سند کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ "اس میں کئی راوی ایسے ہیں جن سے میں واقف نہیں"۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۳۱)

(۴۲) خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نوعمری کا واقعہ سنایا ہے کہ:

كان علی رضی الله عنه يقول سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول ما هممت بشيءٍ مما كان اهل الجاهلية يفعلونه الا مرتين كنت ليلة اسمر كما تسمر الفتيان في مكة فسمعت في دار صوت غناء ودفوف و زمير فقلت ما هذا قالوا فلان تزوج فلهوت بذلك الغناء والصوت حتى غلبتني عيني فنمت فما ايقظني الا حر الشمس فرجعت فسمعت مثل ذلك فغلبتني عيني ايضاً فنمت فوالله ماعملت سوءً حتى اكرمني الله بنبوته"

(كشف الغمة عن جميع الامة ج ۲ ص ۸۱)

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپ نے فرمایا "میں نے کبھی کسی ایسے کام کا قصد نہیں کیا جو اہل جاہلیۃ کرتے ہوں سوائے دو مرتبہ کے۔ ایک بار میں رات کو عرب کے عام نوجوانوں کی طرح بیٹھا ساتھیوں سے باتیں کر رہا تھا۔ تو مجھے ایک گھر سے گانے بجانے کی آواز آئی۔ میں نے پوچھا "یہ کیا سلسلہ ہے؟" کہنے لگے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) "فلاں کے ہاں شادی ہوئی ہے" میں گانے بجانے کی آواز سے غافل سا ہو گیا یہاں تک کہ مجھے نیند آ گئی اور میں سو گیا اور ایسا سویا کہ اگلے دن دھوپ کی تمازت ہی سے آنکھ کھلی۔ دوسری بار پھر میں اس طرف آ گیا تو مجھے وہی گانے بجانے کی آواز آئی اور اب کی بار پھر مجھے پھر نیند نے آ لیا بخدا! میں نے کوئی بھی بُرا کام نہیں کیا یہاں تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبوّت سے سرفراز فرمایا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قصہ واضح طور بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے نبی کو نبوت سے پہلے بھی برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معصیت کی طرف نہیں گئے۔ آپ کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ کچھ گانے بجانے کی آواز سنائی بھی دی تو اللہ تعالیٰ نے نیند طاری کر کے بچا لیا۔ نیز اسی قصے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گانا بجانا ایک بُرا کام ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اُسے بُرے کاموں میں شمار کیا ہے۔

اقوال صحابہؓ وسلف صالحین

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "جو شخص بسم اللہ پڑھے بغیر جانور پر سوار ہو، شیطان اس کا ہمراہی بن جاتا ہے اور اس سے گانے کو کہتا ہے، اور جب وہ اچھا نہیں گاتا تو اس کے دل میں اچھا گانے کی تمنّا پیدا کر دیتا ہے [1]

(اخرجہ ابن ابی الدنیا والبیہقی فی شعبہ)

(۲) حضرت قاسم بن محمد رح سے کسی شخص نے غنا کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے جواب دیا کہ "میں تو گانے سے منع کرتا ہوں اور اسے ناپسند کرتا ہوں" اس شخص نے پوچھا "کیا یہ حرام ہے؟" آپ نے فرمایا "دیکھو بھتیجے! جب اللہ تعالیٰ حق اور باطل کو الگ الگ کرے گا تو غنا کو کس میں رکھے گا؟" (ایضاً)

(۳) انہی سے یہ قول بھی منقول ہے کہ۔

"لعن اللہ المغنی والمغنی لہ" اللہ تعالیٰ گانے والے اور جس کے لئے گایا

---

[1] دیکھئے روح المعانی ج ۲۱ ص ۶۷ [2] روح المعانی ج ۲۱ ص ۶۸ والسنن الکبری للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۴ ور سالۃ المسترشدین ص ۲۰۰۔ امام قرطبی نے قاسم بن محمد کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:

الغناء باطل والباطل فی النار

(تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۵۲)

گانا ایک باطل کام ہے اور ہر باطل دوزخ میں ہے

(ایضاً) جائے دونوں پر لعنت بھیجتا ہے۔ ۵۱

(۴) عثمان لیثی یزید بن ولید ناقص کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ:۔

یا بنی امیہ ایاکم والغناء فانہ ینقص الحیاء ویزید فی الشھوۃ ویھدم المروءۃ وانہ لینوب عن الخمر ویفعل ما یفعل المسکر فان کنتم لابد فاعلین فجنبوہ النساء فان الغناء داعیۃ الزنا (ایضاً)	اے بنو امیہ تم گانے سے بچو، کیونکہ یہ شرم وحیا کو گھٹاتا ہے، شہوت ونفسانیت کو کو بڑھاتا ہے اور اخلاق ومروّت کو ختم کرتا ہے یہ شراب کا نائب ہے، نشہ کا کام کرتا ہے اگر تم اس سے بچ نہیں سکتے تو کم از کم عورتوں کو اس سے دور رکھو، اس لئے کہ گانا زنا کا محرک ہے۔ ۵۲

(۵) محدث ضحاکؒ کا قول ہے:۔

الغناء منفدۃ للمال مسخطۃ للرب مفسدۃ للقلب۔ (ایضاً)	غنا مال کے ضیاع، خدا کی ناراضگی اور دل کے بگاڑ کا سبب ہے۔ ۵۳

---

۵۱ روح المعانی ج ۲۱ ص ۶۸ بعض لوگوں نے اسے حدیث مرفوع سمجھا ہے، حالانکہ یہ ٹھیک نہیں چنانچہ علامہ محمد طاہر پٹنی لکھتے ہیں کہ "یہ حدیث موضوع ہے" (تذکرۃ الموضوعات ص ۱۹۷) صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت قاسم بن محمد کا (جو مدینہ کے فقہا سبعہ میں سے ہیں) قول ہے اور بالکل بے اصل بات بھی نہیں ہے جیساکہ علامہ آلوسی رح نے نقل کیا ہے۔ البتہ علامہ ابن جوزیؒ نے اس قول کو حضرت شعبی رح کی طرف منسوب کیا ہے (تلبیس ابلیس ص ۳۰۲) اور یہی رائے علامہ زبیدی رح کی ہے (اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۵۰۲)

۵۲ روح المعانی ج ۲۱ ص ۶۸۔

۵۳ ایضاً مذکورہ سارے اقوال علامہ ابن جوزی رح نے تلبیس ابلیس میں بھی ذکر کئے ہیں دیکھئے ص ۳۰۳، ۳۰۴۔

(۶) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ماغنیت ولا تمنیت و لامست ذکری بیمینی منذ بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (عوارف المعارف للامام السہروردی)	جب سے میں نے حضورؐ سے بیعت کی ہے، نہ کبھی گانا گایا ہے، نہ جھوٹ بولا ہے نہ اپنی شرمگاہ کو داہنے ہاتھ سے چھوا ہے۔[1]

[1] عوارف المعارف ص ۱۸۸، وابن ماجہ ص ۲۷۔ غنا و مزامیر کی حرمت وکراہت کے بارے میں صحابہ و تابعین وغیرہ کے مزید کچھ آثار ہم نیچے ذکر کرتے ہیں۔

(۷) ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطابؓ محرموں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے دیکھا تو ان میں ایک آدمی بیٹھا گا رہا ہے اور سب سن رہے ہیں آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

الا لا اسمع اللہ لکم، الا لا اسمع اللہ لکم

(اتحاف ج ۶ ص ۴۵۷)

خدا تمھیں کبھی نہ سنوائے، خدا تمھیں کبھی نہ سنوائے

(لفظا ہر اسکا مطلب یہ ہے کہ تم بہرے ہو جاؤ۔)

(۸) حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کے ساتھ بھی ایک مرتبہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو آپ نے بھی یہی الفاظ ان لوگوں سے کہے۔ (احیأ علوم الدین ج ۲ ص ۲۸۳)

(۹) ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا گذر ایک بچی کے پاس سے ہوا جو بیٹھی گا رہی تھی، آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا:۔

"لو ترك الشيطان احدًا لترك هذه"

(بیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۳، والادب المفرد مع شرح ج ۲ ص ۲۵۶)

اگر شیطان کسی کو چھوڑتا تو اسے ضرور چھوڑ دیتا۔

(گذشتہ سے پیوستہ) مطلب یہ ہے کہ گانا گانا شیطانی فعل ہے اور شیطان اس سے خوش ہوتا ہے اگر شیطان کسی کو چھوڑا کرتا تو اس گانے والی کو چھوڑ دیتا، مگر شیطان بدبخت کسی کو بھی نہیں چھوڑتا، پاکیزہ آدمی کو گناہ میں لگاتا ہے اور گناہ میں لگے ہوئے کو اس سے بڑے گناہ میں لگاتا ہے۔

(۱۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:۔

احذروا الغناء فانه من قبل ابلیس وھو شرك عند اللہ ولا یغنی الا الشیطان

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۵۹ بحوالہ فردوس دیلمی)

"گانے سے بچو، اس لئے کہ وہ ابلیس کی طرف سے ہوتا ہے اور اللہ کے نزدیک شرک جیسا گناہ ہے، اور گانا شیطان کے سوا کوئی نہیں گاتا"

یہ حضرت جابرؓ کا اپنا ذوق ہے کہ گانے کو شرک جیسا سنگین جرم سمجھتے تھے۔

(۱۱) ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اپنے بھائی کے گھر گئیں، جن کی کچھ بچیاں کسی تکلیف میں مبتلا تھیں آپ بچیوں کے پاس پہنچیں تو دیکھا کہ ان کا دل بہلانے کے لئے ایک مغنی وہاں موجود ہے، جس کے بڑے بڑے بال ہیں اور خوب جھوم جھوم کر گا رہا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فوراً اس شخص کو گھر سے نکلنے کا حکم دیا اور فرمایا:

اف! شیطان اخرجوہ، اخرجوہ، اخرجوہ۔

(سنن کبرٰی للبیھقی ج ۱۰ ص ۲۲۴)

اف! یہ تو شیطان ہے، اسے نکالو، اسے نکالو، اسے نکالو،

اس قصہ میں حضرت عائشہؓ نے مغنی کو شیطان قرار دیا ہے اور اس کے وجود کو بچوں کا دل بہلانے کے لئے بھی گھر میں برداشت نہیں کیا۔ (بقیہ لگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

⑫ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ولیمہ کی دعوت دی، آپ تشریف لے گئے، پہنچے تو وہاں گانے بجانے کی آواز سنائی دی، آپ دروازے پر ہی رک گئے پوچھا گیا کہ کیا بات ہے آپ رُک کیوں گئے؟ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ:-

من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان شریکا لمن عملہ۔ (المطالب العالیہ ج ۲ ص ۴۲)

جو جس قوم کے افراد بڑھاتے وہ اسی قوم میں سے ہے اور جو کسی قوم کے عمل پر راضی ہو جاتے وہ ان کے عمل میں شریک ہے۔

⑬ حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں۔

انی لا بغض الغناء واحب الرجز۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۶)

میں گانے سے نفرت کرتا ہوں اور رجز کو پسند کرتا ہوں"۔

رجز ایک خاص بحر کے اشعار کو کہا جاتا ہے جو بالعموم جنگ کے موقع پر کہے اور پڑھے جاتے ہیں

⑭ ایک شخص حضرت حسن بصری رح کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک باندی ہے جس کی آواز بہت پیاری ہے، اگر میں اُسے گانے کی تربیت دلا دوں تو شاید اس کے ذریعہ کچھ آمدنی ہو جاتے، حضرت حسن بصری رح نے ارشاد فرمایا:

" ان اسمعیل کان یامر اھلہ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وکان عند ربہ مرضیاً"۔ (بیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۶)

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے اہل وعیال کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے، اور وہ اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) اس شخص نے اپنا سوال دوبارہ عرض کیا، آپ نے جواب میں یہی فرمایا، اس نے سہ بارہ پوچھا تو بھی آپ نے یہی فرمایا۔

حضرت حسن بصری کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ اپنے اہل و عیال اور ماتحتوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دینا چاہیئے، اور انھیں نیک کاموں کی ترغیب دینا چاہیئے، جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں آتا ہے اور یہی چیز اللہ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ اس کے برعکس انھیں بُرے کاموں کا حکم دینا یا بُری راہ پر چلانا ٹھیک نہیں انبیاء کی سنت کیخلاف ہونے کے علاوہ یہ چیز خدا کی ناراضگی کا بھی سبب ہے۔

(۱۵) حضرت حسن بصری رح ہی کے بارے میں یحیٰی بن اُسید نقل کرتے ہیں، کہ جب اُنھیں کسی ولیمہ کی دعوت میں بلایا جاتا تو میزبان سے پہلے ہی پوچھ لیتے، کہ وہاں پر ستار و بربط تو نہیں بجائے جائیں گے (اس لئے کہ اگر دف بجایا جاتے تو اسکی اجازت ہے مگر دف سے بڑھ کر ستار یا بربط بجاتے جائیں تو جائز نہیں) اگر وہ جواب دیتا کہ ہاں بجائے جائیں گے تو آپ فرماتے۔

لا دعوۃ ولا نعمۃ عین

(مواہب الجلیل ج ۴ ص ۸)

"اس دعوت کی کوئی حیثیت نہیں، اور نہ ہی یہ باعث برکت و سکون ہے"

(۱۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ غنا سے شدید نفرت کرتے تھے، ان کا قول "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ الآیۃ" کی تفسیر کے ذیل میں گذر چکا ہے، یہی مزاج ان کے ساتھیوں کا بھی تھا، چنانچہ اگر کسی بچے کے ہاتھ میں دف بھی دیکھ لیتے تو اُسے چھین کر توڑ دیتے۔ (الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ص ۱۴۷)

صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رض اور ان کے ساتھیوں ہی کا یہ معمول نہ تھا بلکہ اُن

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کا بھی یہی معمول تھا
چنانچہ حضرت ابراہیم نخعی بھی، جو بواسطۂ علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے
علوم و معارف کے وارث تھے، غنا کے معاملہ میں اسی قدر سخت تھے، وہ بکثرت کہا کرتے تھے۔

"الغناء ینبت النفاق فی القلب"

(تفسیر السراج المنیر ج ۳ ص ۱۸۱)

گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

یہ قول اس سے پیشتر بھی گذر چکا ہے، اور ہم اس پر قدرے بحث کر آئے ہیں، معلوم
یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی حضرت عبداللہ بن مسعود رض ہی سے یہ قول نقل کرتے تھے۔
واللہ اعلم

خود حضرت ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں۔

کنا نتبع الازقۃ نخرق الدفوف من ایدی
الصبیان (الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ص ۱۴۸)

ہم گلیوں میں تلاش کر کر کے بچوں کے ہاتھوں سے دف چھینتے اور
پھاڑ دیتے۔

(۱۷) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ نے جو تقوی و طہارت اور عدل و انصاف
میں خلفاء راشدین کے صحیح وارث تھے، جب اپنے بچوں کو پڑھنے کے لئے ان
کے استاد سہل کے پاس بھیجا تو انھیں لکھا کہ:

ولیکن اوّل ما یعتقدون من ادبک بغض الملاھی
التی بدؤھا من الشیطان وعاقبتھا سخط
الرحمٰن فانی بلغنی من الثقات من حملۃ العلم

(بقیہ لگلے صفحہ پہ)

....

(گذشتہ سے پیوستہ)

ان حضور المعازف واستماع الاغانی واللهج بهما ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء العشب ولعمری لتوقی ذلك بترك حضور تلك المواطن الیسر علی ذو الذهن من الثبوت علی النفاق فی قلبه"

(تفسیر الدر المنثور ج ۵۔ ص ۱۶۰)

تمہاری تعلیم و تربیت سے سب سے پہلا عقیدہ جو ان میں پیدا ہو وہ آلاتِ موسیقی سے نفرت ہے جن کا آغاز شیطان کی طرف سے ہے اور انجام خدا تعالیٰ کی ناراضگی ہے، میں نے ثقہ علماء سے سُنا ہے کہ باجوں کی محفل میں جانا، گانے سننا، اور ان کا شوقین ہونا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے، جس طرح پانی گھاس پیدا کرتا ہے، میری جان کی قسم! عقل مند آدمی کے لئے ایسے مقامات پر نہ جانا اور ان کی نحوست سے بچ جانا زیادہ آسان ہے، بہ نسبت اس کے کہ دل میں نفاق جم جائے۔

اپنے بیٹوں پر ہی موقوف نہیں، آپ نے اس معاملہ میں رعایا کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں برتی، چنانچہ اپنے اعمال (گورنروں) کے نام فرمان جاری کیا کہ:۔

وقد کانت هذه الاعاجم تلهو باشیاء زینها الشیطان لهم (فازجر؟) من قبلك من المسلمین عن ذلك فلعمری لقد أنی لهم ان یترکوا ذلك مع ما یقرؤون من کتاب الله فازجر(؟) عن ذلك الباطل واللهو من الغناء وما اشبهه فان لم ینتهوا فنکل

(گذشتہ سے پیوستہ)

من اتی ذلک منہم غیر متعدفی النکال۔

(طبقات ابن سعد ج ۱۹ ص ۳۹۳)

یہ عجمی لوگ چند چیزوں سے، جن کو شیطان نے ان کی نگاہ میں مزین کر دیا تھا، دل بہلاتے تھے، پس اپنے ہاں کے مسلمانوں کو ان چیزوں سے روکو بخدا! اب وقت آ گیا ہے کہ وہ لوگ کتاب اللہ سے احکامات معلوم ہو جانے کے ساتھ ہی ان چیزوں کو کرنا چھوڑ دیں، چنانچہ تم انھیں فضول کاموں، لہو ولعب اور گانے بجانے سے روکو، اور اگر وہ نہ رکیں تو انھیں حد میں رہتے ہوئے سزا دو۔

(۱۸) ایک شخص امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا، اور ان سے کوئی مسئلہ پوچھا، آپ نے فرمایا "حضرت ابن مسعودؓ اس بارے میں یہ کہتے تھے"، اس شخص نے عرض کیا" آپ مجھے اپنی رائے بتایئے" حضرت شعبی نے فرمایا، کتنے تعجب کی بات ہے، میں اُسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کا قول بتا رہا ہوں اور یہ میری رائے پوچھ رہا ہے، حالانکہ مجھے اپنا دین زیادہ عزیز ہے، پھر فرمایا:

واللہ لأن أتغنی أغنیۃ أحب إلی من أن أخبرک برأئی (سنن دارمی ج ۱، ص ۴۵)

خدا کی قسم مجھے ایک گانا گا لینا زیادہ پسند ہے، اس سے کہ میں تجھے اپنی رائے بتاؤں۔

حضرت امام شعبی رح نے دین میں رائے زنی کو بدترین جرم سمجھا اور فرمایا کہ دینی معاملے میں رائے زنی کرنے کے لئے زبان کھولنے سے بہتر ہے کہ آدمی گانا گا لے (کہ یہ گناہ ہے مگر دین میں رائے زنی سے کمتر ہے)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۹) حضرت فضیل بن عیاضؒ کا جو درحقیقت صوفیاء کے امام ہیں، مشہور مقولہ ہے:

"الغناء رقیۃ الزنا"

گانا زنا کا منتر ہے۔

(المصنوع فی معرفۃ احادیث الموضوع ص ۹۵)

باب دوئم

دلائلِ اباحت

حضرت عامر بن سعد کہتے ہیں، کہ ایک شادی کے موقع پر میں حضرت قرظہ بن کعبؓ اور حضرت ابو مسعود انصاری رضؓ کے پاس آیا، دیکھا تو (قریب ہی) چند کمسن لڑکیاں بیٹھیں گانے میں مشغول ہیں، میں نے عرض کیا "آپ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور اصحاب بدر میں سے ہیں اور یہ سب کچھ آپ کے سامنے کیا جا رہا ہے؟" انھوں نے جواب دیا "آپ بھی چاہیں تو تشریف رکھیں اور سنیں اور اگر چاہیں تو چلے جائیں، ہمیں تو شادی بیاہ کے موقع پر لہو کی رخصت دی گئی ہے"

آیاتِ قرآنی

اب وہ روایات و آثار ذکر کئے جاتے ہیں جن سے بعض لوگ بعض اقسام غنا کی اباحت پر استدلال کرتے ہیں[1]۔

(۱) قرآن کریم میں ہے:

وَيَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ

(فاطر۔ ۱)

اللہ پیدائش میں جو چاہے بڑھا دیتا ہے۔

اس تخلیقی زیادتی کی تفسیر بعض مفسرین نے "صوت حسن" یعنی اچھی آواز کی ہے، اور اسی سے بعد میں کچھ لوگوں نے گانے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

حالانکہ اوّل تو اس تفسیر کا ثبوت ہی محل نظر ہے، اور اگر بالفرض اسے

---

[1] یہاں یہ سمجھ لینا چاہیئے سلف صالحین اور علماء امت میں ایسا کوئی شخص نہیں جو گانے باجے کی تمام صورتوں کے جواز کا قائل ہو، بلکہ جو لوگ انھیں جائز کہتے ہیں وہ بھی صرف چند صورتوں میں جواز کے قائل ہیں، جیسا کہ تفصیل سے آگے آرہا ہے۔

ثابت مان بھی لیا جائے تو بھی غنا پر استدلال درست نہیں، کیونکہ یہ تو درست ہے کہ اچھی آواز اچھی صورت کی طرح اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ لیکن اچھی آواز اور گانا لازم و ملزوم نہیں، بلکہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، چنانچہ بہت سی اچھی آوازیں گانے میں ملوث نہیں ہوتیں، اور بہت سے گانے اچھی آواز سے محروم رہتے ہیں [۵۱]۔

---

[۵۱] قائلین اباحت کے استدلال اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے بہتر ہو گا کہ سورۃ فاطر کی اس آیت پر ایک نظر دوبارہ ڈال لی جائے، یہ آیت پوری طرح یوں ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے بنا لگائے آسمان اور زمین، جس نے ٹھہرایا فرشتوں کو پیغام لانے والا، جن کے پر ہیں دو دو تین تین اور چار چار، وہ بڑھا دیتا ہے پیدائش میں جو چاہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کر سکتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو عضو اور جو صفت چاہے اپنی حکمت کے موافق بڑھا دیتا ہے، چنانچہ بعض فرشتوں کو اس نے دو پر، بعض کو تین اور بعض کو چار پروں کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور اگر چاہے تو اس سے زیادہ پر بھی پیدا کر سکتا ہے۔ چونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قائلین اباحت یہ کہتے ہیں کہ "یزید فی الخلق ما یشاء،، کی تفسیر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

. . . .

(گذشتہ سے پیوستہ) بعض مفسرین نے "صوت حسن" سے کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو خوبصورت آواز سے نوازتا ہے، نیز آواز کی خوبصورتی ایک انعام ہے، اور درحقیقت اس انعام کا پورا اظہار اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا استعمال غنا کے لئے ہو، تو معلوم ہوا کہ غنا مباح ہے۔

اس آیت سے اباحتِ غنا ثابت کرنے کے لئے جو کھینچ تان کی گئی ہے وہ بالکل ظاہر ہے، ورنہ "یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ"، کا سیدھا سادہ صاف مفہوم یہی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں کو دو پر دیئے ہیں، بعض کو تین پر اور بعض کو چار پروں سے نوازا ہے، اسی طرح وہ کسی فرشتے کے اس سے زیادہ پر بھی پیدا کر سکتا ہے، جیسا کہ خود حدیث میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو چھ سو پر عطا کئے گئے ہیں، امام المفسرین حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔

امام زہری اور ابن جریج کی رائے یہ ہے کہ "یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ"، سے مراد صوت حسن ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد چشم و رخ کی خوبصورتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ "یزید فی الخلق مایشاء" کے سیاق و سباق سے میل کھانے والے خاص اور حقیقی معنی کو چھوڑ کر اگر عام اور مجازی معنی مراد لئے جائیں تو بھی صرف آواز کی خوبصورتی کو مخصوص کرنا درست نہیں بلکہ اس سے مراد ہر وہ اچھائی ہوگی جو خلقۃً خدا کی طرف سے کی جائے، چاہے اس کا تعلق چشم و بینی سے ہو یا خوش الحانی اور حسن صوت سے، اعلیٰ ذہانت سے ہو یا سلیم فطرت سے، عام معنی مراد لینے کی صورت میں یہی تفسیر اکثر مفسرین کے نزدیک مختار ہے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

نیز اگر "یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَاءُ" سے مراد صوتِ حسن ہی ہو تو بھی اس سے اباحت غنا پر استدلال ٹھیک نہیں، کیونکہ آواز کی خوبصورتی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ گانے کے لئے بھی استعمال کی جائے، بلکہ اس کا استعمال تلاوتِ قرآن اور اذان وغیرہ کے مواقع پر بھی کیا جا سکتا ہے، جہاں خوش الحانی نہ صرف مطلوب ہے، بلکہ زیادتی اجر کا سبب بھی ہے۔ اسی طرح اس کا استعمال ان گانوں میں بھی ہو سکتا ہے، جن کی شریعت میں اجازت ہے اور جس کی تفصیل آگے آرہی ہے مثلاً رجز خوانی وغیرہ آخر صوتِ حسن کو نعمت قرار دے کر اس سے مراد آلاتِ موسیقی اور ناجائز گانے باجے لینا، جن کی منعم حقیقی نے ممانعت فرمائی ہے۔ سوائے نفس پرستی اور جہالت کے کیا ہے؟

مناسب ہو گا کہ یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رض کا وہ قصہ بھی نقل کر دیا جائے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے "غنیۃ الطالبین" میں لکھا ہے، اور جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسلاف حسن صوت کی نعمت کا صحیح مصرف کیا سمجھتے تھے:

"حضرت عبداللہ بن مسعود رض ایک مرتبہ کوفہ کے نواح میں جا رہے تھے ایک مکان میں فساق کا مجمع تھا، شراب و کباب کی مجلس گرم تھی، زاذان نامی ایک گویا عود بجا بجا کر نہایت خوش الحانی سے گا رہا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے جب اس کی آواز سنی تو فرمایا "یہ کتنی اچھی آواز ہے، کاش یہ تلاوتِ قرآن میں صرف ہوتی" یہ کہہ کر چادر سر پر ڈالے وہاں سے گذر گئے، زاذان نے آپ کی آواز سن لی اور اپنے مصاحبین سے پوچھا "یہ کون بزرگ ہیں"، لوگوں نے بتایا کہ "یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رض صحابی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے صحابی ہیں، اور آپ کی آواز سنکر یہ فرما گئے ہیں،، اس بات کو سنتے ہی اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اور گانے بجانے کا سارا ساز و سامان توڑ کر حضرت ابن مسعود رضؓ کے پاس گیا اور زار و قطار رونے لگا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے اُسے گلے سے لگالیا، اور خود بھی رونے لگے، اور پھر فرمایا،، آخر میں کیسے ایسے شخص سے محبت نہ کروں، جس کو اللہ نے پسند فرمایا، اور اس نے اپنے عود بجانے سے توبہ کرلی،، اس کے بعد زاذان نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی صحبت پکڑلی اور آپ سے قرآن کریم سیکھا اور علم دین حاصل کیا اور اس میں ماہر ہو کر امام وقت ہو گئے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۱، کتاب التوابین ص ۲۰۱)

بعض لوگوں نے آواز کی خوبصورتی سے ہی اباحت غنا پر ایک دوسرے انداز میں استدلال کیا ہے، ان کا استدلال اور اس کا جواب انشاءاللہ تکملہ میں لکھا جائے گا۔

احادیثِ نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ

① عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثٍ فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهٗ وَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ فَانْتَهَرَنِيْ وَقَالَ مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعْهُمَا فَلَمَّا دَخَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا وَكَانَ يَوْمُ عِيْدٍ وفی روایۃ اخری عند البخاری بعد ذلك جاریتان من جواری الانصار تغنیان بما تقاولت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے، اس وقت دو لڑکیاں میرے پاس بیٹھیں جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں حضورؐ بستر پر لیٹ گئے اور دوسری طرف منہ پھیر لیا، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آگئے انھوں نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا "یہ شیطانی راگ حضور کے سامنے؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوتے اور فرمایا "جانے بھی دو" جب حضرت ابوبکرؓ دوسرے کاموں میں لگے تو میں نے ان دونوں لڑکیوں کو اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئیں، یہ عید کا دن تھا، بخاری ہی کی دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر تشریف لائے تو اس وقت دو انصاری لڑکیاں میرے

الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ قَالَتْ وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا.

(صحیح بخاری)

پاس بیٹھی وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث میں کہے تھے' یہ دونوں لڑکیاں کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں"، حضرت ابوبکر رضؓ نے انہیں دیکھتے ہی کہا، یہ شیطانی راگ حضورؐ کے گھر میں؟ یہ عید کے دن کا واقعہ ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اے ابوبکر ہر قوم کیلئے عید کا دن ہوتا ہے اور آج ہمارا عید ہے[1]"

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اس حدیث سے صوفیاء کے ایک گروہ نے گانا گانے اور گانا سننے کے جواز پر استدلال کیا ہے، اس استدلال کے بطلان کے لئے اگلے باب کی وہ حدیث ہی کافی ہے، جس میں حضرت عائشہ رضؓ نے ان لڑکیوں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ" ولیستا بمغنیتین،، وہ دونوں کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، اس طرح ابتداءً ظاہری الفاظ سے جو وہم ہوتا تھا اسے آپ نے دور کر دیا۔

وجہ یہ ہے کہ" غناء،، کا اطلاق عربی زبان میں ترنم اور بلند آواز سے

---

[1] امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں تقریباً آٹھ جگہ ذکر کیا ہے، دیکھئے کتاب العیدین باب الحراب والدرق یوم العید ج ۱ ص ۱۳۰ و مسلم کتاب العیدین ج ۱ ص ۱۹۱ ونسائی کتاب العیدین باب ضرب الدف یوم العید ج ۱ ص ۲۳۶۔ امام بغوی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں، ھٰذا حدیث متفق علی صحتہ،، (شرح السنہ ج ۴ ص ۳۲۱)

پڑھنے پر ہوتا ہے، جسے اہل عرب نصب (بفتح النون وسکون المھملۃ) کہتے ہیں، اسی طرح حدی خوانی پر بھی "غناء" کا لفظ بولا جاتا ہے، لیکن نصب یا حدی خواں کو مغنّی نہیں کہا جاتا، مغنّی صرف اس شخص کو کہتے ہیں جو آواز کے زیر و بم کے ساتھ لوگوں کے جذبات بھڑکا کر ایسے اشعار گاتے، جن میں گندی باتوں کی صراحت یا اشارہ ہو[۱]،،

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں :

"شادی بیاہ جیسے خوشی کے مواقع پر دف بجانے کی اباحت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دیگر آلات موسیقی۔ جیسے عود وغیرہ ــــ بجانا بھی مباح ہو، جیسا کہ انشاءاللہ ہم ولیمہ کی بحث میں بتائیں گے۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا اوڑھ لینا، تو دراصل اس طریقہ سے گانا سننے سے اعراض مقصود تھا، اس لئے کہ نہ سننا ہی آپ کے مقام کا تقاضا تھا، البتہ آپ کا نکیر نہ کرنا صرف اس نوعیت کے غنا کے جواز پر دلالت کرتا ہے، جسے آپ نے برقرار رکھا۔ اس لئے کہ آپ کسی برائی کو باقی نہ رہنے دیتے تھے۔

اصل میں قانون یہ ہے کہ "لھو ولعب سے پرہیز کیا جائے" اور چونکہ یہ حدیث، بظاہر اس قانون کے خلاف معلوم ہو رہی ہے، اس لئے اس سے غنا کی جس وقت، جس کیفیت، اور جس مقدار قلیل کا جواز معلوم ہوتا

---

[۱] فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۴، حافظ ابن حجرؒ کی اس عبارت کو علامہ آلوسی رحؒ نقل کر کے لکھتے ہیں "وھو کلام حسن" اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "حافظ صاحبؒ کا تعریف میں یہ قید لگا دینا کہ اشعار میں گندی باتوں کی صراحت یا اشارہ ہو، ٹھیک نہیں، بہتر یہ ہے کہ اس میں عموم رکھا جاتے، گویا ہر قسم کے اشعار کو اس انداز میں پڑھنے والے کو مغنی کہا جائے گا۔

(روح المعانی ج ۲۱ ص ۷۰)

ہے، صرف اسی وقت اسی کیفیت اور اسی مقدار قلیل میں غنا جائز ہوگا
"واللہ اعلم" (فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۴)

ف۵ اس حدیث میں چند باتیں قابلِ توجہ ہیں:
(۱) گانے والی لڑکیاں کمسن اور غیر مکلف تھیں، حضرت عائشہ رض نے ان دونوں کے لئے "جاریتان" کا لفظ استعمال کیا ہے، اور جاریۃ عربی زبان میں نابالغ لڑکی کو کہتے ہیں، علامہ سیوطی رح اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"(جاریتان) الجاریۃ فی النساء کالغلام فی الرجال یقعان علی من دون البلوغ فیھما"

(زھر الربیٰ ج ۱ ص ۲۳۶)

جاریہ کا لفظ عورتوں میں بالکل ایسے ہے جیسے غلام کا لفظ مردوں میں، دونوں کا اطلاق بلوغ سے پہلے پہلے کی عمر پر ہوتا ہے۔

(۲) دونوں لڑکیاں جنگی گیت گا رہی ہیں اور وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جو جنگِ بعاث کے موقع پر کہے گئے تھے جنگ بعاث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے تین سال قبل اوس اور خزرج میں ہوئی تھی، چنانچہ یہ اشعار حرب وشجاعت سے پُر تھے، اور ایک گونہ جہاد کے لئے معاون تھے، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی ورنہ اگر اشعار عشقیہ اور ناجائز مضامین پر مشتمل ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاموش رہنا ممکن نہ تھا، بلکہ آپ ضرور نکیر فرماتے، علامہ نووی رح لکھتے ہیں:

قال القاضی انما کان غناءھما بما ھو من اشعار الحرب والمفاخرۃ بالشجاعۃ والظھور والغلبۃ۔

(نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۹۱)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ)

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ان دونوں لڑکیوں کے گیت جنگ، بہادری پر فخر، فتح اور غلبہ جیسے مضامین پر مشتمل تھے۔

امام بغویؒ زیادہ واضح الفاظ میں لکھتے ہیں:

وكان الشعر الذى تغنيان فى وصف الحرب والشجاعة وفى ذكره معونة فى امر الدين فاما الغناء بذكر الفواحش والابتغاء بالحرم والمجاهرة بالمنكر من القول فهو المحظور من الغناء وحاشاه ان يجرى شئ من ذلك بحضرته عليه الصلوٰة والسلام فيغفل النكير له۔

(شرح السنۃ ج ۴ ص ۳۲۲)

وہ شعر جو دونوں لڑکیاں گا رہی تھیں حرب و شجاعت کے بارے میں تھے، اور ان کے پڑھنے سے ایک طرح دینی معاملے (جہاد) میں مدد ملتی تھی، ورنہ جن شعروں میں فواحش کا ذکر ہو، حرام اور ناجائز باتوں کا اظہار ہو، اُن کا گانا جائز نہیں۔ حاشا و کلا اگر ایسی چیزیں حضورؐ کے سامنے گائی جاتیں تو آپ اس پر نکیر کرنے سے نہ چوکتے"۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل پر پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا، بلکہ ایک طرح سے اپنے آپ کو اسکی شرکت سے علیحدہ رکھنے کے لئے چادر اوڑھ کر منہ پھیر لیا تھا، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نہ تو ایسا ناجائز کام تھا جس پ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

سختی سے نکیر کی جائے، اور نہ کوئی ایسا پسندیدہ امر تھا کہ آپؐ بہ نفسِ نفیس اس میں شریک ہوں۔

④ اس واقعہ سے پہلے ہی صحابہ کرام رضؓ میں یہ بات عام طور پر معروف تھی کہ گانا گانا ناجائز اور شیطانی کام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُسے پسند نہیں فرماتے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضؓ تشریف لائے اور اُنھوں نے یہ ماجرا دیکھا تو اپنی صاحبزادی کو ڈانٹا اور کہا کہ "یہ شیطانی راگ باجے حضورؐ کے گھر میں"۔

پھر دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر سے یہ نہیں فرمایا کہ ابو بکر! یہ شیطانی راگ باجے نہیں ہیں، اور جائز ہیں، تمھیں ان چیزوں پر نہیں روکنا چاہیئے۔ بلکہ افصح العرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ "جانے بھی دو آج عید کا دن ہے" یہ جملہ واضح طور پر بتا رہا ہے کہ عید کی وجہ سے درگذر ہو رہا ہے۔

⑤ حضرت عائشہ رضؓ خود غنا کو ناجائز سمجھتی تھیں، اسی وجہ سے اُنھوں نے وضاحت سے کہہ دیا کہ "یہ لڑکیاں کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں"۔

حضرت عائشہ رضؓ کے اس جملہ کا پورا مطلب اُسی وقت سمجھ میں آسکتا ہے جب حافظ ابن حجرؒ کی مذکورہ عبارت کو غور سے پڑھ لیا جائے۔ نیز یہ صرف ابن ابن حجرؒ ہی کا قول نہیں ہے بلکہ محققین کی بھی رائے ہے کیونکہ معمولی ترنم اور بلند آواز سے شعر پڑھنے کو عربی زبان میں غنا کہہ دیا جاتا ہے، اسی طرح ساربان جو بیچارہ قواعدِ موسیقی سے انتہائی نابلد ہوتا ہے اگر حدی پڑھتا ہے تو اُسے بھی غنا کہہ دیتے ہیں۔ لیکن مغنی کا مفہوم عربی زبان میں وہی ہے جو اُردو زبان میں گلوکار کا، یعنی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس شخص کو مغنی کہا جاتا ہے جو قواعد موسیقی کا لحاظ رکھ کر اشعار گائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضہ نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ لڑکیاں کوئی گلوکار نہیں تھیں، کہ آواز کو بنا بنا کر اور سنوار سنوار کر گاتیں، وہ تو ویسے ہی ذرا ترنم اور بلند آواز سے شعر پڑھ رہی تھیں۔

پھر ذرا غور فرمائیے کہ حضرت عائشہ رضہ کا یہ واقعہ کم سنی کا ہے، بعد میں ان سے گانے باجے کے بارے میں مذمت کے علاوہ کچھ مروی نہیں، چنانچہ خود ان کا ایک واقعہ بیہقی کے حوالہ سے پیچھے گذر بھی چکا ہے۔ نیز حضرت قاسم بن محمد جو حضرت عائشہ رضہ کے بھتیجے ہیں اور ان کی صحبت بھی اٹھائی ہے، گانے کی بہت مذمت کرتے تھے، جیسا کہ ان کا قول ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔

اس حدیث میں یہی وہ باتیں ہیں، جنھیں دیکھ کر اکثر محدثین نے اس حدیث کو حرمت غنا کے لئے استدلال بنایا ہے، مولانا عبدالحق محدث دہلوی رہ، علامہ محمد بن یعقوب مجدالدین فیروز آبادی رہ کے اس دعوی کی کہ:

"درباب ذم سماع حدیثے صحیح وارد نشدہ"

مذمت سماع کے سلسلے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔

پُر زور تردید کرنے کے بعد بڑے شد و مد سے شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ کہنا درست نہیں کہ اس سلسلے میں جو احادیث مروی ہیں وہ ضعیف ہیں، اس لئے لائق استدلال نہیں کیونکہ:

"بعد از قطع نظر ازاں کہ حدیث ضعیف بتعدد طرق بمرتبہ حسن رسد و حسن بمرتبہ صحیح۔ حدیث صحیح درین باب حدیث جاریتین است کہ بعض مردم آنرا در اثبات اباحت نیز بیارند

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

وانصاف آں است کہ مدلول آں ذم ست مگر در بعض مواضع مثل ایام عید و مانند آں۔

(شرح سفر السعادۃ ص ۵۶۲)

(اوّل تو) اس بات سے قطع نظر کہ ضعیف حدیث تعدد طرق کی وجہ سے مرتبۂ حسن حاصل کر لیتی ہے، اور حدیث حسن مرتبۂ صحیح (اس طرح یہ احادیث لائق استدلال بن جاتی ہیں اس سلسلے میں صحیح احادیث بھی مروی ہیں)

چنانچہ اس باب میں صحیح حدیث "حدیث جاریتین" ہے کہ بعض لوگوں نے اُسے اباحت سماع کے ثبوت کے لئے بھی پیش کیا ہے، مگر یہ کہ انصاف کی بات یہی ہے کہ اس کا مدلول مذمت سماع ہی ہے اِلاّ چند ایک مواضع مثل عید وغیرہ کے (کہ وہ مستثنیٰ معلوم ہوتے ہیں۔)

شیخ موصوف اس حدیث کو حرمت غنا کا استدلال قرار دینے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اکنوں باید دید کہ چون ابوبکر صدیق رض کہ اسبق واقدم اصحاب در معرفت دین غنا را مزمار و مزمور شیطان گفت و آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اورا بریں تقریر کرد و نگفت کہ ایں چنین مگو کہ ایں مزمار شیطان نیست و حرام نیست بلکہ چہ گفت منع مکن یا ابابکر ایشان را ازیں کہ امروز عید ست ...... پس نہایت آنچہ بایں حدیث ثابت شود اباحت و رخصت در بعض احیان مثل ایام عید و مانند

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

آں با بودن او حرام و مزمار شیطان در غیر این اوقات و این معنی نزد انصاف ظاہر ست کما لایخفی۔

(شرح سفر السعادۃ ص ۵۶۴)

اب یہاں یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے، جو حضرات صحابہ کرام رضؓ میں دین فہمی کے اعتبار سے سب سے مقدم اور برتر ہیں، غنا کو شیطان کا باجا کہا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو برقرار رہنے دیا۔ اور آپؐ نے صدیق اکبر رضؓ سے یہ نہیں کہا کہ یہ مت کہو کہ یہ شیطان کے باجے نہیں ہیں، اور حرام نہیں ہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ ابوبکر انہیں منع مت کرو اس لئے کہ آج عید کا دن ہے۔

چنانچہ زیادہ سے زیادہ جو بات اس حدیث سے ثابت ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات عید وغیرہ جیسے ایام میں غنا کا جواز اور رخصت ہے۔ باوجودیکہ وہ ان اوقات کے علاوہ حرام اور شیطان کا باجہ ہی ہے۔ اور یہی بات قرین انصاف معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث سے صاف ظاہر ہے۔

شیخ موصوف آخر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہر کہ تتبع احادیث و اقوال فقہاء و سلف کند بداند کہ متعارف و مشہور میان ایشان حرمت و کراہت آن بود۔

(ایضاً ص ۵۶۴)

ہر وہ شخص جو احادیث رسول۔ فقہاء اور علمائے سلف کے اقوال کا تتبع

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ حِيْنَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلٰى فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّيْ فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِيْ يَوْمَ بَدْرٍ إِذْ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَالَ دَعِيْ هٰذَا وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ (رواه البخاری فی باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة وابن ماجة ایضاً)

حضرت ربیع کہتی ہیں کہ جب میری رخصتی ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اسی طرح بیٹھے جس طرح تم میرے سامنے بیٹھے ہو، اتنے میں ہماری کچھ بچیوں نے دف بجا کر میرے مقتول آباء و اجداد کا ندبہ (تعریف اور مرثیہ) شروع کیا، اس دوران ان میں سے ایک لڑکی نے یہ مصرعہ پڑھا (ترجمہ) اور ہم میں ایک نبی ایسا ہے جو کل کی بات بھی جانتا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، اسے رہنے دو اور جو پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہتی رہو[1]

مطلب کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح کا اعلان دف اور غناء مباح کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مقتدا اور پیشوا شخص

(گذشتہ سے پیوستہ)

کرے گا، اُسے معلوم ہو جائے گا کہ ان کے ہاں مشہور و متعارف یہی ہے، کہ غناء و ساز حرام اور مکروہ ہیں۔

[1] دیکھئے صحیح بخاری کتاب النکاح ج ۲ ص ۷۷۳، وابن ماجہ کتاب النکاح باب الغناء والدف ص ۱۳۸، وابوداؤد کتاب الادب باب فی الغناء ج ۲ ص ۶۷۴، والترمذی ابواب النکاح باب ما جاء فی اعلان النکاح ج ۱ ص ۱۲۹۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

شادی بیاہ میں شرکت کر سکتا ہے اگرچہ وہاں جواز کی حد میں رہتے ہوئے لہو و لعب بھی ہو رہا ہو۔ (فتح الباری ص ۱۶۷ ج ۹)

(۳) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا أَنَّهَا زَفَّتْ إِمْرَأَةً إِلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ ایک عورت ایک انصاری کے پاس نکاح کے بعد رخصت کر کے بھیجی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اے عائشہ کیا تم لوگوں کے ساتھ لہو نہ تھا انصار کو تو لہو پسند ہے۔[۱]

(رواہ البخاری فی کتاب النکاح)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ شریک کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

فَهَلْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا جَارِيَةً تَضْرِبُ بِالدُّفِّ وَتُغَنِّي قُلْتُ: تَقُولُ مَاذَا؟ قَالَ: تَقُولُ أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے دلہن کے ساتھ کسی لڑکی کو بھی بھیجا ہے، جو دف بجائے اور گائے۔ میں نے عرض کیا "وہ گاتی کیا؟" آپ نے فرمایا وہ یہ اشعار گاتی اتیناکم اتیناکم الخ

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۸۵)

(گذشتہ سے پیوستہ) ربیع بنت معوذ رض وہ صحابیہ ہیں جن کے والد معوذ اور دو چچاؤں حضرت معاذ اور حضرت عوف رض نے غزوۂ بدر میں شہادت پائی تھی، گانے والی بچیاں غزوۂ بدر میں ان کے والد اور چچاؤں کی دلیری اور شجاعت پر مشتمل اشعار گا رہی تھیں، نیز چونکہ عالم غیب ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے اور ایک لڑکی کے مصرعہ میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف کی گئی تھی، اس لئے آپ نے اس مصرعہ کو پڑھنے سے منع کر دیا یہ بھی خیال رہے کہ اشعار گانے والی کمسن بچیاں ہیں جو دف پر شادی کے موقعہ پر جنگی اشعار گا رہی ہیں۔

[۱] بخاری: باب النسوۃ التی یھدین المرأۃ الی زوجہا ج ۲ ص ۷۷۵۔

ابن ماجہ کی روایت میں بھی یہ الفاظ ہیں:

قَالَ: أَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مَنْ يُغَنِّيْ؟ قَالَتْ: لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْأَنْصَارَ قَوْمٌ فِيْهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَقُوْلُ أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ

حضورؐ نے پوچھا "تم نے دلہن کے ساتھ کسی گانے والی کو بھی بھیجا ہے؟" عرض کیا "نہیں" آپ نے فرمایا "انصار میں تغزل کا شوق ہے بہتر تھا کہ تم اس کے ساتھ کسی ایسے کو کر دیتیں جو یہ گاتا اتیناکم اتیناکم الخ"[1]

(۴) عَنْ قُرْظَةَ بْنِ كَعْبٍ وَ أَبِيْ مَسْعُوْدِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ إِنَّهُ رُخِّصَ لَهُ فِي اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ الحديث (اخرجه النسائي وصححه الحاكم. فتح الباري ج ۹ ص ۱۸۰)

حضرت قرظہ بن کعبؓ اور ابو مسعود رضؓ انصاری سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ شادی بیاہ کے موقع پر لہو کی رخصت دی گئی ہے[2]۔

---

[1] ابن ماجہ ابواب النکاح، باب الغناء والدف ص ۱۳۸۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ انصار میں بیاہ شادی کے وقت دف پر گانے کا رواج تھا اور وہ اُسے پسند کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاہی کی عام مخالفت سن کر صحابیات کو خیال ہوا کہ شاید شادی بیاہ کے وقت بھی ممانعت ہو اور دف بھی دوسرے آلاتِ ملاہی کی طرح ممنوع ہو۔ اسی وجہ سے انہوں نے اس موقع پر بھی خاموشی اختیار کی، جب حضرت عائشہؓ سے حضورؐ نے رخصتی کا حال معلوم کیا تو پتہ چلا کہ غزل سرائی اور دف بجانے کا کوئی سلسلہ ہی نہیں ہوا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ شادی بیاہ کے وقت دف پر گانے بجانے کی گنجائش ہے۔ اگر انصار کی رغبت اور پسند کا لحاظ کرتے ہوئے گا بجا لیا جاتا تو بہتر تھا۔
"واللہ اعلم"

[2] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ پوری حدیث یہ ہے: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۵) عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ کے لئے مدینہ

(گذشتہ پیوستہ)

عن عامر بن سعد قال دخلت علی قرظة بن کعبؓ وابی مسعودؓ الانصاری فی عرس واذا جوار یغنین فقلت انتما صاحبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن اهل البدر یفعل هذا عندکم فقال اجلس ان شئت فاسمع معنا وان شئت اذهب قد رخص لنا فی اللهو عند العرس۔

(نسائی کتاب النکاح باب اللهو والغناء عند العرس ج ۲ ص ۹۲، والمستدرک ج ۲ ص ۱۸۴)

حضرت عامر بن سعد کہتے ہیں کہ ایک شادی کے موقع پر میں حضرت قرظہ بن کعبؓ اور حضرت ابومسعودؓ انصاری کے پاس آیا، دیکھا تو قریب ہی چند لڑکیاں بیٹھیں گانے میں مشغول ہیں، میں نے عرض کیا "آپ دونوں حضورؐ کے صحابی ہیں اور اصحاب بدر میں سے ہیں اور یہ سب کچھ آپ کے سامنے کیا جا رہا ہے؟" انھوں نے جواب دیا "آپ بھی چاہیں تو تشریف رکھیں اور سنیں اور اگر چاہیں تو چلے جائیں، ہمیں تو شادی بیاہ کے موقع پر لہو کی رخصت دی گئی ہے"۔

اس حدیث میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت عامر بن سعد نے ان لڑکیوں کے گانے کو بھی ٹھیک نہیں سمجھا اور اُسے ناجائز قرار دیکر اپنی حیرت کا اظہار کیا۔ دوسرے حضرت قرظہ بن کعبؓ اور ابومسعودؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ گانا بجانا مطلقاً جائز ہے، بلکہ وہ بھی اُسے ناجائز اور نامناسب خیال کرتے تھے، اسی وجہ سے یہ فرمایا کہ شادی بیاہ کے موقع پر لہو کی رخصت ہے خود لفظ "رخصت" بتا رہا ہے کہ یہ دونوں بھی عام اباحت کے قائل نہ تھے۔

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ
فَلَمَّا انْصَرَفَ جَاءَتْ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ
فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي كُنْتُ نَذَرْتُ
إِنْ رَدَّكَ اللهُ سَالِمًا أَنْ أَضْرِبَ
بَيْنَ يَدَيْكَ بِالدُّفِّ وَأَتَغَنَّى
قَالَ لَهَا إِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِي
وَإِلَّا فَلَا فَجَعَلَتْ تَضْرِبُ فَدَخَلَ
أَبُو بَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ
عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ
وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ
فَأَلْقَتِ الدُّفَّ تَحْتَ اِسْتِهَا
ثُمَّ قَعَدَتْ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ
اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ
الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ إِنِّي
كُنْتُ جَالِسًا وَهِيَ تَضْرِبُ فَدَخَلَ
أَبُو بَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ
عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ
وَهِيَ تَضْرِبُ فَلَمَّا دَخَلْتَ أَنْتَ يَا عُمَرُ
أَلْقَتِ الدُّفَّ (رواه احمد و
الترمذی وصححه)

سے باہر تشریف لے گئے، جب واپس
لوٹے تو ایک سیاہ فام باندی آپ کے پاس
آئی اور کہنے لگی، یا رسول اللہ! میں نے نذر
مانی تھی کہ اگر اللہ آپ کو صحیح سلامت
واپس لے آئے تو میں آپ کے سامنے
دف بجاؤں گی اور گیت گاؤں گی، حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر تو نے نذر مانی
تھی تو بجالے ورنہ رہنے دے" چنانچہ باندی نے
دف بجانا شروع کیا، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ
تشریف لائے مگر وہ دف بجاتی رہی، پھر
حضرت علیؓ آئے پھر بھی دف بجاتی رہی پھر
حضرت عثمانؓ داخل ہوئے تب بھی دف بجانے
میں لگی رہی، پھر حضرت عمرؓ داخل ہوئے تو
اس نے دف سرین کے نیچے رکھا اور اس
پر بیٹھ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!
عمر! تم سے شیطان ڈرتا ہے میں بیٹھا ہوا
تھا اور یہ دف بجا رہی تھی، ابوبکر آئے تو
بھی بجاتی رہی، علی آئے تب بھی بجاتی رہی،
عثمانؓ آئے تو بھی بجانے میں لگی رہی لیکن
عمر! جب تم آئے تو اس نے دف رکھ
دیا[1]

[1] مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۳، ۳۵۱ و ترمذی مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب ج ۲ ص ۲۰۹، و مشکوٰۃ ص ۵۵۰

قاضی شوکانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں : " مصنف نے اس حدیث سے کسی کے سفر سے واپس لوٹنے کے موقع پر دف پر گانا بجا لینے کے جواز پر استدلال کیا ہے ، جو حضرات غنا و مزامیر کو حرام قرار دیتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ اس جیسی صورتیں حرمت کی احادیث سے مستثنیٰ ہیں ، اس کے برعکس جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے مطلقاً جواز پر استدلال کرتے ہیں ، جس کی وجوہ پیچھے گذر چکی ہیں ۔

شرعی دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی گناہ کے کام کی نذر مانی جائے تو وہ منعقد نہیں ہوتی ، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عورت کو دف بجانے کی اجازت دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس عورت نے اس خاص موقع پر جو کچھ کیا وہ کوئی معصیت نہ تھی [1] "

(نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۰۶)

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد کے لئے تشریف لے جانا پھر صحیح سلامت واپس لوٹ آنا بہت خوشی اور فرحت کی بات تھی ، اسی وجہ سے اس باندی نے دف بجانے کی نذر مانی تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مواضع سرور میں حد میں رہتے ہوئے گا بجا لینے کی اجازت ہے ، اور یہ اجازت ایک طرح کی رخصت ہے کوئی حکم شرعی یا امر واجب نہیں ، یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے جہاں کہیں بھی دف بجانے کی اجازت دی ہے وہیں ایک طرح کی قید اور حد بندی بھی معلوم ہوتی ہے ، اس حدیث میں بھی حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ " اگر نذر مانی ہے تو پوری کر ، ورنہ رہنے دے " دوسری بات یہ ہے کہ باندی خود بھی سمجھ رہی تھی ، کہ گانا بجانا کوئی اچھا کام نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر اس کی ممانعت ہی فرمائی ہے ، اسی وجہ سے اس نے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور اپنی مجبوری ظاہر کی کہ میں نے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

مذ رمانی ہے، بتایئے اب میں کیا کروں ؟ پھر جب اجازت ملی تو دف بجانا اور گانا گانا شروع کیا، مگر یہ خیال ذہن میں اچھی طرح راسخ تھا کہ میں جو کام کر رہی ہوں، وہ عام معمول سے ہٹ کر ہے اور ایک طرح کی چھوٹ ہے، اسی وجہ سے وہ ڈرتی بھی رہی کہیں کوئی نکیر نہ کر دے، اور میری گرفت نہ کرے، مگر چونکہ حضرت صدیق اکبر، حضرت عثمان غنی رض اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے بارے میں عام معروف تھا کہ یہ حضرات نرم طبائع کے مالک ہیں، اسی لئے اس نے اُن کی آمد پر کسی خوف کا اظہار نہیں کیا، مگر جب حضرت عمر رض تشریف لائے، تو وہ سمجھ گئی کہ اب پکڑ ہوگی، اس نے جھٹ گانا بند کر دیا اور دف پر بیٹھ گئی اور ایسا ظاہر کیا جیسے کچھ ہو ہی نہیں رہا تھا۔

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب باندی نے دف بجانے کی اجازت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی، جس سے معلوم ہوا کہ یہ امر مباح ہے، لیکن بعد میں جب حضرت حضرت عمر رض تشریف لائے اور باندی نے دف بجانا بند کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "عمر! شیطان تم سے ڈرتا ہے" جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باندی جو کام کر رہی تھی ایک شیطانی عمل تھا اور حضرت عمر رض کی آمد کے بعد بند ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہمارے گرد و پیش میں سینکڑوں انسان بستے ہیں، مگر ہر ایک کی شکل و صورت مختلف ہے، ہر ایک کی وضع قطع اور عادات و اخلاق جدا ہیں اور ہر ایک کے مزاج اور طبیعت کا رنگ الگ ہے۔ اور درحقیقت یہی اختلافات ہیں جن کی وجہ سے ہر فرد ایک خاص انفرادیت کا مالک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بھی ہر ایک کا اپنا مزاج اور جداگانہ رنگ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

تھا، چنانچہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں قہر اور سختی کا غلبہ تھا، آپ برائی کے ادنیٰ شائبہ کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے، اور "وَاَشَدُّھُمْ فِی اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ" کا کامل نمونہ تھے۔ آپ نہایت دور اندیش، باریک بین اور صائب الرائے تھے۔ اور آپ کا مزاج فطرۃً سد ذرائع کا تھا، اسی وجہ سے آپ کسی ایسی چیز کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ جو پہلے تو خود تو برائی نہیں، مگر آگے چل کر برائی کا سبب بن سکتی ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہیں، جن میں آپ نے کسی عمل سے صرف اس لئے روک دیا کہ آگے چل کر وہ چیز ہوا پرستوں کے لئے مستدل اور فتنہ کا سبب نہ بن جائے، چنانچہ امہات المؤمنین جیسی بزرگ ہستیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حجاب کے لئے کہنا، محض سد ذرائع کے لئے ہی تھا، کہ کہیں مستقبل میں یہ چیز نفس پرستوں کے لئے مرد و زن کے آزادانہ اختلاط اور بے حیائی اور بے غیرتی پھیلانے میں ممد نہ بن جائے، اسی طرح اس درخت کو کٹوا دینا جس کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی تھی، (جیسا کہ آگے تفصیل سے آرہا ہے) محض اسی فتنہ کے خوف سے تھا کہ کہیں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اسکی عقیدت شرک کے حدود میں داخل نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آپ کے بارے میں یہ ہے کہ "جہاں عمر ہو وہاں شیطان نہیں جاتا" اور ظاہر ہے کہ جس شخص کا مزاج یہ ہو کہ برائی تو برائی، برائی تک پہنچنے کے ادنیٰ ذریعہ کو بھی ختم کر دے، اس سے شیطان کیوں نہیں ڈرے گا۔

زیر بحث حدیث میں بھی صورتحال یہ تھی، کہ جس قدر گانا اس باندی نے گایا وہ تو جواز کی حدود میں تھا، اسی لئے آپ نے اسکی اجازت بھی دے دی تھی، لیکن باندی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہمارے ایک ہم عصر نے اس حدیث کی تشریح میں انتہائی جسارت سے کام لیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث غنا کے وجوب یا سنت پر دلالت کرتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نذر صرف اسی کام کی منعقد ہوتی ہے۔ جو شرعاً واجب ہو۔

ان بے چاروں کو اتنا پتہ نہیں کہ حنفیہ کے اس اصول کا مطلب صرف یہ ہے کہ نذر پوری کرنا واجب اس وقت ہوتا ہے جب کسی ایسے کام کی نذر کی جائے جس کی جنس کا کوئی کام کسی نہ کسی وقت شرعاً واجب ہوتا ہو[1]، لیکن جہاں تک نذر پورا کرنے کے جواز کا تعلق ہے، اس کے لئے کوئی شرط نہیں، بلکہ بقول علامہ شوکانی رح صرف اتنا کافی ہے کہ وہ معصیت نہ ہو۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

سمجھتی تھی کہ حضرت عمر رض اپنے سد ذرائع کے مذکورہ مزاج کی وجہ سے اس کو بھی گوارا نہیں فرمائیں گے۔ اس لئے اس نے ڈر کر گانا بند کر دیا اور دف چھپا لیا۔

چونکہ حضرت عمر رض کا یہ مزاج دین ہی کی خاطر تھا، اور معاشرے میں ایسے مزاج کے حضرات کی بھی ضرورت ہے، اس لئے آپ نے حضرت عمر رض کو اس مزاج پر ملامت کرنے کے بجائے ایک طرح ان کی ہمت افزائی یہ کہہ کر فرما دی کہ "عمر! شیطان تم سے ڈرتا ہے"۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ اب تک جو کچھ ہو رہا تھا وہ شیطانی فعل تھا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس قسم کے عمل کو حد سے بڑھا کر شیطان کو خوش ہونے کی جو ہوس ہو سکتی تھی وہ بھی تمہاری وجہ سے ختم ہو گئی۔

اس حدیث کو یحییٰ بن سعید القطان ضعیف قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اسکی سند میں حسین بن علی واقدی ہیں جو ضعیف راوی ہیں۔ جب کہ علامہ زیلعی رح اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں (عون المعبود ج ۳ ص ۲۳۵)

[1] مثلاً یہ کہے کہ اگر میرا گمشدہ اونٹ مل گیا تو میں بیس روزے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) رکھوں گا یا ایک گھر کو مسجد بنا کر وقف کر دوں گا، تو یہ نذر صحیح ہے اور جب اس کا لڑکا مل جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ بیس۲۰ روزے رکھے یا گھر کو مسجد بنا کر وقف کر دے، اس نذر کا پورا کرنا اس لئے واجب ہے کہ روزوں کی جنس میں سے رمضان کے روزے بھی ہیں جو فرض ہیں، اسی طرح گھر کو مسجد بنا کر وقف کرنا اسلئے واجب ہے کہ اگر بیت المال نہ ہو تو مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ کسی جگہ کو بطورِ مسجد وقف کریں۔

لیکن اگر نذر کسی ایسے کام کی مانی جائے جس کی جنس کا کوئی کام بھی شرعاً کسی وقت بھی واجب نہ ہو تو اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں، (ہاں جائز ضرور ہے) مثلاً کوئی شخص کہے کہ اگر میرا بیمار بھائی ٹھیک ہو گیا تو میں بیت المقدس کی زیارت کیلئے جاؤں گا، تو جب اس کا بھائی تندرست ہو جائے تو اس شخص کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بیت المقدس کی زیارت کو جائے۔ اس لئے کہ بیت المقدس کی زیارت کو جانا کسی بھی وقت کسی کے لئے بھی واجب نہیں۔ لیکن اگر وہ اس نذر کو پورا کرنا چاہے اور بیت المقدس کی زیارت کے لئے چلا جائے تو کوئی حرج بھی نہیں، اس کے لئے ایسا کرنا بالکل جائز ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی، کہ یہ دعویٰ کرنا کہ دف بجانا اور گانا امر سنت یا امر واجب ہے کسی طرح ٹھیک نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دف بجانا اور گانا ایک امر لہو اور مکروہ عمل ہے۔ مگر چونکہ اس باندی نے دف اس وقت بجانے کی نذر مانی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سلامت کامیاب لوٹ کر آئیں، اور ظاہر ہے کہ یہ موقع خوشی کا تھا اور اس وقت دف بجانا مباح تھا۔ اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دف بجانے کی اجازت دے دی، یہ بات نہیں تھی کہ باندی کے لئے اس نذر کو پورا کرنا واجب تھا اور حضورؐ نے اس نے اس وجوب کی ادائیگی کے لئے اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ امام

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

یشبہ ان یکون صلی اللہ علیہ وسلم انما اذن لہا فی الضرب لانہ امر مباح وفیہ اظہار الفرح بظہور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجوعہ سالما لا انہ یجب بالنذر واللہ اعلم۔

(سنن کبری ج ۱۰ ص ۷۷)

محسوس یہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو صرف اس لئے دف بجانے کی اجازت دی کہ یہ امر مباح ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح سلامت لوٹ آنے پر خوشی کا اظہار تھا، ایسا نہیں ہے کہ دف بجانا نذر کی وجہ سے واجب ہو گیا تھا" واللہ اعلم۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ضرب الدف لیس مما یعد فی باب الطاعات التی یتعلق بہ النذور واحسن حالہ ان یکون من باب المباح غیر انہ لما اتصل باظہار الفرح بسلامۃ مقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ من بعض غزواتہ وکانت فیہ مساءۃ الکفار وارغام المنافقین صار فعلہ کبعض القرب التی من نوافل الطاعات ولہذا ابیح ضرب الدف

(معالم السنن ج ۴ ص ۳۸۲) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(٦) إِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ حَرِّكْ بِالْقَوْمِ فَانْدَفَعَ يَرْتَجِزُ (رواه النسائی، نیل الاوطار ص ۱۰۶ ج ۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے ارشاد فرمایا ذرا لوگوں میں حرکت پیدا کرو، تو انھوں نے رجزیہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے۔

(٧) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ حَسَنَ الصَّوْتِ وَكَانَ يَرْجُزُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَسْفَارِهِ (ذکرہ فی الکنز عن ابی نعیم)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت براء بن مالکؓ خوش آواز شخص تھے، اور حضورؐ کے سفروں میں آپ کے لئے رجزیہ اشعار پڑھا کرتے تھے[1]

(گذشتہ سے پیوستہ)

دف بجانا طاعات میں سے نہیں کہ اس کی نذر مانی جائے، دف کی زیادہ سے زیادہ حیثیت یہی ہے کہ وہ امر مباح ہے، لیکن جب اس کا تعلق اظہار سرور سے ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے صحیح سلامت تشریف لائے ہیں، اور اس اظہار سرور سے کفار اور منافقین بھی جلتے، اس لئے یہ ایک طرح کی نفل طاعت بن گئی چنانچہ دف بجانے کی اجازت دے دی گئی۔

[1] رجز ایک خاص بحر کے اشعار کو کہا جاتا ہے، جس کا ہر مصرع فرد ہوتا ہے، عربوں کی عادت تھی کہ جنگ وجدال اور محنت ومشقت کے کام کرتے وقت رجزیہ اشعار پڑھا کرتے تھے، تاکہ طبیعت میں فرحت ونشاط پیدا ہو،

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

علامہ محمد طاہر پٹنی لکھتے ہیں :

الرجز بحر من البحور ونوع من انواع الشعر يكون كل مصراع منه مفرد او تسمى قصائده اراجيز جمع ارجوزة فهو كهيئة السجع الا انه فى وزن الشعر ويسمى قائله راجزا كتسمية قائل بحور الشعر شاعرًا۔

(مجمع بحار الانوار ج١ ص ٤٢٦)

رجز شعر کے اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ جو ایک خاص بحر پر کہا جاتا ہے اس کا ہر مصرعہ فرد ہوتا ہے، ان مصرعوں پر مشتمل قصائد کو اراجیز (جمع ارجوزہ) کہتے ہیں، یہ سجع کی طرح ہوتا ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ رجز شعر کے وزن پر کہے جاتے ہیں اور ان کے کہنے والے کو راجز کہتے ہیں بالکل ایسے جیسے شعر کہنے والے کو شاعر کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :

"الرجز بفتح الراء والجيم والزاء من بحور الشعر على الصحيح وجرت عادة العرب باستعماله فى الحرب ليزيد فى النشاط ويبعث الهمم"

(فتح البارى ج ٦ ص ١١٢)

رجز کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ شعر کی اقسام میں سے ہے، اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ جنگ (وغیرہ مشکل کام) کرتے وقت ان اشعار کو

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

پڑھا کرتے تاکہ نشاط پیدا ہو اور حوصلے بڑھتے رہیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ غنا، رجز اور شعر خوانی الگ الگ چیزیں ہیں، رجز یا شعر پڑھنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اور وہ امر مباح ہیں بلکہ رجز پڑھنا تو بعض اوقات مستحب ہے، جب کہ غنا عمل مکروہ اور امر باطل ہے اسی وجہ سے حضرت سعید بن المسیبؒ نے فرمایا ہے۔ اور ان کا یہ قول آپ پڑھ بھی چکے ہیں کہ "انی لا بغض الغناء واحب الرجز... میں گانے سے نفرت کرتا ہوں اور رجز کو پسند کرتا ہوں۔

رجز خوانی اہل عرب کی مخصوص عادات میں سے تھی، اسلام سے قبل جاہلیت میں بھی رجز پڑھنے کا رواج تھا، رجزیہ اشعار عربی ادب کے مستقل شاہکار ہیں، صحابہ کرام رضؓ نے بھی جنگ کے مواقع پر رجز پڑھے ہیں، اگر ان کے اراجیز کو جمع کیا جاتے تو مستقل ایک رسالہ بن جاتے، اس لیئے ہم اُسے قلم انداز کرتے ہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی رجز پڑھنا ثابت ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ غزوۂ حنین میں جب دشمن کی جانب سے تیروں کی بوچھاڑ ہوئی، اور اس سے اسلامی فوج میں افراتفری اور بھگدڑ مچ گئی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا آگے بڑھے اور آپ کی زبان مبارک سے یہ رجز جاری تھا:

انا النبی لا کذب   انا ابن عبد المطلب

(صحیح مسلم باب غزوۃ حنین ج ۲ ص ۱۰۰)

آپ کے اس جرأت مندانہ اقدام اور بے مثال شجاعت سے مسلمانوں میں گویا جان پڑ گئی۔ اور ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

ایک غزوہ (غالباً احد) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی زخمی ہو گئی، اس وقت آپؐ نے یہ پڑھا:

هل انت الا اصبع دميت　　　　في سبيل الله ما لقيت

تو ایک انگلی ہے جو اللہ کی راہ میں زخمی ہو گئی۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد ج ا ص ۳۹۳)

غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف آئے تو دیکھا کہ مہاجر اور انصار صحابہ صبح کی سخت سردی کے باوجود خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہیں، بے ساختہ آپؐ کی زبان مبارک سے نکلا:

اللهم لا عيش الا عيش الآخرة　　　　فاغفر الانصار والمهاجرة

اے اللہ! زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے، آپ انصار اور مہاجرین کی مغفرت کر دیں۔

غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہ کرام نے کاموں کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا کچھ صحابہؓ خندق کھود رہے تھے، اور کچھ مٹی اٹھا اٹھا کر لے جا رہے تھے، سرکار دو عالم بھی اس وقت مٹی اٹھانے کے کام میں لگے ہوئے تھے مگر دو غبار اور مٹی سے آپؐ کی پیشانی اور شکم مبارک چھپ گئے تھے، اس وقت آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اللهم لولا انت ما اهتدينا　　　　ولا تصدقنا ولا صلينا

اے خدا اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ خیرات کرتے نہ روزہ رکھتے۔

فانزلن سكينة علينا　　　　وثبت الاقدام ان لاقينا

پس تو ہم پر سکینہ نازل فرما اور لڑائی کے وقت ہمارے قدموں کو جما دے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

⑧ إِنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ تَعْرِفِيْنَ هٰذِهِ قَالَتْ لَا قَالَ هٰذِهِ قَيْنَةُ بَنِيْ فُلَانٍ تُحِبِّيْنَ أَنْ تُغَنِّيَكِ قَالَتْ نَعَمْ فَأَعْطَاهَا طَبَقًا فَغَنَّتْهَا فَقَالَ لَهُ نَفَخَ الشَّيْطَانُ فِي مِنْخَرَيْهَا (جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۵۸ من احمد والکبیر)

ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی آپؐ نے حضرت عائشہ رضہ سے پوچھا "عائشہ! اسے پہچانتی ہو" عرض کیا "نہیں" آپؐ نے فرمایا "یہ فلاں قبیلہ کی مغنیہ ہے کیا تم اس کا گانا سننا چاہو گی؟" عرض کیا "جی ہاں!" آپؐ نے اس عورت کو ایک طباق دیا، اس نے گانا سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "شیطان نے اس کے نتھنوں میں پھونک ماری ہے"[1]

(گذشتہ سے پیوستہ)

ان الاولیٰ قد بغوا علینا　　　اذا ارادوا فتنۃ ابینا

جن لوگوں نے ہم پر دست درازی کی ہے جب وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو ہم انہیں دبنے نہیں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۹ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۳)

امام نووی رح اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

"وفی ھٰذا الحدیث استحباب الرجز ونحوہ من الکلام فی حال البناء ونحوہ (ایضا)

اس حدیث سے تعمیر وغیرہ کے موقع پر رجز وغیرہ پڑھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ رجز پڑھنا نہ صرف ایک امر مباح ہے بلکہ بقول امام نووی رح مستحب عمل ہے جبکہ غنا بالکل ایک دوسری چیز ہے جس کا تفصیلی حکم آگے آرہا ہے۔

[1] دیکھئے مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۹ یہ حدیث غنا و مزامیر کے بارے (بقیہ اگلے صفحہ)

....

(گذشتہ سے پیوستہ)

میں مروی احادیث کے اندر بالکل ہی منفرد مضمون کی حامل ہے، اور اس کا مفہوم غنا کے بارے میں مروی تمام احادیث کے یکسر خلاف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جہاں تک گانا گانے اور طباق بجانے کا سوال ہے، تو اس کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں کیونکہ طباق بھی درحقیقت دف ہی سے ملتی جلتی چیز ہے۔ لیکن ایک بڑا اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ گانا گانے والی نامحرم عورت تھی، اور نامحرم عورت کی آواز بلا ضرورت سننا یا اس کا گانا سننا کسی طرح جائز نہیں۔ کیونکہ ائمہ اربعہ اور تمام صوفیاء و مشائخ باجماع یہی کہتے ہیں کہ اجنبی عورت سے گانا سننا قطعاً حرام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف اور منکر ہے، کیونکہ اسکی سند میں ایک راوی یزید بن ابی خصیفہ ہیں، جن کے بارے میں امام احمد کا یہ قول منقول ہے کہ وہ "منکر الحدیث" ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۴۰) اور منکر الحدیث ہونا کسی راوی کا وہ وصف ہے جس کی بناء پر اسکی روایت ضعیف اور قابل ترک ٹھہرائی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن دقیق العید اور شیخ قاسم بن صالح نے اس کی تصریح کی ہے۔

(الرفع والتکمیل ص ۹۴)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، بلکہ منکر ہے، اور امام احمدؒ کے قول سے اسی کی تائید ہوتی ہے، نیز حدیث کے مضمون کی انفرادیت خود اس کے منکر ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ "واللہ اعلم"

اور اگر بالفرض اس حدیث کو قابلِ استدلال مان بھی لیا جائے تو اسکی تاویل یہ کی جائے گی کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ کیونکہ نامحرم عورت

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گزشتہ سے پیوستہ)

سے گانا سننا حرام لعینہ نہیں، حرام لغیرہ ہے، اسکی حرمت کا سبب فتنہ کا خوف ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ نہ تھا۔ اور یہاں ایسی صورت نہیں تھی۔ اسی وجہ سے آپ نے گانا سُن لیا۔

البتہ اس مقام پر بھی آپ نے ایک جملہ ایسا فرمادیا جس سے یہ معلوم ہوگیا کہ یہ فعل کوئی محبوب چیز نہیں۔ چنانچہ آپنے گانا سننے کے بعد ارشاد فرمایا "نفخ الشیطان فی منخریھا"، یعنی شیطان نے اس کے نتھنوں میں پھونک ماری ہے۔ "نفخ الشیطان فی منخریہ"، یا نفخ الشیطان فی انفہ" دراصل ایک محاورہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اس حد تک تجاوز کیا جس حد تک جانا اس کے لئے مناسب نہ تھا۔ علامہ زبیدی رح اس محاورہ کو نقل کرکے اس کا معنی لکھتے ہیں:

"یقال للمتطاول إلی مالیس لہ"

(تاج العروس ج ۲ ص ۲۸۳)

یعنی یہ محاورہ اس شخص کیلئے بولا جاتا ہے جو
جوکسی کام میں اس حد تک تجاوز کرجائے جس
حد تک جانا اس کے لئے مناسب نہ ہو۔

بعض لوگوں نے اس محاورے کا مطلب نہیں سمجھا اور یہ دعویٰ کردیا کہ اس جملے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغنیہ کا گانا سنکر اس کی مدح فرمائی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے سے انتہائی تعجب کا اظہار کیا ہے، اور آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ مغنیہ کس بلا کا گانا گاتی ہے، اور کیا قیامت کی آواز اس نے پائی ہے۔

⑨ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَعْلِنُوا النِّكَاحَ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن غریب واللفظ لہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نکاح کا اعلان کیا کرو اور اس موقع پر دف بجاؤ[۱]

(گذشتہ سے پیوستہ)

واقعہ یہ ہے کہ جب انسان الحاد کی راہ اختیار کرتا ہے، تو اپنی مطلب براری کیلئے ایسی باتیں بھی کر جاتا ہے جو بداھتہ غلط ہوں، بھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ساری زندگی شیطان کو انسان کا دشمن بتاتے رہے ہوں، اپنے ایک پیرو کی تعریف کرتے ہوئے اس سے یہ کہیں گے کہ تیری آواز بہت اچھی ہے، کیونکہ تجھ پر شیطان نے خاص انعام کیا ہے، جو ایسا اچھا گانا تجھے نصیب ہوا۔

احادیث کا پورا ذخیرہ اٹھا کر دیکھ لیجئے، کسی ایک حدیث میں بھی کوئی تعریفی پہلو شیطان کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ بلکہ خاص "نفخ شیطان" کے الفاظ بھی احادیث میں جہاں کہیں آئے ہیں وہاں مذمت ہی مقصود ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ نے نفخ شیطانی سے یوں پناہ مانگی ہے "اعوذ باللہ من نفخہ و نفثہ" میں شیطان کی پھونک اور جھاڑ سے پناہ مانگتا ہوں۔

"نفخ شیطان" سے استعاذہ کی حدیث دیکھ کر یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اس عورت نے جو گانا گایا تھا، وہ بھی لائق مذمت اور ناقابل تعریف فعل تھا۔" واللہ اعلم"

[۱] سنن ترمذی، کتاب النکاح باب ما جاء فی اعلان النکاح ج ۱ ص ۱۲۹ ترمذی کے اصل

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

الفاظ یہ ہیں:

"اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف"

"نکاح کا اعلان کیا کرو اور نکاح مسجد میں پڑھا کرو اور اس موقع پر دف بجایا کرو۔"

امام ترمذی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس میں ایک راوی عیسٰی بن میمون انصاری ہیں، جو کہ ضعیف ہیں۔" اور صرف امام ترمذی رحؒ ہی نہیں بلکہ علامہ ابن جوزیؒ، حافظ ابن حجرؒ، حافظ زیلعیؒ، حافظ سیوطیؒ، علامہ مناویؒ، وغیرہ جیسے پائے کے محدثین بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں، کیونکہ اسکی تمام سندیں ضعیف ہی ہیں، نواب صدیق حسن خاںؒ نے اس حدیث پر بڑی اچھی بحث کی ہے جو بہت مفید ہے اور اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کے لئے کافی وشافی ہے، نواب صاحبؒ لکھتے ہیں:

والاحاديث فيها واسعة وإن كان في كل منها المقال الا انها يعضد بعضها بعضا ويدل على شرعية ضرب الدف لانه ابلغ في الاعلان من عدمه وظاهر الامر الوجوب ولعله لا قائل به فيكون مسنونا ولكن بشرط ان لا يصحبه محرّم من التغني بصوت رخيم من امرأة اجنبية بشعر فيه مدح الخدود والقدود بل ينظر الى الاسلوب العربي الذي كان في عصره

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

صلی اللہ علیہ وسلم فھو المامور بہ واما ما احدثہ الناس من بعد ذلک فھو غیر المامور بہ ولا کلام انہ فی ھذہ الاعصار یقترن بمحرمات کثیرۃ فیحرم لذلک لا لنفسہ۔

(فتح العلام شرح بلوغ المرام ج ۲ ص ۹۳)

نکاح کے موقع پر دف بجانے کے حکم پر احادیث خاصی ہیں، اگرچہ ان سب پر کلام ہے، مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تائید کا کام دیتی ہیں یہ احادیث دف بجانے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ نکاح کا اعلان دف کی صورت میں زیادہ اچھی طرح ہو سکتا ہے، نیز حدیث میں امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، جو بظاہر وجوب کے لئے آتا ہے، مگر شاید وجوب کا کوئی ایک بھی قائل نہیں، لہذا بیاہ شادی کے وقت دف بجانا مسنون ہوگا، مگر اس کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ اس عمل کے ساتھ کسی حرام کام کا ارتکاب نہ ہو، مثلاً اجنبی عورت سے بنا سنوار کر ایسے اشعار نہ سنے جائیں جن میں محبوب کے حسن و جمال اور قدّ و رخسار کی تعریف ہو، بلکہ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عربوں کے طریقے کو دیکھا جائے گا، اور وہی طریقہ مامور بہ بھی ہے۔ (جو ظاہر ہے کہ بہت سادہ اور فواحش سے پاک و صاف تھا) باقی بعد میں لوگوں نے جو طریقہ خود گھڑ لیا ہے اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تھا، نیز اس بات میں بھی کوئی شبہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۰) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ وَدَفْعُ الصَّوْتِ فِي النِّكَاحِ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت محمد بن حاطبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "نکاح حلال اور حرام کاری کے درمیان فرق یہ ہے کہ نکاح میں دف بجایا جاتا ہے، اعلان کیا جاتا ہے اور شور و غل ہوتا ہے"[1]

(گذشتہ سے پیوستہ)

نہیں کہ موجودہ زمانے میں اعلان نکاح کے وقت دف کے ساتھ دوسرے بہت سے حرام کاموں کا ارتکاب بھی کیا جاتا ہے، اس لئے اس زمانے میں دف بجانا حرام ہوگا اس وجہ سے نہیں کہ یہ فی نفسہ حرام ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ اس کیساتھ دوسرے بہت سے حرام کام بھی کئے جاتے ہیں۔

[1] دیکھئے سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۲۹، وسنن ابن ماجہ ص ۱۳۸۔ مطلب یہ ہے کہ نکاح اور زنا میں فرق یہ ہے کہ زنا میں خفیہ آشنائی ہوتی ہے، جب کہ نکاح میں اظہار، اعلان، اور مبارک سلامت کا شور ہوتا ہے "نکاح سب کے سامنے کیا جاتا ہے، بچیاں دف بجاتی ہیں، لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں، اس کے برعکس زنا چھپ کر کیا جاتا ہے، لوگوں سے آشنائی کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے، اور زانی اور مزنیہ دونوں مجرموں کی طرح ڈرتے کانپتے رہتے ہیں۔

اس حدیث میں دف بجانے کو نکاح کے اعلان و اظہار کے ذریعہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جس سے زیادہ سے زیادہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیاہ شادی کے وقت دف بجانا جائز ہے، مگر اس سے موسیقی کے جواز پر استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں۔ ملا علی قاری رح امام بغوی کی شرح السنۃ سے نقل کرتے ہیں کہ:

وبعض الناس يذهب به الى السماع وهذا خطاء

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِبَعْضِ الْمَدِیْنَۃِ فَاِذَا ھُوَ بِجَوَارٍ یَضْرِبْنَ بِدُفِّھِنَّ وَ یَتَغَنَّیْنَ وَیَقُلْنَ نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِی النَّجَّارِ یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰہُ یَعْلَمُ اَنِّیْ لَاُحِبُّکُنَّ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں کسی مقام سے گذر رہے تھے کہ دیکھا کہ چند لڑکیاں بیٹھی دف بجا رہی ہیں، اور یہ اشعار گا رہی ہیں (ترجمہ) ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں، کتنی خوش نصیبی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پڑوسی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ خوب جانتا ہے کہ مجھے تم کتنی عزیز ہو[1]!"

(گذشتہ سے پیوستہ) (مرقات ج ۶ ص ۲۱۸)

بعض لوگ اس حدیث سے سماع کے جواز پر استدلال کرتے ہیں، جو درست نہیں۔

امام ترمذی رح نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، امام حاکم کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، امام ذھبیؒ نے بھی امام حاکم کی اس رائے کو برقرار رکھا ہے۔

(مستدرک ج ۲ ص ۱۸۴)

[1] دیکھئے سنن ابن ماجہ کتاب النکاح ص ۱۳۸، خیال رہے کہ گانے والی کمسن بچیاں ہیں، اور دف پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کے گیت گا رہی ہیں، اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضورؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے، اور اہل مدینہ نے بڑی گرمجوشی اور محبت سے آپ کا استقبال کیا، چنانچہ جب آپ کا گذر بنی نجار کے محلّے سے ہوا تو دیکھا کہ چند بچیاں بیٹھیں یہ گیت گا رہی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۰۰) اور اس میں چنداں شبہ نہیں کہ اہل مدینہ کے لئے اس موقع سے بڑھ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

کر خوشی کا موقع کیا ہو سکتا تھا۔

بعض لوگ سماع و موسیقی حلال کرنے کے جنون میں ایسی روایات تک سے استدلال کرتے ہیں، جن کے من گھڑت اور موضوع ہونے یا انتہائی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہونے میں کلام کی کوئی گنجائش نہیں، اگر ہم ان تمام روایات کو ذکر کریں تو بحث بہت لمبی ہو جاتے گی یہاں صرف دو روایات نقل کرنے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں

(۱) عن عائشة كانت عندى امرأة تسمعني فدخل النبی صلی الله علیه وسلم وهی علی تلك ثم دخل عمر ففرت فضحك رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ما يضحكك يارسول الله! فحدثه فقال والله لا اخرج حتى اسمع ماسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاسمعته،،

حضرت عائشہ رض بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت بیٹھی گانا سنارہی تھی، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، مگر وہ سناتی رہی، پھر حضرت عمر رض آئے تو وہ بھاگ کھڑی ہوئی، حضور نے یہ ماجرا دیکھا تو ہنس پڑے، حضرت عمر رض نے پوچھا "یارسول اللہ! آپ کو کس بات پر ہنسی آئی"؟ تو حضور نے سارا قصہ بتایا، حضرت عمر رض نے قسم کھائی اور کہا کہ "بخدا میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک وہ نہ سن لوں جو حضور نے سنا ہے"، پھر باندی نے انہیں بھی گانا سنایا:

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

علامہ محمد طاہر پٹنی اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں :

قال الخطیب فیہ من ھو ساقط الروایۃ واھی الحدیث باطل۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۱۹۷)

خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ اس میں ایک راوی ساقط الروایہ ہے جو واہیات چیزیں نقل کرتا ہے، اور یہ روایت باطل ہے۔

(۲) بعض لوگ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ عورتوں کے ایک طائفہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گانا گایا اور حضور ؐ نے نکیر نہیں فرمائی، اس روایت سے استدلال کرتے ہیں :

لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینہ جعل النساء والصبیان یقلن

طلع البدر علینا ۔۔۔ من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ۔۔۔ ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا ۔۔۔ جئت بالامر المطاع

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لاتے تو عورتیں اور بچے یہ استقبالی نغمہ الاپ رہے تھے۔

طلع البدر علینا الخ

اوّل تو اس حدیث کی اسنادی حیثیت پر بہت کچھ کلام کیا گیا ہے، (ملاحظہ فرمائیں تخریج عراقی علی احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۴۴)

دوسرے اگر اُسے صحیح مان بھی لیا جاتے تو بھی اس سے یہ استدلال درست نہیں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

کہ غیر محرم عورتوں کا طائفہ اجنبی مردوں کے سامنے گانا گا سکتا ہے کیونکہ یہ قصہ ابتداءِ ہجرت کا ہے اور اس زمانہ کا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے پہلی بار مدینہ میں داخل ہو رہے تھے اور اس وقت تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، پردے کا حکم ہجرت مدینہ کے تقریباً پانچ سال بعد نازل ہوا ہے۔

چنانچہ عہدِ صحابہ رضی سے لے کر آج تک بزرگانِ دین اور علماء متقین میں سے کسی ایک نے بھی اس بات کی اجازت نہیں دی کہ غیر محرم عورتوں کا طائفہ اجنبی مردوں کو غناء و موسیقی سے محظوظ کرے، پورا طائفہ تو ایک طرف، کسی نے یہ تک نہیں کہا کہ صرف ایک عورت بھی اجنبی مرد کے سامنے گانا گا سکتی ہے، یہ دعوی کرنا انتہائی بے غیرتی اور بے دینی کے علاوہ اسلام کی صحیح تعلیمات کے خلاف ہے، اس کی غیرتِ تو یہ تک برداشت نہیں کرتی کہ کوئی عورت اجنبی مرد سے ذرا بھی لوچ دار لہجے میں بات کرے پھر اسلام یہ کیسے اجازت دے سکتا ہے کہ ایک عورت بھی نہیں، عورتوں کی پوری ایک جماعت مردوں کو اپنا حسن و زیبائش دکھانے کے ساتھ ساتھ خوش آوازی سے بھی لطف اندوز کرے؟

○

آثار وروایات

(۱) حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو حدی پڑھتے ہوئے سنتے تو اس سے کہدیا کرتے :

" لا تعرض بذکر النساء "

(کنز العمال برمز ابن ماجہ)

حدی میں عورتوں کا کنایۃً بھی ذکر نہ کیا کرو [۵۱]

(۲) حضرت اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی ویرانے سے ایک شخص کے گانے کی آواز آئی، تو آپ نے فرمایا :

" الغناء زاد الراکب "

(ایضاً)

گانا مسافر کا زادِ راہ ہے [۵۲]

---

۵۱ کنز العمال ج ۷، ص ۳۳۵ ۔

۵۲ دیکھئے کنز العمال ج ۷، ص ۳۳۵ یہاں مراد حدی پڑھنا ہے، حدی اونٹ کو تیز چلانے کے لئے گانا گانے کو کہا جاتا ہے، جس طرح سانپ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ سپیرے کی بین سنکر مست ہو جاتا ہے اور رقص شروع کر دیتا ہے بالکل اسی طرح اونٹ کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ خوش الحانی سے مست ہو جاتا ہے اور خوب تیز چلتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل عرب اونٹ پر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

سفر کرتے ہوئے حدی پڑھا کرتے، حدی میں اکثر رجزیہ اشعار پڑھے جاتے تھے البتہ بعض اوقات عام اشعار بھی پڑھ لئے جاتے تھے، حضرت ابن عباسؓ سے بسند متصل مروی ہے کہ سب سے پہلی حدی مضر بن نزار کے غلام نے پڑھی تھی، قصہ یہ ہوا تھا کہ مضر نے اپنے اونٹوں کو چلانے کے لئے ایک غلام مقرر کر رکھا تھا، ایک دن اس غلام سے کچھ غلطی ہو گئی تو مضر نے غلام کے ہاتھ پر کوئی چیز دے ماری، جس سے غلام کے سخت چوٹ آئی اور اس نے تکلیف سے بلبلاتے ہوئے چلانا شروع کر دیا "یا یداہ، یا یداہ" غلام کی آواز اچھی تھی، اونٹ اُسے سُن کر مست ہو گئے اور تیز تیز چلنے لگے، اس کے بعد تو عربوں کو گویا اونٹ کی یہ کمزوری معلوم ہو گئی اور اُنھوں نے اونٹ تیز چلانے کے لئے اکثر و بیشتر حدی پڑھنا شروع کر دی اور اس طرح رفتہ رفتہ حدی پڑھنے کا رواج پڑ گیا۔

صحابہ کرام رضؓ میں سے بھی بعض حضرات بڑی اچھی حدی پڑھا کرتے تھے، حضرت سلمۃ ابن الاکوع رضؓ اور حضرت انجشہ رضؓ کی حدی خوانی کا تذکرہ صحیح بخاری (ج ۲ ص ۹۰۸) میں بھی ہے۔

حدی پڑھنا اگرچہ شرعاً بالکل جائز ہے، مگر اس میں بھی محرمات اور منکرات سے پرہیز ضروری ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ اثر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر وہ کسی کو حدی پڑھتے دیکھتے تو اُسے تاکید کر دیتے کہ حدی میں ایسے اشعار مت پڑھا کرو جن میں عورتوں کا تذکرہ ہے۔

اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ حضرت انجشہ رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ چلایا کرتے تھے، ان کی آواز بہت اچھی تھی، ایک مرتبہ کسی سفر میں بعض ازواج مطہرات اونٹوں پر سوار تھیں، اور یہ حدی پڑھ رہے تھے، جس سے اونٹ مست ہو کر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

چلے جارہے تھے، یہ حالت دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ویحك یا انجشه! سوقك بالقواریر"

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۸)

تمھارا بھلا ہو انجشہ! ذرا آہستہ چلاؤ اور آبگینوں کا خیال رکھو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انجشہ! عورتیں آبگینہ کی طرح نازک ہوتی ہیں، ذرا سی چوٹ برداشت نہیں کرسکتیں، تمھارے تیز چلانے سے انھیں تکلیف ہورہی ہے، رفتار ذرا آہستہ کردو۔

دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ انجشہ! جس طرح آبگینے معمولی چوٹ سے ٹوٹ جاتے ہیں، اسی طرح عورتیں بھی بہت نازک ہوتی ہیں، ان کا دل کسی بھی چیز کا بہت جلدی اثر قبول کرلیتا ہے، تم خوش الحان ہو، تمھیں چاہیئے کہ حدی آہستہ آہستہ پڑھو ایسا نہ ہو کہ یہ عورتیں فتنہ میں مبتلا ہوجائیں، مولانا انور شاہ کاشمیری رح حدیث کا مطلب واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إن المراد من القواریر النساء فان القواریر کما تنکسر بادنی صدمة نصیبها، کذلك النساء تتاثر قلوبهن بادنی شیٔ واذا انت حسن الصوت فلا تسمع صوتك ایاهن فتفتتن، قلوبهن۔ (فیض الباری ج۴ص ۳۹۲)

آبگینوں سے مراد عورتیں ہیں، کیونکہ آبگینے جس طرح معمولی چوٹ سے ٹوٹ جاتے ہیں اسی طرح عورتوں کا دل بھی معمولی چیزوں سے متاثر ہوجاتا ہے'

(بقیہ اگلے صفحہ پہ)

(۳) حضرت خوات بن جبیر کہتے ہیں، کہ ہم حضرت عمرؓ کی معیت میں حج کے ارادے سے نکلے، ہمارے قافلے میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ بھی شامل تھے، کچھ لوگوں نے مجھ سے گانا سنانے کی فرمائش کی چنانچہ میں نے انہیں گانا سنانا شروع کیا، اس پر لوگوں نے کہا "ہمیں ضرار کے کچھ اشعار سناؤ"، حضرت عمرؓ نے فرمایا "ابو عبداللہ کو خود اپنے دل سے سنانے دو" یعنی خود اپنے اشعار سنانے دو۔ چنانچہ میں گاتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "خوات! بس اب زبان روک لو، صبح ہو چکی ہے"

(کنز العمال برمز ابن ماجہ و ابن عساکر)

(گذشتہ سے پیوستہ) جب تمھاری آواز اچھی ہے، تو تم اپنی آواز انھیں مت سناؤ، تاکہ ان کے دل فتنہ میں نہ پڑیں۔

اس دوسرے معنی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو امام ابو نعیمؒ نے حضرت انسؓ سے نقل ہے اور اس میں حضورؐ نے حضرت براء بن مالکؓ سے بہت صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

یابراء! ایاک والقواریر لا یسمعن صوتک (کنز العمال ج ۷، ص ۳۳۲)

اے براء! ان آبگینوں (عورتوں) کا خیال رکھو، یہ تمھاری آواز نہ سن پائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان واضح ارشادات نے حدی خوانی میں بھی فتنہ کے دروازے کو بند کر دیا اور یہ مسئلہ وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی بھی اونٹوں پر ہوں اور عورتیں بھی ساتھ سفر کر رہی ہوں تو بلند آواز سے حدی پڑھنا جائز نہیں ہے کہ اس سے بھی فتنہ کا اندیشہ ہے۔ اونٹ اور سانپ وغیرہ حدی اور بانسری سن کر مست ہو جاتے ہیں، اس سے علامہ ابن قیمؒ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غنا و موسیقی سے لطف اندوزی حیوانی صفت ہے، اور درحقیقت یہ بڑے پتہ کی بات ہے، اس پر تفصیلی روشنی ان شاء اللہ ہم تکملہ میں ڈالیں گے۔

لے دیکھئے کنز العمال ج ۷، ص ۳۳۵۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں تسامح ہوا ہے اور انھوں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) حارث بن عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ عہد فاروقی میں ایک مرتبہ میں حضرت عمرؓ اور کچھ مہاجر اور انصار صحابہ مکہ جا رہے تھے، دوران سفر حضرت عمرؓ نے ایک شعر ترنم سے پڑھا، جسے سنکر ایک عراقی شخص آگے بڑھا۔ اس شخص کے ساتھ کوئی دوسرا عراقی نہیں تھا۔ اور کہنے لگا "آپ کے علاوہ کوئی اور یہ حرکت کرتا تو اچھا معلوم ہوتا"! حضرت عمرؓ شرما گئے اور اپنی سواری کو ایڑ لگائی یہاں تک کہ وہ قافلے سے دور نکل گئی۔

(کنز العمال[۱] عن الشافعی و برمز ابن ماجہ)

(۵) صوفی ابو الحسن قزانی حسن بصری سے نقل کرتے ہیں، کہ کچھ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور عرض کیا، "امیر المومنین! ہمارے امام صاحب نماز سے فارغ ہو کر گانا گاتے ہیں"، حضرت عمرؓ نے فرمایا "مجھے ان کے پاس لے چلو" چنانچہ آپ نے کچھ صحابہؓ کو ساتھ لیا اور ان صاحب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا "تمھارا[۲] برا ہو، مجھے تمھاری ایک بات ایسی پہنچی ہے، جو مجھے بہت بری لگی ہے" ان صاحب نے سوال کیا "امیر المومنین وہ کیا بات ہے؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا "تم عبادت میں بھی مسخرہ پن کرتے ہو؟" (وہ صاحب سمجھ گئے اور) عرض

(گذشتہ سے پیوستہ) نے لکھ دیا کہ "کنز العمال برمز ابن ماجہ و ابن عساکر"، حالانکہ کنز العمال میں ابن ماجہ کی علامت، جو کہ "ہ" ہے، نہیں لگائی گئی ہے، بلکہ اس روایت کے آخر میں "ق کر" لکھا ہے، جس کا مطلب ہے بیہقی اور ابن عسکر، ملاحظہ فرمائیے سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۴۔

[۱] یہاں پر بھی مصنف قدس اللہ سرہ سے تسامح ہوا ہے اور انھوں نے لکھ دیا ہے کہ "کنز العمال عن الشافعی و برمز ابن ماجہ" حالانکہ کنز العمال میں اس حدیث کے بعد ابن ماجہ کے بجائے بیہقی کی علامت "ق" لگی ہوئی ہے۔ دیکھئے کنز العمال ج، ص ۳۳۶۔

[۲] اصل میں "ویحک" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور یہ ایک محاورہ ہے، جسے متکلم اظہار ناپسندیدگی کیلئے استعمال کرتا ہے، اور بد دعا دینا اس سے مقصود نہیں ہوتا۔

کیا "امیر المومنین! نہیں وہ تو ایک نصیحت ہے، جو میں اپنے آپ کو کرتا ہوں"
حضرت عمرؓ نے فرمایا: اچھا سناؤ، دیکھیں کیا پڑھتے ہو۔ اگر کوئی اچھی بات ہوئی
تو میں تمھارا ساتھ دوں گا اور اگر بری بات ہوتی تو تمھیں روک دوں گا"

(روح المعانی)

امام شاطبی نے "الاعتصام"[1] میں اس قصہ کو ذکر کر کے وہ اشعار بھی نقل کئے
ہیں، جو یہ امام صاحب پڑھا کرتے تھے، اشعار درج ذیل ہیں:

* وفؤاد کلما عاتبته	فی مدی الھجران یبغی تعبی
* لا اراه الدھر الا لاھیا	فی تمادیه فقد برح بی
* یا قرین السوء ماھذا الصبا	فنی العمر کذا فی اللعب
* وشباب بان عنی فمضی	قبل ان اقضی منه اربی
* ما ارجی بعده الا الفناء	ضیق الشیب علی مطلبی
* ویح نفسی لا اراھا ابدًا	فی جمیل ولا فی ادب
* نفس لا کنت ولا کان الھوی	راقبی المولی وخافی وارھبی

ہائے وہ دل کہ زمانہ ہجر میں جب کبھی میں نے اُسے ملامت کی، اس نے
مجھے تھکا مارا۔

میں نے اُسے تمام عمر کھیل ہی میں مگن پایا، یہاں تک کہ اس نے مجھے
تنگ کر دیا۔

اے برے ہمنشیں! یہ کیا بچپنا ہے؟ اسی کھیل کود میں ساری عمر فنا ہو گئی۔
جوانی نے میرا ساتھ چھوڑ دیا، اور ابھی اس سے میرا جی نہ بھرا تھا کہ وہ
رخصت ہو گئی۔

اب اس کے بعد مجھے موت کے سوا کسی چیز کا انتظار نہیں، اور بڑھاپے نے

[1] الاعتصام ج ا ص ۳۷۰۔

میرے مقصود کی راہ تنگ کردی ہے۔

بُرا ہو میرے نفس کا، کہ میں اُسے کبھی بھی کسی اچھائی یا ادب کے کام میں مشغول نہیں دیکھتا۔

اے نفس نہ تو ہوتا اور نہ یہ خواہشات ہوتیں، اب اپنے خدا کو دیکھ اور اس کا خوف کر۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی یہ آخری شعر دھرایا:

نفس لا کنت ولا کان الھوی　　　راقبی المولی وخافی وارھبی

اس کے بعد ارشاد فرمایا: "اس طرح جو گاتا ہے، گائے"

(٦) اسی قسم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عوف سے بھی منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عمرؓ کے گھر گیا، دروازے پر پہنچا تو آپ کے یہ شعر گانے کی آواز آئی:

فکیف ثوائی بالمدینۃ بعد ما　　　قضی وطرا منھا جمیل بن معمر

(ترجمہ) جب جمیل بن معمر مدینہ سے منہ موڑ کر جا چکا، تو اب وہاں میرے پڑے رہنے میں کیا لطف ہے؟

میں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا "تم نے میری آواز سنی تھی؟" میں نے عرض کیا "جی" آپ نے فرمایا "جب ہم تنہا ہوتے ہیں، تو وہی کچھ کہتے ہیں، جو لوگ اپنے گھروں میں کہا کرتے ہیں" (روح المعانی[1])

(٧) حضرت عمر فاروق رضؓ سے مروی ہے، کہ آپ جب اپنے گھر میں تنہا ہوتے تو ایک یا دو شعر ترنم سے پڑھ لیا کرتے (رواہ المبرد والبیھقی فی المعرفۃ، ورواہ المعافی النہروانی فی کتاب الجلیس والانیس وابن مندہ فی المعرفۃ فی ترجمۃ اسلم الحاوی کذا فی النیل[2])

---

[1] روح المعانی ج ٢١ ص ٧١۔

[2] نیل الاوطار ج ٨ ص ١٠٦۔

شرح مہذب میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں یہ زیادتی ہے کہ اس بارے میں جب آپ سے کسی شخص نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ "ہم جب اکیلے ہوتے ہیں، تو وہی کچھ کیا کرتے ہیں جو دوسرے لوگ کرتے ہیں[۵۱]"

یہی وہ روایت ہے جس سے عام فقہاء نے، جن میں صاحب ہدایہ اور امام سرخسی بھی شامل ہیں، استدلال کیا ہے کہ تنہائی میں وحشت دور کرنے کے لئے گانا گایا جا سکتا ہے۔ (شہادات فتح القدیر[۵۲])

(۸) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ وہ اپنے بھائی براء بن مالک کے پاس گئے، جو کہ زہاد صحابہ میں سے ہیں، دیکھا تو وہ گا رہے تھے۔

علامہ ابن ہمام یہ روایت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "اسی سے شمس الائمہ سرخسی نے استدلال کیا ہے، لیکن دوسرے بعض مشائخ ایسے بھی ہیں جو گانے کی تمام صورتوں کو مکروہ جانتے ہیں۔ شیخ الاسلام بھی انہی میں داخل ہیں"

(فتح القدیر ج ۶ ص ۳۶)

یہ ہیں وہ روایتیں، جنھیں غنا اور سماع کے بارے میں احقر بآسانی جمع کر سکا، مرفوع روایات کی تعداد ان میں چالیس ہے، جن میں صحیح، حسن، ضعیف تینوں قسموں کی احادیث موجود ہیں۔ اور کچھ روایات ایسی بھی ہیں جن کے مستند یا موضوع ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، پھر معنی کے لحاظ سے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے غنا و مزامیر کی مطلقاً حرمت معلوم ہوتی ہے، اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کے حکم میں کچھ تفصیل ہے۔

اس لئے ایک متقی عالم کا فریضہ ہے کہ وہ ان احادیث پر خود رائی اور ذاتی رجحانات سے پرہیز کرتے ہوئے منصفانہ انداز میں اس طرح غور کرے کہ اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی رضا اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے سوا کچھ نہ ہو۔

---

[۵۱] شرح المہذب ج ۱۸ ص ۲۶۵ [۵۲] فتح القدیر ج ۶ ص ۳۶۔

باب سوئم

توفیقِ روایات

"(زمانۂ جاہلیت میں) گانا اہل عرب کا اوڑھنا بچھونا تھا، سفر ہو یا حضر وہ گانے ہی سے دل بہلاتے، اونٹ پر سوار ہوں یا گھر میں بیٹھے ہوں، گانا ہی اُن کا رفیق ہوتا جب قرآن کریم نازل ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ گانے کی یہ حیثیت ختم ہو جائے اور قرآن کریم اس کی جگہ لے کر لوگوں کا رفیق و مونس بن جائے۔"

"ابن الاعرابی رحمہ اللہ"

توفیقِ روایات

جو شخص بھی مذکورہ روایات کو اس طرح بنظرِ غائر دیکھے گا، وہ اس نتیجہ تک پہنچے گا کہ ان روایات کا مرکزی مفہوم فی الجملہ ثابت اور مستند ہے، اس میں شک نہیں کہ بعض روایات کی اسناد پر کلام کیا گیا ہے، اور ان کا نہ صرف ضعف بلکہ انتہائی درجہ کا ضعف مسلّم ہے، لیکن ان سب روایات کا سرے سے انکار یا سب ہی کو ضعیف قرار دے دینا کسی طرح ممکن نہیں ہے، بلکہ دونوں قسم کی روایات میں کچھ کو صحیح اور کچھ کو حسن ماننا ناگزیر ہے۔

چنانچہ ایک صاحب بصیرت ناقد لامحالہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے، کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غنا و مزامیر کی حرمت ثابت ہے، اسی طرح آپؐ سے بعض مواقع پر ان کے بعض اقسام کی اباحت بھی ثابت ہے، لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ اس باب میں تحقیق کے لئے غور و فکر سے کام لے، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے یہ ظاہری تعارض اور تضاد بھی دور ہو جاتے۔

پہلی تطبیق یہ بات پیشِ نظر رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین، آسمان اور ساری کائنات کو محض انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا، اور ہر چھوٹی بڑی مخلوق کو انسان کے لئے مسخر کر دیا، پھر ان سے حاصل ہونے والے تمام منافع اور فوائد کو انسان کے لئے حلال کر دیا ہے، البتہ جو چیز بری ہے، اس سے

ڈرا کر اس کے استعمال سے روک دیا ہے۔ چنانچہ جمہور فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ "دنیا کی ہر چیز اصلاً مباح ہے اور جب تک اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہ آجاتے وہ مباح ہی رہے گی"۔ (الاشباہ والنظائر[1]) اور شریعت میں صرف اسی کام سے روکا جاتا ہے، جس کا کرنا اللہ کے نزدیک برُا (قبیح) ہو۔

دراصل شریعتِ مطہرہ مقدسہ نے اُمّت وسط کے لئے جو دین پسند کیا ہے، وہ معتدل اور افراط تفریط سے خالی ہے، ایک طرف وہ اس رہبانیت سے دور ہے، جس میں بعض لوگوں نے اپنے اوپر من گھڑت پابندیاں عائد کر لی تھیں، اور دوسری طرف وہ اس ہوس پرستی اور شہوانیت سے بھی بری ہے جس میں ایک دوسری جماعت مبتلا ہو گئی تھی۔

شریعت نے انسان کے لئے نہ صرف مباح چیزوں سے فائدہ اُٹھانا جائز قرار دیا ہے، بلکہ ایسی اشیاء سے لطف اندوزی کی بھی اجازت دی ہے۔ جن سے فرحت و نشاط اور تسلّیِ خاطر حاصل ہو، شرط یہ ہے کہ ان میں مشغولیت اور انہماک انسان کو اس کی دینی اور دنیاوی ضروریات سے غافل نہ کر دے، البتہ جب کوئی چیز انسان کو اس کے دینی اور دنیاوی فرائض سے غافل کرتی ہے، شریعت اُسے ممنوع کر دیتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں:

> نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجمیوں کی عادات پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ وہ دنیاوی لذتوں میں مگن ہونے کے لئے کس درجہ تکلفات سے کام لیتے ہیں چنانچہ آپؐ نے ان میں سے اصولی اور بنیادی چیزوں کو حرام قرار دیا، اور جو کم درجہ کی چیزیں تھیں اُنھیں مکروہ ٹھہرایا، اس لئے کہ آپؐ جانتے تھے کہ یہ چیزیں آخرت کو بھلاتی ہیں، اور ان سے دنیا کی ہوس

---

[1] دیکھئے الاشباہ والنظائر قاعدہ ثالثہ،

میں اور اضافہ ہوتا ہے، انہی اصولی چیزوں میں لباس فاخرہ ہے، انہی میں وہ کپڑا ہے جو شوخ رنگوں میں رنگا ہو (جو تجبر یا ریاء کا سبب بنتا ہے) جیسے کسم اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا، انہی میں شاندار قسم کا زیور ہے، انہی میں (مصنوعی) بالوں کا سنگھار ہے، انہی میں مصوری ہے، اور انہی اصولی چیزوں میں ایسی غم غلط کرنے والی اشیاء بھی شامل ہیں، جو انسان کو دنیا اور آخرت کی فکروں سے غافل کرتی ہیں، اور آدمی کا وقت برباد کرتی ہیں، جیسے باجے تاشے، شطرنج اور کبوتر بازی وغیرہ وغیرہ۔

آگے ملاہی کے حکم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ملاہی کی دو قسمیں ہیں، ایک حرام اور یہ وہ آلاتِ موسیقی ہیں جو طرب و مستی پیدا کرتے ہیں، اور دوسرے مباح اور یہ ولیمہ وغیرہ کے مواقع پر خوشی کے اظہار کے لئے گانا اور دف بجانا ہے[1]۔

حاصل یہ نکلا کہ شریعت نے مباح اور لذّت بخش اشیاء سے لطف اندوزی کو حرام قرار نہیں دیا، البتہ ان میں سے جو چیز خود بری ہے یا کسی برائی کا سبب بنتی ہے، اُسے حرام کہا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علمائے اصول فقہ کے نزدیک قبیح (برائی) کی دو قسمیں ہیں، ایک قبیح لعینہٖ[2] جیسے کفر و شرک اور اللہ کی نافرمانی، دوسرے قبیح لغیرہٖ[3] جیسے جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کرنا، کہ خرید و فروخت فی نفسہٖ کوئی برا کام نہیں ہے، لیکن چونکہ اس سے جمعہ کی سعی میں خلل پڑتا ہے،

---

[1] فصل اللباس والزینۃ والاوانی ج ۲ ص ۱۹۲۔

[2] یعنی کسی چیز یا کام کا بذاتِ خود برا ہونا۔

[3] یعنی کوئی چیز یا کام بذاتِ خود تو برا نہ ہو، البتہ کسی برائی کا سبب بننے کی وجہ سے برا قرار پائے۔

اس لئے یہ بھی قبیح قرار پائی۔

قبیح لعینہٖ تمام شرائع میں حرام ہوتا ہے، اور کوئی شریعت کسی بھی وقت کسی بھی شخص کے لئے اُسے حلال نہیں کرتی، اس کے برعکس قبیح لغیرہ ایک شریعت میں حلال اور دوسری شریعت میں حرام ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شریعت میں ایک وقت میں حلال ہو اور دوسرے وقت میں حرام، اور ایک شخص کے لئے جائز ہو اور دوسرے کے لئے ناجائز۔

اگر ایک صاحب بصیرت ناقد اس پورے باب پر گہری نظر ڈالے تو اس پر واضح ہو جائے گا، کہ غناء و مزامیر دراصل قبیح لغیرہ ہیں، اسی بناء پر شریعت نے اسکی بعض اقسام کو حلال اور بعض کو حرام کہا ہے، اور ایک وقت میں اُسے جائز بتایا ہے اور دوسرے وقت میں ناجائز۔

اس اصولی بات کو سمجھ لینے کے بعد مختلف روایات میں نظر آنے والا تعارض بھی دور ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام معازف و مزامیر (باجے تاشے) کو حرام قرار دیا ہے، اس کے علاوہ ان آلات لہو و لعب اور اس غناء مجرد کو حرام کیا ہے جو ذکر اللہ اور فکرِ آخرت سے غفلت پیدا کریں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان اشیاء کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ یہ فضول اور لغو چیزیں ہیں، اور نہ صرف یہ کہ آدمی کو خدا کی یاد اور آخرت کی فکر سے غافل کرتی ہیں، بلکہ اس درجہ تک لے جاتی ہیں کہ اسے اپنی دنیاوی ضروریات کا بھی ہوش نہیں رہتا، جیسا کہ ان میں مبتلا لوگوں کی حالت سے ظاہر ہے۔

البتہ غناء و ملاھی کی ان صورتوں کو حلال کیا ہے، جن میں کوئی فائدہ اور منفعت پیش نظر ہے، جیسے نکاح کے وقت اعلان کے لئے، عیدین میں اظہارِ خوشی کے لئے، دوران سفر قطع سفر اور مشقتوں کا احساس کم کرنے کے لئے، اس

نہیں ہوتے، بلکہ اکثر اوقات اعلان کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، مباح ہیں جیسے دف۔ اور یہ بات معازف میں نہیں ہے (کیونکہ معازف صرف لہو ولعب اور راگ رنگ ہی کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں)

جواز کی روایات سے صرف مذکورہ بالا صورتوں ہی کا جواز معلوم ہوتا ہے ان کے علاوہ ہر صورت حرمت کی روایات کے تحت آتی ہے، لہٰذا حرام ہے۔ مختصراً یوں کہہ لیجئے کہ اصل میں تو روایات سے غنا و مزامیر کی حرمت معلوم ہوتی ہے۔ البتہ چند احادیث سے کچھ خاص مواقع پر جواز کا ثبوت ملتا ہے، جو ان اصل احادیث سے مستثنیٰ ہیں، بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ:

"لیس فی الخبر الاباحۃ مطلقاً بل قصاری ما فیہ اباحۃ فی سرور شرعی کما فی الاعیاد والاعراس"

احادیث سے غنا و مزامیر کی اباحت سرے سے معلوم ہی نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی شرعی خوشی کے وقت کچھ گنجائش ہے۔ جیسے عیدین اور نکاح و ولیمہ وغیرہ۔

اس قول کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "وھذا عیدنا" (آج ہماری عید ہے) معلوم ہوا کہ اباحت کی علت آپ نے عید قرار دی ہے، مطلقاً حلت غنا و مزامیر کا اعلان نہیں فرمایا۔

اسی بات کو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، کہ اصل میں تو قرآن و حدیث نے غنا و مزامیر کو حرام قرار دیا ہے اور یہی شریعت کے اصولوں کا تقاضا ہے، کیونکہ عام اصول یہی ہے کہ شریعت آدمی کو اپنے اختیار اور قصد و ارادہ سے ایسی چیزوں میں ملوث ہونے کی اجازت نہیں دیتی جو بے فائدہ کھیل کود میں

کی اجازت دے دی گئی ہے۔

اسلامی شریعت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کے مفید اجزاء کو چھانٹ کر اپنا لیتی ہے، اور اس کے مضر اجزاء کو جو انسان کے مقاصد زندگی سے ٹکراتے یا ان سے غافل کرتے ہوں، چھوڑ دیتی ہے، چنانچہ جتنی روایتیں غنا کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، ان کے تتبع سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ وہ نکاح و ولیمہ، عید، سفر سے آمد، دوران سفر، بار برداری یا تنہائی میں وحشت دور کرنے سے متعلق ہیں۔ اور ان مواقع کے سوا کہیں بھی غناء کے جواز کی کوئی روایت موجود نہیں۔ آپ پورا ذخیرۂ حدیث اور تمام سلف صالحین کے حالات دیکھ جائیے، کہیں نہیں پائیں گے کہ کسی ایک بزرگ کے لئے بھی باقاعدہ مغنی بلوایا گیا، پھر اُسے شمع محفل بنا کر محفلیں جمائی گئیں، یا یہ کہ کوئی ایک بزرگ بھی ستار و عود وغیرہ آلات موسیقی سے شغل فرماتے تھے، بلکہ کوئی بھی مسلمان، جسے صحابہ، تابعین اور بزرگانِ دین کے حالات سے ذرا بھی مَس ہو، یہ گوارا نہیں کرے گا کہ ایسی بے ہودہ بات ان بزرگوں کے بارے میں سوچے، وجہ یہی ہے کہ ہمارے بزرگوں کی زندگیاں اور ان کی سیرتیں ان برائیوں سے بالکل پاک ہیں، جیسا کہ ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔

خلاصہ اس تطبیق کا یہ نکلا کہ ہر قسم کے غنا و مزامیر جو لہو محض اور فضول ہیں، یا انسان کو اسکی ضروریات اور مقاصد سے غافل کرتے ہیں، حرام ہیں جیسے رائج الوقت غنا اور تمام باجے بالنسریاں، البتہ:

(۱) کچھ صورتوں میں بعض شرعی مصلحتوں کے پیشِ نظر غنا مباح ہے جیسے ولیمہ میں اظہار سرور کے لئے۔

(۲) بعض آلات، جو صرف لہو و لعب اور راگ رنگ کے لئے استعمال

لگائیں اور طرب و مستی پیدا کر کے دنیا اور آخرت کی فکر سے غافل کر دیں۔

رہا وہ کیف و سرور جو پرندوں کے چہچہاہٹ سننے یا سر سبز و شاداب باغات اور آب رواں کو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے، وہ بالکل الگ چیز ہے، اور بلاشبہ مباح ہے، اُسے اس پر قیاس کرنا درست نہیں، وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کے بلا قصد و اکتساب مل جانے اور اُسے قصد و اکتساب سے حاصل کرنے کے درمیان بڑا فرق ہے۔ دیکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ سے نامحرم عورت پر نظر پڑ جانے کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"ان النظرة الاولی لك والثانية عليك"[۵]

پہلی نظر تمہارے لئے جائز ہے اور دوسری ناجائز۔

حالانکہ پہلی بار دیکھنے میں جو مزا آتا ہے، وہی دوسری بار دیکھنے پر مجبور کرتا ہے، لیکن چونکہ پہلی نظر بلا قصد و اکتساب پڑتی ہے، اس لئے گناہ نہیں، اور دوسری نظر قصد و اکتساب سے ڈالی جاتی ہے اس لئے گناہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قیاس اور شریعت کے عام قانون کا تقاضا یہی ہے کہ غناء و مزامیر سے لطف اندوزی بقصد و اکتساب جائز نہیں۔ البتہ عام قیاس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ چند احادیث سے بعض مواقع پر جواز معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس جواز کو انہی مواقع کی حد تک محدود رکھا جائے گا۔ کیونکہ فقہاء کا مسلمہ اصول ہے کہ "کسی صحیح حدیث میں جو بات شریعت کے کسی عام ضابطہ کے خلاف آئے، تو صرف اسی حدیث میں آنے والی صورت پر عمل کیا جائے گا، اُسے اصل ٹھہرا کر اس پر مزید قیاس کرنا جائز نہیں" فقہ اسلامی میں جا بجا یہ اصول کارفرما نظر آتا ہے، مثلاً:

---

[۵] سنن دارمی، کتاب الرقاق، باب فی حفظ السمع ج ۲ ص ۲۰۸۔

(۱) نماز میں قہقہہ مار کر ہنس دینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بات خلافِ قیاس اور شریعت کے عام قانون کے مخالف ہے، لیکن چونکہ ایک حدیث میں آتی ہے، اس لئے اس پر عمل کیا جائے گا۔ یعنی یہ کہ نماز رکوع، سجدے والی ہو اور نمازی بھی عاقل بالغ ہو (تب تو اس کا قہقہہ ناقضِ وضو ہے، ورنہ نہیں[1])

(۲) اگر عورت نماز میں مرد کے برابر کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جاتی

[1] اصل میں عام ضابطہ اور قیاس یہ ہے کہ وضو اس وقت ٹوٹتا ہے جب بدن سے کوئی نجاست خارج ہو یا انسان پر کوئی ایسی حالت طاری ہو جس میں وہ اپنے آپ سے اس قدر غافل ہو جائے کہ اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکے کہ اس کے بدن سے ریح وغیرہ کوئی نجاست خارج بھی ہوئی ہے یا نہیں، جیسے نیند کی حالت یا بے ہوشی کا عالم کہ ان سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اب جب ہم نماز میں قہقہہ پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو کوئی نجاست نکلی ہے اور نہ ہی کوئی مدہوشی کی حالت طاری ہوئی ہے، لہٰذا وضو کا ٹوٹنا عام ضابطہ کے خلاف ہے، پھر اہم بات یہ ہے کہ اگر کوئی نماز سے باہر قہقہہ لگائے تو وضو نہیں ٹوٹتا، وضو صرف نماز ہی کی حالت ٹوٹتا ہے۔ اب ایک صورت تو یہ تھی کہ ہم سرے سے اس حدیث ہی کو ضعیف قرار دیکر اس میں تاویلات شروع کر دیتے ، اور دوسری صورت یہ تھی کہ ہم اس میں عمل کرتے، اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہؒ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرماتے کہ وہ عقل و قیاس کے مقابلہ میں ہمیشہ حدیث ہی کو ترجیح دیتے رہے، اور یہاں بھی عام ضابطہ اور قیاس کو چھوڑ کر حدیث ہی پر عمل فرمایا، البتہ چونکہ یہ معاملہ خلافِ قیاس ہے اس لئے اس پر مزید مسائل متفرع کرنا جائز نہیں، نیز قہقہہ صرف اسی صورت میں ناقضِ وضو ہو گا، جو حدیث میں ہے۔ دوسری صورتوں میں اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، چنانچہ نمازِ جنازہ میں قہقہہ لگانے یا نابالغ بچے کے قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

ہے۔ یہ حکم بھی خلافِ قیاس ہے اور حدیث میں آنے کی وجہ سے اپنے مورد پر ہی منحصر رہے گا، یعنی یہ کہ مرد اور عورت دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں اور تحریمہ اور ادائیگی میں یکساں شریک ہوں[1]

(۳) اگر کنویں میں نجاست گر جائے تو نجاست کی نوعیت کے اعتبار سے ایک متعین مقدار میں پانی کے ڈول نکالے جائیں تو کنواں پاک ہو جاتا ہے[2] یہ مسئلہ خلافِ قیاس ہے، کیونکہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب کنواں نجاست گرنے سے ناپاک ہو گیا، تو تھوڑا سا پانی نکالنے سے پاک نہ ہو، صرف پانی ہی نہیں، جو مٹی ناپاک ہو چکی ہے وہ بھی نکالی جائے اور کنویں کی دیواریں بھی دھوئی جائیں، لیکن شریعت نے یہ مسئلہ چونکہ خلافِ قیاس بتلایا ہے، اس

---

[1] یہ مسئلہ کتب فقہیہ میں "مسئلہ محاذات" کے نام سے معروف ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ اگر نماز میں عورت مرد کے برابر کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ چونکہ محاذاۃ کا فعل فریقین سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے مرد اور عورت دونوں کی نماز فاسد ہونا چاہیئے، مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی، لہٰذا جب عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی تو مرد کی نماز بھی فاسد نہیں ہونا چاہیئے۔ یہی رائے امام شافعی رح کی ہے۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ بعض احادیث اور بکثرت آثار سے معلوم ہوتا ہے، اس لئے امام ابوحنیفہ رح نے عقل و قیاس کے مقابلہ میں انھیں کو ترجیح دی۔ البتہ خلافِ قیاس ہونے کی وجہ سے یہ بات اپنے مورد تک محدود رہے گی اور اس پر مزید قیاس جائز نہ ہو گا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں عنایہ مع فتح القدیر ج ۱ ص ۲۵۵ تا ۲۵۸ و اعلاء السنن ج ۴ ص ۲۲۲ تا ۲۲۸۔

[2] اس طرح کنویں کے پاک ہو جانے پر سلف کا اجماع ہے، اور بکثرت آثار سے، جو غیر مدرک بالقیاس ہونیکی وجہ سے حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں، یہ مسئلہ ثابت ہے، تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں فتح القدیر و عنایہ ج ۱ ص ۶۸ تا ۷۴ و اعلاء السنن ج ۱ ص ۲۱۵ تا ۲۱۸۔

لئے اس پر مزید کسی چیز کو قیاس کرنا درست نہیں، چنانچہ کسی بھی فقیہ کے نزدیک حوض اور برتن وغیرہ اس طرح پاک نہیں ہو سکتے۔

حاصل یہ نکلا کہ جن احادیث اور آثار سے غنا و مزامیر کی اباحت معلوم ہوتی ہے وہ عام ضابطے اور قاعدے کے خلاف ہیں، لہٰذا اباحت انہی مواضع اور آلات پر محدود رہے گی، جو ان احادیث میں آئے ہیں، دوسرے مواضع اور آلات کو ان پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کے عمل سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ایک روایت آتی ہے کہ:

"عن عمر رضی اللہ عنہ انہ اذا کان سمع صوت الدف بعث ینظر فان کان فی ولیمۃ سکت وان کان فی غیرہ عمد بالدرۃ"

(فتح القدیر کتاب الشہادات ج ۶ ص ۳۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب دف کی آواز سنتے تو ایک شخص کو دیکھنے کے لئے بھیجتے، اگر معلوم ہوتا کہ ولیمہ ہو رہا ہے تو کچھ نہ کہتے، اگر پتہ چلتا کہ ولیمہ نہیں ہو رہا (بلکہ بغیر کسی شرعی عذر کے) ویسے ہی بجایا جا رہا ہے تو درہ سے خبر لیتے۔[1]"

دوسری تطبیق

ان روایات میں اس طرح بھی تطبیق دی جا سکتی ہے کہ غنا کا لفظ عربی زبان میں دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حرمت والی احادیث میں ایک معنی مراد لئے گئے ہیں اور اباحت والی احادیث میں دوسرے۔

---

[1] نیز دیکھئے مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۵۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ غناء (بالمدّ والکسر) لغت میں اسی آواز کو کہتے ہیں، جس سے کیف و مستی پیدا کرنا مقصود ہو (قاموس[51]) اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ موسیقی کے فنی قواعد کا لحاظ رکھے بغیر محض خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ سادگی سے کوئی شعر وغیرہ پڑھا جائے، جیسا کہ عموماً اہل عرب کی عادت تھی اور یہی ان کی سادہ فطرت کا تقاضا تھا، دوسرے یہ کہ موسیقی کے فنی قواعد کا لحاظ کرتے ہوئے آواز کو مصنوعی طور پر اس طرح نکالا جاتے، جیسے آجکل عام طور پر مغنی کیا کرتے ہیں،

عرف عام اور شریعت میں لفظ غنا کا اطلاق بلاشبہ دونوں ہی معنی پر ہوتا ہے، دوسرے معنی پر اطلاق تو عام طور پر معروف ہے، البتہ پہلے معنی پر اس کا اطلاق اتنا معروف نہیں، اس لئے ذیل میں اس کی کچھ نظیریں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من لم يتغن بالقرآن فليس منا"

جو قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں[52]

امام شافعی رح حدیث میں وارد لفظ "لم يتغن" کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"معناه تحسين القرأة وترقيقها وكل من رفع صوته ووالى بصوته فهو عند العرب غناء" (المجموع الحفيد ص ۱۹۵)

---

[51] قاموس ج ۴ ص ۳۷۲ مادہ: الغنی۔

[52] دیکھئے صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ واسروا قولکم او جھروا بہ الآیۃ ج ۲ ص ۱۱۲۳، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب کیف یستحب الترتیل فی القراء ۃ ج ۱ ص ۲۰۷ و مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲ و ۱۷۵

"تغنی" کے معنی ہیں "بنا سنوار کر اچھی آواز میں تلاوت کرنا" کیونکہ آواز بلند کر کے تسلسل سے پڑھنا اہل عرب کے ہاں غناء کہلاتا ہے۔[۱]

---

[۱] قریب قریب یہی الفاظ امام احمد بن حنبل سے بھی منقول ہیں (الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ص ۱۷۵) منبع بحث اس مقام پر یہ ہے کہ مذکورہ حدیث "لیس منا من لم یتغن بالقرآن" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لم یتغن" کا لفظ ارشاد فرمایا ہے اور تغنی کے معنی عام طور پر "گانا گانا" سمجھے جاتے ہیں، بہتر ہو گا کہ اس حدیث پر ذرا تفصیل سے غور کر لیا جائے:

اصل یہ ہے کہ قرآن کریم کو خوش الحانی سے پڑھنا ایک امر مطلوب اور مستحب عمل ہے، احادیث میں بکثرت اس کی ترغیب دی گئی ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"زینوا القرآن باصواتکم"

(بخاری ج ۲ ص ۱۱۲۶)

قرآن کریم کو اچھی آواز سے مزین کرو۔

امام حاکم نے مستدرک میں اور امام دارمی نے "سنن" میں ان الفاظ کا اضافہ بھی نقل کیا ہے:

"فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا"

اس لئے کہ اچھی آواز قرآن کے حسن میں اضافہ کرتی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ قرآن کریم نہایت خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے، ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لقد اوتی ھذا من مزامیر آل داؤد"

(بخاری ج ۲ ص ۷۵۵)

انھیں آل داؤد کی سی خوش الحانی دی گئی ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

(اس حدیث پر تفصیلی بحث تکملہ میں آئے گی) ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

"ما اذن اللہ لشئ کاذنہ لنبی یتغنی بالقرآن"

صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۱۵)

اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس طرح نہیں سنتا جس طرح کسی نبی کے خوش الحانی سے قرآن پڑھنے کو سنتا ہے۔

اس آخری حدیث میں اور متن میں مذکور زیر بحث حدیث میں "تغنی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنی عام طور پر فنی قواعد کا لحاظ رکھ کر گانا گانا" سمجھے جاتے ہیں اور اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کو موسیقی کے قواعد کا لحاظ رکھ کر گانے کے انداز میں پڑھنا قطعاً حرام ہے، اور ایسا کرنا قرآن کریم کے وقار کے خلاف ہونے کے علاوہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضا اور سلف صالحین کے طریقہ کے بھی خلاف ہے، حدیث میں واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

" اقرؤا القرآن بلحون العرب واصواتھم وایاکم و لحون اھل العشق، ولحون اھل الکتابین وسیجیئ بعدی قوم یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والنوح لا یجاوز حناجرھم مفتونۃ قلوبھم وقلوب الذین یعجبھم شأنھم۔

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان ورزین فی کتابہ۔ فیض الباری ج ۴ ص ۲۶۹)

قرآن کریم کی تلاوت عربوں کے لہجہ اور آوازوں میں کرو، اور اہل کتاب

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) اور عشاق کے لہجوں سے پرہیز کرو، عنقریب میرے بعد ایک قوم ایسی آئے گی جو قرآن کریم کو گانے اور نوحے کے انداز میں پڑھے گی اور قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ اس طرح پڑھنے والوں کے دل اور ان لوگوں کے دل جو اس طریقہ کو پسند کریں گے، فتنہ میں پڑ جائیں گے۔

گانا تو بہت دور کی بات ہے قرآن کریم کو اس طرح پڑھنا بھی قطعاً حرام ہے، کہ اس کے حروف بدل یا بگڑ جائیں گے۔ حافظ ابن حجرؒ امام نووی رحؒ کی کتاب "البیان" سے نقل کرتے ہیں:

"اجمع العلماء علی استحباب تحسین الصوت بالقرآن مالم یخرج عن حد القراءة بالتمطیط فان خرج حتی زاد حرفا او اخفاه حرم"

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۴)

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت خوش الحانی سے کرنا مستحب ہے، یہ استحباب بھی صرف اسی وقت تک ہے جب تک آواز کو بہتر بنانے کی کوشش میں تجوید کے قواعد سے تجاوز نہ کیا جائے، چنانچہ اگر آواز کی تحسین میں قواعد تجوید کے حدود سے باہر نکل جایا جائے بایں طور کہ کوئی حرف کم زیادہ ہو جائے تو یہ قطعاً حرام ہے۔

حروف کی کمی زیادتی کو اس قصہ سے بہت اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے جو امام ابوبکر خلال نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص امام احمد بن حنبل رحؒ کے پاس آیا اور ان سے سوال

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

کیا کہ قرآن کریم کو الحان (لحن جلی) سے پڑھنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟
امام احمد نے سائل سے پوچھا "تمہارا کیا نام ہے؟" اس نے جواب دیا "محمّد"
آپ نے فرمایا:

"فیسرك ان یقال یا موحمد"

(الامر بالمعروف والنھی عن المنکر ص ۷۷)

کیا تمھیں اچھا لگے گا کہ تمھیں "موحمد" کہہ کر پکارا جائے۔

خلاصہ یہ کہ اتنی بات تو بہرحال ثابت ہوگئی کہ "تغنی" سے مراد "گانا" نہیں ہے، اب رہا یہ سوال کہ "تغنی" سے پھر کیا مراد ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ "غناء" عربی زبان میں بلند آواز سے پڑھنے کو بھی کہا جاتا ہے، اور یہی معنی یہاں مراد ہے، جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد کا قول آپ پڑھ بھی چکے ہیں اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "یتغنی" کے بجائے "یجھر" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں چنانچہ صحیح بخاری ہی کی بعض روایات کے الفاظ ہیں:

"ما اذن اللہ لشئ ما اذن لنبی حسن الصوت
بالقرآن یجھر بہ"

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۲۶)

اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس طرح نہیں سنتا جس طرح کہ خوش آواز نبی کی آواز کو جب کہ وہ بلند آواز سے قرآن پڑھے۔

مرضِ غنا کا علاج

یہاں ایک غور طلب بات یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت تحسینِ صوت کی ترغیب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

وسلم کوئی واضح لفظ استعمال کر سکتے تھے، پھر آخر "تغنی"، جیسا ذو وجہین لفظ کیوں استعمال فرمایا؟

حقیقت یہ ہے کہ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں یہاں "تغنی" کا لفظ اختیار کرنے میں ایک بہت بڑا نکتہ ہے جسکو آپ وضاحت سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ گانے کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جو بڑے تناسب سے ایک خاص وزن میں پرو دیئے جاتے ہیں، پھر ان کو پڑھا بھی اس خوبصورتی سے جاتا ہے کہ سننے والا بہت محظوظ ہوتا ہے۔ چنانچہ لبا اوقات دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ سامع ان گانوں سے اس قدر لطف اندوز ہوتا ہے کہ وہ انھیں یاد کر لیتا ہے، اور چلتے پھرتے انھیں گنگناتا ہے۔

نزول قرآن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ لوگ قرآن کریم کو بکثرت پڑھیں اور اس کے معنوی علوم و معارف سے فائدہ اٹھانے کے علاوہ اس کے ظاہری الفاظ سے بھی لطف اندوز ہوں، اس طرح ایک طرف تو ان میں بلندی فکر اور حزم و وقار پیدا ہو اور دوسری طرف وہ قرآن کے پر اثر کلمات کی برکات سے متمتع ہوں، چنانچہ آپ چاہتے تھے کہ لوگ شعراء کے اشعار گنگنانے کے بجائے قرآن کریم کو خوش الحانی سے پڑھا کریں اور کلام اللہ ہی اُن کا مونس و رفیق بن کر رہ جائے۔ ابن الاعرابی سے جب "لیس منا من لم یتغن بالقرآن" کا مطلب پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"کانت العرب تتغنی اذ رکبت الابل، واذا جلست فی الافنیۃ وعلی اکثر احوالھا فلما نزل القرآن

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گزشتہ سے پیوستہ)

احب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یکون القرآن ھجیراھم مکان التغنی"

(شرح السنۃ ج ۴ ص ۴۸۶)

گانا اہل عرب کا اوڑھنا بچھونا تھا، سفر ہو یا حضر وہ گانے ہی سے دل بہلاتے، اونٹ پر سوار ہوں یا گھر میں بیٹھے ہوں، گانا ہی ان کا رفیق ہوتا، جب قرآن کریم نازل ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ گانے کی یہ حیثیت ختم ہو جائے اور قرآن کریم اسکی جگہ لیکر لوگوں کا رفیق و مونس بن جائے۔

اس میں چنداں شبہ نہیں کہ قرآن کریم ایک بے نظیر کتاب ہے، اور اس کے نظم میں ایسا لذیذ اور شیریں آہنگ ہے جو شعر سے کہیں زیادہ حلاوت اور لطافت کا حامل ہے، اس میں وہ حسن و خوبی ہے کہ اہل عرب ہی نہیں دنیا کے ہر زبان کے لوگ اسے سنکر غیر معمولی لذت اور تاثیر محسوس کرتے ہیں، یہ ایک ایسا معجزاتی کلام ہے کہ اسے بار بار پڑھنے سے بھی آدمی نہیں اکتاتا، بلکہ ہر مرتبہ ایک نئی لذت و حلاوت محسوس کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ لوگوں کا ذوقِ جمال سدھرے اور وہ قرآن کریم کی حلاوت و لطافت سے محظوظ ہوں، چنانچہ ابن الانباری نے "الزاھر" میں حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"المراد به التلذذ والاستحلاء کما یستلذ اھل الطرب بالغناء فاطلق علیه تغنیا من حیث انه یفعل عنده ما یفعل عند الغناء وھو کقول النابغة

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ)

بکاء حمامة تدعوا هديلا ؛ مفجوعة على فنن تغنى.
اطلق على صوتها الغناء وان لم يكن غناء حقيقة
وهو كقولهم العمائم تيجان العرب، لكونها
تقوم مقام التيجان "

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۲)

"تغنی" سے مراد تلاوتِ قرآن میں ایسے ہی لذّت وحلاوت محسوس کرنا ہے، جیسے مست لوگ گانے سے محسوس کرتے ہیں، چنانچہ یہاں تلاوت قرآن کے لئے تغنی کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا کہ اس سے وہی (بلکہ اس سے بڑھ کر) لذت لی جاتی ہے جو غناء سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ اسلوب بالکل نابغہ کے اس شعر کی طرح ہے جس میں اُس نے کہا ہے کہ "کبوتری کا رونا کبوتر کو آنے کی دعوت دے رہا ہے وہ ایک شاخ پر غمگین بیٹھی ہے، گانا گا رہی ہے"، اس شعر میں کبوتری کی آواز پر غناء کا اطلاق کیا گیا، کیونکہ اس سے وہی کیف ومستی پیدا ہوتی ہے جو گانے سے حاصل کی جاتی ہے، اسی طرح اہل عرب کا مشہور مقولہ بھی ہے "عمامے عربوں کے تاج ہیں" (اس کا مطلب یہ نہیں کہ حقیقی تاج عمامے ہی ہوتے ہیں بلکہ) عمامے اس جگہ پہنے جاتے ہیں جہاں تاج پہنے جاتے ہیں، اس لئے عمامہ کو تاج کہدیا گیا۔

حاصل اس ساری بحث کا یہ نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ بجائے اس کے کہ شعراء کے اشعار گاتے جائیں، اور انھیں اپنا ہمدم ورفیق بنایا جائے"

(گذشتہ سے پیوستہ)

قرآن کریم کی بکثرت تلاوت کی جائے، سفر و حضر میں اُسے اپنا مونس و رفیق بنایا جائے، گانے سے لذّت حاصل کرنے کے بجائے قرآن کریم کی آیات سے لطف اُٹھایا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش واقعۃً تھی اسکی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو پیچھے گذر چکی کہ ایک مرتبہ آپ مدینہ کی کسی گلی سے گذر رہے تھے، تو ایک نوجوان قریب سے کوئی گیت گاتا ہوا گذرا، آپ نے اُسے مخاطب کرتے فرمایا:

"ویلک یا شباب هلا بالقرآن تغنی قالها مرارًا
نوجوان! تم پہ افسوس ہے، تم قرآن ہی کو گانے کے بجائے کیوں نہیں پڑھ لیتے، آپ نے یہ جملہ کئی بار دہرایا۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو شخص گانوں کا شیدائی اور غناء کا مریض ہو گانے کے بغیر اُسے چین نہ ملتا ہو تو اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ قرآن کریم کی بکثرت تلاوت کرے، انشاءاللہ کلام اللہ کے انوار و برکات اور اس کے حسن و لطافت سے اس کا ذوق فاسد سدھر جائے گا۔ یہ علاج علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے اور مولانا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"ان المرء اذا اعتاد بالغناء یغلب علیه ولا یستطیع ان یترکه ولذا تری المغنی لایزال یدندن فی کل وقت فعلمه النبی صلی اللہ علیه وسلم ان الذی علیه ان یکف عنه یجعل القرآن دندنته وغناءه حتی یاخذ القرآن ماخذه ویغلب علیه کغلبته

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

ویجلو به احزانه وهمومه کجلائه منه "

(فیض الباری ج ۴ ص ۲۶۹)

جس شخص پر گانا غلبہ پا جائے اور وہ اس کا عادی ہو جائے، اور اُسے چھوڑنا اس کے لئے مشکل ہو جائے، جیسا کہ مغنی کا آپ نے بھی مشاہدہ کیا ہوگا کہ وہ ہمہ وقت گنگنانے میں لگا رہتا ہے، تو ایسے لوگوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ رکنا چاہیں تو قرآن کو اپنی لگن بنالیں، قرآن کریم کی تلاوت بکثرت کریں، اور اُسے اتنا غالب کرلیں کہ قرآن ہی سے سکون حاصل کریں اور اسی سے اپنے غم دھوئیں۔

قرآن کریم کو گانے کی جگہ اپنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے موسیقی کی دھنوں پر اور غناء کے فنی قواعد کے مطابق پڑھا جائے، کیونکہ ایسا کرنا قطعاً حرام ہے، قرآن کو تو بس خوش الحانی اور قواعدِ تجوید کا لحاظ رکھ کر ہی پڑھنا لذت وحلاوت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے، علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث "زینوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسناً" (قرآن کو خوش الحانی سے پڑھو، کیونکہ خوش الحانی سے قرآن کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی ادائه بحسن الصوت وجودة الاداء بعث للقلوب علی استماعه وتدبره والاصغاء الیه قال التوربشتی هذا اذا لم یخرجه التغنی عن التجوید ولم یصرفه

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

عن مراعات النظم فی الکلمات والحروف فان انتہی الی ذٰلک عاد الاستحباب کراھۃ واما ما احدثہ المتکلفون بمعرفۃ الاوزان والموسیقی فیاخذون فی کلام اللہ ماخذھم فی التشبیب والغزل فانہ من اسوأ البدعۃ فیجب علی السامع النکیر وعلی التالی التعزیر واخذ جمع من الصوفیہ منہ ندب السماع من حسن الصوت وتعقب بانہ قیاس فاسد وتشبیہ للشئ بما لیس مثلہ وکیف یشبہ ما امر اللہ بہ بما نہی عنہ۔

(فیض القدیر ج ۴ ص ۶۸)

قرآن کریم کو خوش الحانی سے پڑھنے اور اچھی طرح ہر لفظ ادا کرنے سے دلوں میں قرآن سننے کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور کلام اللہ میں غور و فکر کرنے اور اسکی طرف متوجہ ہونے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ تورپشتی کہتے ہیں کہ تلاوت میں تحسین صوت صرف اس وقت تک مستحسن ہے جب تک قواعد تجوید کی حد میں رہا جائے اور آیات قرآنی کے کلمات اور حروف نہ بگاڑنے جائیں لیکن اگر قواعد تجوید پس پشت ڈال دیئے جائیں یا اس طرح پڑھا جائے کہ کلمات اور حروف بگڑ جائیں تو یہ استحباب ممانعت میں بدل جائے گا۔

رہا وہ طریقہ جو بعض بے جا تکلف کرنے والوں نے گھڑ لیا ہے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) اس کی تائید بخاری کی اس مذکورہ روایت سے بھی ہوتی ہے، جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور جس میں یہ الفاظ ہیں "عندی جاریتان تغنیان ولیستا بمغنیتین" (میرے پاس بیٹھی دو لڑکیاں گا رہی تھیں اور وہ گانے والیاں بھی نہیں تھیں)

دیکھئے! یہاں حضرت عائشہؓ نے ان لڑکیوں کے بارے میں پہلے تو یہ فرمایا کہ وہ گا رہی تھیں، پھر انھیں کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ گانے والی نہیں تھیں، یہ بظاہر دو متضاد باتیں اسی وقت درست ہو سکتی ہیں، جب کہ دونوں جملوں میں "گانے" کے لفظ سے الگ الگ معنی مراد ہوں، اور حقیقت یہی ہے کہ اوپر ہم نے "غنا" کے جو دو معنی بیان کئے ہیں، حضرت عائشہؓ کے پہلے جملے میں ان میں سے پہلے معنی مراد ہیں (یعنی طبعی سادگی سے گانا) اور دوسرے جملے

(گذشتہ سے پیوستہ) کہ اشعار کے اوزان اور موسیقی کی دھنیں سیکھ لی ہیں

اور کلام اللہ کو اسی طریقہ سے پڑھتے ہیں جس طرح عشقیہ اشعار اور غزلیں پڑھی جاتی ہیں سو یہ طریقہ بلاشبہ ایک بدترین بدعت ہے، سننے والے پر لازم ہے کہ وہ ایسا کرنے سے منع کرے، اور پڑھنے والا واجب التعزیر ہے،

حدیث میں وارد حسن صوت کی ترغیب سے صوفیاء کی ایک جماعت نے سماع کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ ان کے اس استدلال پر علماء نے گرفت کی ہے، کیونکہ یہ قیاس فاسد ہے اور ایک چیز کو کسی ایسی چیز سے تشبیہ دینا ہے جو اسکی جیسی نہیں ہے، بھلا سوچیے! جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو، وہ اس چیز کے مشابہ کیسے ہو سکتی ہے جس سے اس نے روکا ہو؟

میں دوسرے معنی (یعنی فنی قواعد کے ساتھ گانا) پہلے معنی کے لحاظ سے وہ گارہی تھیں، اور دوسرے معنی کے لحاظ سے وہ گانے والی نہیں تھیں اب ذرا حافظ ابن حجرؒ کی اس حدیث کی شرح کو دوبارہ دیکھ لیجئے، جو پیچھے گذر چکی ہے، حافظ صاحبؒ لکھتے ہیں :

"حضرت عائشہؓ نے ان لڑکیوں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ "ولیستا بمغنتیین" وہ دونوں کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں اس طرح ابتداءً ظاہری الفاظ سے جو وہم ہوتا تھا، اُسے آپ نے دور کر دیا، وجہ یہ ہے کہ "غناء" کا اطلاق عربی زبان میں ترنم اور بلند آواز سے پڑھنے پر ہوتا ہے، جسے اہل عرب "نصب" کہتے ہیں، اسی طرح حدی خوانی پر بھی "غنا" کا لفظ بولا جاتا ہے، لیکن نصب یا حدی خوان کو مغنی نہیں کہا جاتا، مغنی صرف اس شخص کو کہتے ہیں، جو آواز کے زیر و بم کے ساتھ، لوگوں کے جذبات بھڑکا کر، ایسے اشعار گائے جن میں گندی باتوں کی صراحت یا اشارہ ہو"

آگے امام قرطبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :

"امام قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے قول "ولیستا بمغنیتین" کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں اس طرح گانا گانا نہ جانتی تھیں، جس طرح عام طور پر پیشہ ور گانے والیاں جانتی ہیں، یہاں حضرت عائشہؓ نے اُن کے گیت پڑھنے پر مجازاً "غنا" کا اطلاق کیا ہے، جس کے معروف معنی ہیں "اس طرح اشعار پڑھنا جس سے جذبات متحرک اور برانگیختہ ہوں[1]"

---

[1] فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۴ ۔

تقریباً یہی عبارت علامہ آلوسی نے "روح المعانی"، (ج ٦ ص ۶۵ ۶۴) میں بھی نقل کی ہے[۱]

(۳) علامہ ابن الاثیر جزری رح روایت نقل کرتے ہیں:

"قد رخص عمر رض فی غناء الاعراب وھو صوت کالحداء"

(النہایۃ فی غریب الحدیث[۲])

حضرت عمر رض نے غناء اعراب (بدویوں کے گانے) کی اجازت دی ہے، جو بالکل حدی کی طرح ہوتا ہے[۳]۔

(قریب قریب یہی بات "مقدمہ شرح بخاری" اور "جامع الاصول" میں بھی ہے۔) امام شاطبی رح نے "الاعتصام" میں اور شیخ ابن حجر مکی رح نے "الزواجر" میں ان روایات میں اسی طرح تطبیق دی ہے، کہ حرمت کی روایات میں "فنی قواعد کے ساتھ گانا" مراد ہے۔ اور اباحت کی روایات میں "طبعی سادگی سے گانا" مراد ہے۔ ان بزرگوں کی پوری عبارتیں انشاء اللہ آگے ذکر کی جائیں گی۔

روایات غنا کو دو الگ الگ معنی پر محمول کرنے کی تائید محقق ابن ہمام رح کی عبارت سے بھی ہوتی ہے، جسے علامہ ابن نجیم رح نے بھی "البحر الرائق"، میں نقل کیا ہے، علامہ ابن ہمام رح کے الفاظ ہیں:

---

[۱] یہ بات صرف ان دو بزرگوں ہی نے نہیں لکھی ہے بلکہ محققین کی یہی رائے ہے چنانچہ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۹۱، و شرح السنۃ ج ۴ ص ۳۲۲، و اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۴۰

[۲] ج ۳ ص ۱۸۷ (مادہ: غنا)

[۳] مطلب یہ ہے کہ بدوی لوگ جو غنا کے فنی قواعد سے نابلد ہوتے ہیں اور طبعی سادگی سے اشعار گاتے ہیں جن کی نغمہ سرائی گانے کے بجائے حدی خوانی سے زیادہ قریب ہوتی ہے

"فان لفظ الغناء کما یطلق علی المعروف یطلق علی غیرہ قال صلی اللہ علیہ وسلم، من لم یتغن بالقرآن فلیس منا"

(فتح القدیر کتاب الشہادات ج ٦ ص ٣٦)

جس طرح "غنا" کا اطلاق ایک معروف معنی پر ہوتا ہے، اسی طرح ایک غیر معروف معنی پر بھی ہوتا ہے، جیسے حدیث "من لم یتغن بالقرآن فلیس منا"، میں یہی غیر معروف معنی آتے ہیں۔

یہاں تک کی ساری گفتگو دوسرے مفاسد سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف گانے کی شرعی حیثیت سے متعلق تھی، لیکن عام طور پر گانے بجانے کے ساتھ اور بھی بہت سے گناہ اور منکرات شامل ہو جاتے ہیں، مثلاً آوارہ مزاج لوگوں کا اجتماع، نامحرم عورتوں یا لڑکوں سے گانا سننا، یا ایسے اشعار سننا جو حرام باتوں پر مشتمل ہوں، جیسے کسی زندہ جانی پہچانی عورت کا نام لے کر اس سے تشبیب کرنا، یا کسی انسان کی غیبت کرنا، اس پر بہتان لگانا یا اس کا مذاق اڑانا یا اسی طرح کی دوسری باتیں جو نثر و نظم دونوں میں ممنوع ہیں اور جن کی حرمت میں نہ کسی مسلمان کو کبھی کوئی اختلاف ہوا ہے، نہ مذکورہ بالا روایات میں ان کی اباحت کا ادنیٰ شائبہ موجود ہے، اور نہ عقلی و نقلی اعتبار سے ان کے جواز کی کوئی گری سے گری دلیل مل سکتی ہے۔

○

باب چہارم

مذاہبِ اربعہ اور صوفیاء کی آراء

• خدائے رحمٰن کے بندے گانے (باجوں) کی محفل میں شریک نہیں ہوتے۔" امام ابوحنیفہؒ

"گانا ایک فضول اور مکروہ شغل ہے جو باطل سے مشابہت رکھتا ہے۔" امام شافعیؒ

• ہمارے ہاں (مدینہ میں) کبھی گانا بجانا صرف فساق ہی کا مشغلہ ہے۔" امام مالکؒ

• گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے اور میں اُسے ناپسند کرتا ہوں۔" امام احمد بن حنبلؒ

• گانا مردار کی طرح حرام ہے۔" حارث محاسبیؒ

فقہاء کی آراء

فقہاء غنا اور آلاتِ موسیقی کے حکم میں تفصیل و تنقیح سے کام لیتے ہیں اور ان کی تین قسمیں کرتے ہیں، جن میں سے ایک قسم تمام فقہاء کے نزدیک باجماع حرام ہے اور ایک قسم کے حکم میں اختلاف ہے کہ آیا وہ حرام ہے یا حلال اور تیسری قسم ان غنا اور آلاتِ موسیقی کی ہے، جو بظاہر تو غنا اور آلات موسیقی معلوم ہوتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ ایسے نہیں ہوتے، یہ آخری قسم تمام فقہاء کے نزدیک حلال ہے۔

پہلی قسم یعنی وہ آلاتِ موسیقی اور غنا جو باجماع حرام ہیں۔ ان کی بھی تین صورتیں ہیں :

ا۔ وہ تمام موسیقی کے آلات جو کسی مفید مقصد کے بجائے محض ناچ رنگ اور لہو و لعب کے لئے بنائے جاتے ہیں، اور ان سے لطف اندوزی کے لئے گانا ضروری نہ ہو، بلکہ وہ گانے کے بغیر ہی کیف و مستی پیدا کر دیں، جیسے ستار اور طنبور وغیرہ۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دف اس صورت سے خارج ہونے کی وجہ سے حرام نہیں[1]

---

[1] کیونکہ اول تو دف کو محض ناچ رنگ اور لہو و لعب کے لئے نہیں بنایا جاتا، بلکہ کچھ مفید مقاصد بھی اس کے بنانے میں پیش نظر ہوتے ہیں مثلاً اظہار سرور اور اعلان وغیرہ، دوسرے یہ کہ دف کی آواز اتنی پرکشش نہیں ہوتی کہ گانے کے بغیر بھی بھلی معلوم ہو اور کیف و مستی پیدا کر دے۔

قرنِ اول سے لیکر اب تک تمام امت کا ان آلات کی حرمت پر اجماع ہے چنانچہ صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ اربعہؒ، اور ان کے متبعین، تمام مجتہدین امت رو ظاہریہ اور صوفیائے کرامؒ سب بالاتفاق ان کے استعمال کو حرام قرار دیتے ہیں خواہ نیت اور مقصد کچھ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ بالفرض اگر نیت اور مقصد ٹھیک ہو تو بھی ان کا استعمال نفسانی اور فجار کی مشابہت سے خالی نہیں۔ جیسا کہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے، اور اس بات سے کوئی بھی مسلمان، جسے علم اور دین سے ذرا مس ہو، اختلاف نہیں کرے گا۔

ب۔ جو غنا کسی معصیت کا سبب بن جائے، مثلاً فرائض و واجبات سے غافل کر دے، باجماع حرام ہے۔

ج۔ وہ غنا جس کے ساتھ کوئی منکر (برا) یا ناجائز کام، شامل ہو جائے باجماع حرام ہے، جیسے اجنبی عورتوں اور بے ریش لڑکوں سے گانے سننا، یا فحش گوئی، بہتان تراشی اور غیبت پر مشتمل اشعار گانا۔

خلاصہ یہ کہ جو آلاتِ موسیقی گانے کے بغیر بھی کیف و مستی پیدا کر دیتے ہوں اور اسی مقصد کے لئے ان کا استعمال بھی ہوتا ہو، باجماع حرام ہیں، خواہ ان کے ساتھ گانا ہو یا نہ ہو۔ نیز آلاتِ موسیقی کے بغیر صرف گانا اس وقت باجماع حرام ہے، جبکہ کسی حرام کام کا سبب بنے یا اس کے ساتھ کوئی منکر شامل ہو جیسے فرائض کا ترک ہو جانا یا اجنبی عورتوں سے گانا سننا، ان آخری دو صورتوں کا حکم کچھ غنا کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ ہر وہ کام جو کسی معصیت کا سبب بنے اور ہر وہ مباح جس کے ساتھ کوئی منکر مل جائے، حرام ہے۔ خواہ اس کا تعلق گانے سے ہو یا نظم و نثر وغیرہ سے۔ ان احکام کی دلیل میں آثارِ صحابہ اور تابعین تو پیچھے گذر چکے، اب ائمہ کے اقوال تفصیل سے پیش کئے جاتے ہیں۔

فقہ حنفی

علامہ ابوبکر جصاص رح نے امام ابوحنیفہ رح سے سورۂ فرقان کی آیت
"لا یشھدون الزور" کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

"انّ الزور الغناء"

(احکام القرآن ج ۳ ص ۳۲۸)

یعنی "زور" سے مراد گانا ہے۔[1]

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اس مغنی کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، جس کی مصاحبت لوگ اختیار کرتے ہوں اور وہ بھی انھیں اکٹھا کرتا ہو"

(المبسوط ج ۱۶ ص ۱۳۲)

علامہ کاسانی رح رقمطراز ہیں:

"جس مغنی کے گرد لوگ گانے سے مزے لینے کے لئے جمع ہو جاتے ہوں۔ وہ عادل نہیں[2] خواہ شراب نہ بھی پیتا ہو، کیونکہ وہ بدکاروں کا سرغنہ

---

[1] یہ آیت اور اس کی تفسیر تفصیل کے ساتھ پیچھے گذر چکی ہے۔

[2] اصل یہ ہے کہ اسلامی قانون میں گواہی دینے والے شخص کی دینی اور اخلاقی حالت درست ہونا ضروری ہے، اسی لئے گواہ کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ عادل ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کبائر سے اجتناب کرتا ہو، اور صغائر کا ارتکاب بھی بے خوفی اور دھڑلے سے نہ کرتا ہو۔

ہے۔ البتہ اگر وہی تنہائی میں وحشت دور کرنے کے لئے گائے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ سماع سے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔ البتہ اس فاسقانہ انداز میں مزے اڑانے کو حلال نہیں کہا جا سکتا۔

رہا وہ شخص جو کسی آلۂ موسیقی سے شغل کرتا ہو، تو دیکھا جائے گا، کہ وہ آلہ فی نفسہٖ شنیع (برا) ہے یا نہیں، اگر فی نفسہٖ شنیع نہ ہو جیسے بانس اور دف، تو کوئی مضائقہ نہیں، اور وہ شخص عادل ہی رہے گا، اور اگر وہ آلہ شنیع ہو جیسے عود وغیرہ، تو اس شخص کی عدالت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ یہ (عود وغیرہ) کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہیں۔" (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۶۹)

علامہ محمد طاہر بن احمد بخاری صاحب "خلاصۃ الفتاوٰی" لکھتے ہیں:

"فتاوٰی میں ہے کہ ملاھی، جیسے بانسری وغیرہ، کی آواز سننا، حرام ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "استماع ملاھی (یعنی موسیقی سننا) گناہ ہے، اور اس کے لئے اہتمام سے بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لطف اندوز ہونا کفر ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بطور تہدید ہے، البتہ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرے۔"

(خلاصۃ الفتاوٰی ج ۴ ص ۳۴۵)

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں کہ:

"امام محمد کا قول "فوجد ثم لعبًا او غناء" اس بات کی دلیل ہے کہ بانسری بجانا اور گانا گانا حرام ہے"۔

(خلاصۃ الفتاوٰی ج ۴ ص ۳۵۷)

صاحب "ھدایہ" شیخ الاسلام علی بن ابی بکرؒ نے لکھا ہے:
"مغنی کی شہادت قبول نہیں کی جاتے گی کیونکہ وہ لوگوں کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے لئے اکٹھا کرتا ہے"

(ھدایۃ کتاب الشھادات ج ۳ ص ۱۶۲)

محقق ابن ھمامؒ اسکی شرح میں فرماتے ہیں:
"فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ لہو ولعب یا مال کمانے کے لئے گانا گانا حرام ہے۔

اگر آپ کہیں کہ مصنف نے مسئلہ کی علت یہ بتائی ہے کہ "مغنی لوگوں کو ایک گناہ کبیرہ کے لئے جمع کرتا ہے" اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ گانا گانا مطلقاً حرام ہو، حالانکہ ایسا نہیں، اس لئے کہ اگر کسی کا مقصد دوسرے کو سنانا نہ ہو بلکہ وہ محض تنہائی میں وحشت دور کرنا چاہتا ہو، تو چنداں کراہت نہیں۔ اسی طرح یہ بھی قول ہے کہ اگر قافیوں کو درست کرنے یا اشعار میں روانی پیدا کرنے کے لئے گایا جائے تو مکروہ نہیں۔ اور یہ بھی فقہاء کا قول ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر گانا سننا مکروہ نہیں، اگرچہ گانے کے ساتھ ایک قسم کا لہو (یعنی دف بجانا) بھی ہو۔ چونکہ روایات میں شادی بیاہ کے موقع پر اسکی اجازت پر نص موجود ہے۔

جواب یہ ہے کہ اپنے آپ کو بہلانے اور وحشت دور کرنے کے لئے گانے میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مکروہ نہیں، کیونکہ مکروہ صرف وہ گانا ہے، جو لہو ولعب کے لئے گایا جائے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ کی یہی رائے ہے۔ جب کہ بعض دوسرے مشائخ

گانے کی تمام صورتوں کو مکروہ کہتے ہیں، اور یہی شیخ الاسلام (خواہر زادہؒ) کا قول ہے۔ لہٰذا بہت ممکن ہے کہ مصنف بھی شیخ الاسلام کی طرح عام ممانعت کے قائل ہوں[۵۱]"۔

آگے کچھ تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"البتہ اس[۵۲] سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اُن اشعار کا گانا حرام ہے، جن کا مضمون حرام اُمور پر مشتمل ہو، جیسے وہ اشعار جن میں کسی زندہ اور جانے پہچانے مرد و عورت کے حسن و جمال کی تعریف کی گئی ہو، یا شراب کی خوبیاں بتا کر شراب نوشی پر اُبھارا گیا ہو، یا وہ اشعار جن میں اندرونِ خانہ اور چار دیواری کا تجسس پیدا کیا گیا ہو، یا کسی ذمی یا مسلمان کی ہجو کی گئی ہو۔

البتہ وہ اشعار جو ان برائیوں سے پاک ہوں اور جن میں باد و بہار، برگ و گل اور آبِ رواں کے حسن و جمال کو بیان کیا گیا ہو، مباح ہیں، اور محض شعر ہونے کی وجہ سے حرام نہیں۔ البتہ یہ اشعار بھی جب موسیقی کے ساتھ گائے جائیں، تو ممنوع ہیں، یہ تو یہ اگر وہ اشعار بھی جو مواعظ و حِکَم سے پُر ہوں، موسیقی کے ساتھ پڑھے جائیں تو جائز نہیں۔ لیکن اب ممانعت کی وجہ موسیقی ہے، گانا نہیں۔" واللہ اعلم"

---

۵۱ فتح القدیر ج ۶ ص ۳۶ ۵۲ یعنی اس سوال و جواب سے۔ اصل میں علامہ ابن ہمامؒ نے شیخ الاسلامؒ کا مذہب ذکر کر کے اسکی وجہ ذکر کی ہے، اور پھر شمس الائمہ سرخسیؒ کے اس استدلال کا جواب دیا ہے جو انھوں نے براء بن مالکؓ کے بارے میں مروی اثر سے کیا ہے، کہ درحقیقت حضرت براءؓ مباح اشعار پڑھا کرتے تھے، جو حکمت و نصیحت سے پُر ہوتے تھے، سوال و جواب کی تفصیل "فتح القدیر" میں دیکھی جا سکتی ہے، یہاں خلاصہ ذکر کر دیا گیا ہے۔ (مصنف رح)

"المغنی" میں ہے کہ "صالح آدمی اگر کوئی فحش شعر گائے، تو اس کی عدالت ختم نہیں ہوتی" اور "مغنی" ابن قدامہ میں ہے کہ "آلاتِ موسیقی کی دو قسمیں ہیں ایک حرام یعنی وہ آلات جو گانے کے بغیر بھی کیف و مستی پیدا کرتے ہیں، جیسے بانسری، باجے وغیرہ۔ دوسرے مباح اور وہ صرف دف ہے، جو کہ نکاح وغیرہ مواضع سرور میں جائز ہے اور دیگر مواضع پر مکروہ ہے۔"

(فتح القدیر ج ۶ ص ۳۶)

محقق ابن ھمام رح کی مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) تنہائی میں دل بہلانے اور وحشت دور کرنے کے لئے ـــــ نہ کہ لہو ولعب کے لئے ـــــ گانا علماء حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے اور جن حضرات نے اُسے مکروہ سمجھا ہے، جیسے شیخ الاسلام خواہر زادہ، وہ بھی کراہت کے صرف اسی وقت قائل ہیں، جب کہ اشعار کا مضمون ناجائز اور غیر شرعی ہو۔

(۲) کیف و مستی پیدا کرنے والے آلات کے ساتھ گانا گانا بالاتفاق حرام ہے۔

(۳) آلات موسیقی کے حکم میں ذرا تفصیل ہے، چنانچہ جو آلات محض لہو ولعب کے لئے بنائے جاتے ہیں اور گانے کے بغیر بھی کیف و مستی پیدا کرتے ہیں، اُن کا استعمال قطعاً حرام ہے۔ اور جو آلات کبھی لہو ولعب کے لئے اور کبھی اعلان و اعلام کے لئے استعمال ہوتے ہوں، انھیں مواضع سرور مثلاً نکاح وغیرہ، میں استعمال کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔ البتہ دوسرے مواقع پر ان کا استعمال بھی مکروہ ہے۔ یہ بات یوں معلوم ہوئی کہ علامہ ابن ھمام نے "مغنی" کی عبارت کو بلا تنقید نقل کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب "مغنی" کے حنبلی

ہونے کے باوجود یہ رائے حنفیہ کے ہاں بھی مقبول ہے، مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ابن نجیم رح نے بھی "البحر الرائق" میں "مغنی" کی اس عبارت کو نقل کیا ہے، اور پھر لکھا ہے: "نقله فی الفتح ولم يتعقبه"، یعنی علامہ ابن ھمام رح نے "فتح القدیر" میں اس بات کو نقل کیا ہے اور اس پر کوئی تنقید بھی نہیں کی۔

۴ گانے کے پیشے کو اپنانا اور اُسے ذریعۂ معاش بنانا گناہ کبیرہ اور حرام ہے، جیسا کہ صاحب "ھدایہ" کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔

"البحر الرائق" میں علامہ ابن نجیم "کنز الدقائق" کی عبارت "ولا من يلعب بالطنبور ويغني للناس" کے تحت لکھتے ہیں:

"مصنف کی مراد طنبور سے ہر وہ آلہ ہے، جو لوگوں کے درمیان بُرا سمجھا جاتا ہو، اور اس سے ان آلات سے احتراز مقصود ہے، جو بُرے نہیں سمجھے جاتے، جیسے قضیب (شاخ) بجانا، کہ اس کی بناء پر شہادت رد نہیں کی جائے گی۔ البتہ اُسے بھی اس قدر بجانا کہ لوگ مست ہو کر ناچنا شروع کر دیں، گناہ کبیرہ ہے۔ (محیط)

"تاتارخانیہ" میں ہے کہ جو شخص آلات موسیقی سے شغل کرتا ہو، تو یہ شغل اگر اُسے فرائض سے غافل نہ کرے، تو اس کی شہادت رد نہیں کی جائے گی، البتہ اگر آلات موسیقی سے شغل اُسے فرائض سے تو غافل نہیں کرتا، مگر یہ کہ جو آلات وہ استعمال کرتا ہے، وہ لوگوں میں بُرے سمجھے جاتے ہیں، جیسے بانسری اور طنبور وغیرہ، تو اس کی عدالت ختم ہو جائے گی اور شہادت رد کر دی جائے گی، اور جن چیزوں

[1] اور نہ طنبور بجانے والے اور پیشہ ور مغنی کی شہادت قبول کی جائے گی نیز دیکھئے کنز الدقائق ص

سے وہ شغل کرتا ہے اگر لوگوں میں بری نہیں سمجھی جاتیں [۱]، جیسے حدی خوانی یا قصب (بانس) بجانا، تو اس کی عدالت باقی رہتی ہے، الایہ کہ وہ انھیں اس قدر استعمال کرے کہ لوگ رقص شروع کر دیں۔

(البحر الرائق ج ۷ ص ۹۶)

اس کے بعد علامہ ابن نجیمؒ نے "فتح القدیر" کی وہی عبارت نقل کی ہے، جو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، پھر لکھتے ہیں:

"بزازی نے "مناقب" میں ایسے گانے کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے جو آلات موسیقی، جیسے عود وغیرہ کے ساتھ گایا جاتے۔ غناء مجرد

---

[۱] یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ، صاحب "تاتارخانیہ" نے یہ بات اس زمانے میں کہی ہے، ——— جب اسلام اپنے عروج و شباب پر تھا اور دنیا کا اکثر حصہ مسلمانوں کے زیر نگیں تھا، پورے عالم میں، اسلام کا سکہ چلتا تھا، خود مسلمانوں کی اخلاقی حالت بہت بہتر تھی، ان کی زندگیوں میں اسلام کی ' جاری و ساری تھی، حتیٰ کہ ایک عام مسلمان آدمی بھی دینی مسائل سے واقف ہوتا تھا اور خوب جانتا تھا کہ حلال کیا چیز ہے اور حرام کیا ہے، مہد سے لحد تک قرآن و حدیث کے علوم اس کے کانوں میں پڑتے رہتے تھے، اسی وجہ سے ان لوگوں کا کسی چیز کو اچھا یا برا سمجھنا بھی کافی خیال کیا گیا ہے۔

اب ہمارے زمانہ میں مسلمان زوال و پستی کا شکار ہو چکے ہیں، ہر طرف کفر و الحاد کا دور دورہ ہے، موجودہ مادی تہذیب نے انسان کی فطرت سلیمہ کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے، اس پر طرہ یہ کہ عام مسلمانوں میں قرآن و حدیث اور دینی مسائل سے جہل و لاعلمی بھی عام ہے، ملحدانہ خیالات، ہوا پرستی اور شہوانیت بچہ بچہ کے دل و دماغ میں جگہ پکڑ چکے ہیں، صبح سے شام تک ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلمیں اور ٹیپ ریکارڈ ان کے ذہنوں کو مفلوج و مسموم کرتے رہتے ہیں، لہٰذا اب آلات موسیقی کے حسن و قبح کا معیار محض ان کا اچھا یا برا سمجھنا ہرگز بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(خالی گانے) کے بارے میں اختلاف ہے، شارحین نے اس بارے میں کوئی تصریح (امام ابو حنیفہ یا صاحبین سے) نقل نہیں کی ہے۔ البتہ "بنایہ" اور "نہایہ" میں ہے کہ لہو ولعب کے لئے گانا گانا تمام آسمانی شریعتوں میں حرام رہا ہے، چنانچہ "زیادات" میں امام محمد نے ایک مسئلہ اس شخص کے بارے میں لکھا ہے جو کسی ایسی چیز کی وصیت کرے جو ہمارے اور اہل کتاب دونوں کے نزدیک گناہ اور معصیت ہو، (پھر امام محمد نے ان وصیتوں اور چیزوں کی مثالیں ذکر کی ہیں) اور انہی میں اس وصیت کو بھی ذکر کیا ہے جو کسی گانے والے مرد یا عورت کے لئے کی جائے" بالخصوص جب کہ وصیت کنندہ بھی عورت ہو الخ امام محمدؒ کی اس عبارت کی وجہ سے خود مذہب حنفی کی نص سے ثابت ہو گیا کہ تنہا گانا بھی حرام ہے، لہذا اس طرح یہ اختلاف بھی ختم ہو گیا"۔

(البحر الرائق ص ۹۶ ج ۷)

علامہ ابن نجیم کی مذکورہ عبارتوں کا خلاصہ بھی بالکل وہی نکلتا ہے، جو "فتح القدیر" کی عبارتوں کا ہے۔

علامہ رملی رحہ "فتاوٰی خیریہ" کی کتاب الکراھیۃ والاستحسان" میں اس بات پر طویل بحث کرنے کے بعد کہ سماع وغناء کی مطلقاً نفی درست نہیں، بلکہ حلال و حرام کی واضح طور پر تنقیح کرنا چاہیئے، لکھتے ہیں:

"صحابہ اور تابعین میں بہت لوگوں نے سماع کو جائز کہا ہے، علامہ ماوردی رحہ لکھتے ہیں: "اہل علم کا گانے کے بارے میں اختلاف ہے، ایک جماعت اسے جائز قرار دیتی ہے اور دوسری جماعت ناجائز، امام ابو حنیفہ رحہ، امام مالکؒ اور امام شافعی رحہ سے منقول اصح قول کے مطابق

یہ مکروہ (تحریمی) ہے "صاحب تشنیف الاسماع فی احکام السماع"
لکھتے ہیں:

"امام ابوحنیفہؒ سے گانے کے بارے میں کوئی صریح نص منقول نہیں[1]"

---

[1] یہ دعوی صحیح نہیں، چنانچہ ابھی "البحر الرائق" کے حوالے سے "زیادات" کی وہ عبارت آپ پڑھ چکے ہیں، جس میں مغنی کے لئے وصیت کرنا گناہوں میں شمار کیا گیا ہے، لہذا یہ مسئلہ خود ائمہ کی نص سے ثابت ہے، نیز امام ابوبکر جصاصؒ نے "لا یشہدون الزور" کی تفسیر میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "زور سے مراد غنا ہے" اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کا یہ قصہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ کسی ولیمہ کی دعوت میں تشریف لے گئے، وہاں گانے بجانے کی آوازیں آرہی تھیں، جو آپ کو بہت ناگوار گذریں چنانچہ خود آپ کے الفاظ منقول ہیں کہ "قد ابتلیت بہ مرۃ" یعنی میں بھی ایک مرتبہ اس (گانے بجانے کی) مصیبت میں مبتلا ہو چکا ہوں، لفظ ابتلاء واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ گانا بجانا ایک مکروہ عمل ہے۔ (مصنفؒ)

علاوہ ازیں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قصہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ کسی باغ میں چہل قدمی کے لئے تشریف لے گئے، اور جب وہاں سے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ واپس آئے تو راستے میں امام ابن ابی لیلی ــ جو مشہور قاضی بھی ہیں ــ مل گئے، یہ دونوں بزرگ ساتھ ساتھ چلتے رہے، آگے ان دونوں کا گذر ایسی عورتوں کے پاس سے ہوا جو گانا گا رہی تھیں، اور انہیں دیکھتے ہی خاموش ہو گئیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان عورتوں سے ارشاد فرمایا "احسنتن" (تم نے اچھا کیا) تھوڑی دور چل کر یہ دونوں بزرگ الگ الگ ہو گئے۔

کچھ دنوں بعد قاضی ابن ابی لیلیؒ کے پاس ایک ایسا مقدمہ آیا جس میں امام ابوحنیفہؒ کی شہادت کی ضرورت تھی چنانچہ امام صاحبؒ کو بلوایا گیا۔ امام صاحب آئے اور گواہی دی۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

"البتہ آپ کے بعض اصحاب نے آپ کے قول" ولا یحضر دلیمۃ دفیھا لھو"، کے مفہوم سے ممانعت کا حکم نکالا ہے"۔[1]

ذرا آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

"علماء شافعیہ اور مالکیہ کی ایک جماعت غنا کے حکم میں کثرت وقلت کے اعتبار سے فرق کرتی ہے، چنانچہ وہ لوگ غناء قلیل کو جائز اور غناء کثیر کو ناجائز کہتے ہیں، جیسا کہ علامہ رافعی نے نقل کیا ہے جب کہ بعض دوسرے علماء غناء کے حکم میں عورت اور مرد کے اعتبار سے فرق کرتے ہیں، چنانچہ وہ حضرات اجنبی عورت سے گانا سننے کو قطعی حرام کہتے ہیں، اور اس کے سوا دوسری صورتوں کے بارے میں ان کا باہمی اختلاف ہے۔[2]

(گذشتہ سے پیوستہ) قاضی ابن ابی لیلی رحہ نے ان کی گواہی رد کر دی اور کہا کہ آپ نے گانے والی سے کہا تھا احسنت (تم نے اچھا کیا اس طرح آپ نے گانے والیوں کی حوصلہ افزائی اور گانے بجانے کی حمایت کی تھی جو سراسر فاسقانہ فعل ہے اور فاسق کی شہادت قابل قبول نہیں)

امام ابوحنیفہ رحہ نے فرمایا "میں نے ان سے یہ کب کہا تھا، اس وقت جب وہ گا رہی تھیں یا اس وقت جب وہ خاموش ہو گئی تھیں؟" قاضی صاحب نے کہا اس وقت جب وہ خاموش ہو چکی تھیں امام صاحب نے فرمایا میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ احسنت بالسکوت" (تم نے خاموش ہو کر اور گانا بجانا چھوڑ کر اچھا کیا۔ (حموی شرح الاشباہ والنظائر ص ۶۵۰)

اس قصے سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحہ گانے بجانے کو ناجائز سمجھتے تھے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابن ابی لیلی بھی گانے بجانے کو حرام اور گناہ سمجھتے تھے اور کسی ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں کرتے تھے، جو گانا گاتا تو کجا اس کی حمایت ہی کرتا ہو۔

[1] ایسے دلیمہ میں شرکت نہ کی جائے جس میں لہو ہو رہا ہو۔

[2] فتاوی خیریہ ج ۲ ص ۸۳۔

علامہ رملی رحؒ نے اس سے کچھ پہلے ہی یہ استفتاء بھی نقل کیا ہے کہ :
دمشق سے سوال آیا ہے کہ "آیا رقص و سماع کے بارے میں فقہاء نے کہیں ایسی بحث کی ہے، جس سے ان کی رخصت معلوم ہوتی ہے؟"
پھر اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :
"تاتارخانیہ" میں بھی "نصاب الاحتساب" سے اسی قسم کا ایک فتویٰ نقل کیا گیا ہے، جسکی عبارت یہ ہے کہ "کیا سماع کے وقت رقص جائز ہے؟" جواب: "نہیں" "ذخیرہ" میں ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے، اور جن مشائخ سے ایسا کرنا منقول ہے، وہ درحقیقت اس معاملہ میں معذور تھے، اور ان کی یہ حرکات و سکنات بالکل ایسے ہی غیر اختیاری تھیں، جیسے لرزے کے مریض کی ہوتی ہیں، "عیون" میں ہے کہ علماء اور پیشوا حضرات کے لئے یہ حرکات بھی مناسب نہیں، اس لئے کہ اول تو یہ لہو سے مشابہت رکھتی ہیں، دوسرے خود ان کے وقار کے خلاف ہیں۔
اگر یہ پوچھا جائے کہ "آیا ان کے لئے سماع بھی جائز ہے یا نہیں؟" تو عرض ہے کہ سماع[1] اگر قرآن یا نصیحت کا ہو تو نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، اور اگر سماع گانے کا ہو تو حرام ہے، اس لئے کہ گانا گانے اور سننے کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے، اور وہ اس میں خاصے متشدد ہیں۔
اور جن بعض مشائخ صوفیاء نے اسے جائز کہا ہے، تو وہ بھی صرف ان لوگوں کے لئے جو نفسانی خواہشات سے دور ہوں اور تقویٰ و پرہیزگاری سے مزین ہوں، اور سماع کے ایسے ہی محتاج ہوں جیسے مریض دوا کا محتاج ہوتا ہے، پھر ان کے لئے بھی کھلی چھوٹ نہیں

---

[1] "سماع" سے مراد یہاں محض سننا ہے، قوالی مقصد نہیں۔

ہے بلکہ کچھ شرائط ہیں :

(۱) کوئی امرد (بے ریش لڑکا) موجود نہ ہو۔

(۲) تمام حاضرین نیک، صالح اور متقی ہوں کوئی بھی فاسق یا دنیادار نہ ہو، اور نہ محفل سماع میں کوئی عورت موجود ہو۔

(۳) قوال مخلص ہو، اور اس کا مقصد حصولِ اُجرت یا حلوے مانڈے کھانا نہ ہو۔

(۴) لوگ کھانے پینے یا لنگر کے لئے اکٹھے نہ ہوئے ہوں۔

(۵) سوائے غلبۂ حال کے کھڑے نہ ہوں۔

(۶) ریاکاری اور دکھاوے کے لئے وجد کا اظہار نہ کریں، چنانچہ بعض صوفیاء کا قول ہے کہ ریاکاری کے لئے وجد کرنا اتنے سال غیبت کرنے سے بھی زیادہ بُرا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں سماع کی بالکل ہی اجازت نہیں، کیونکہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے تو اپنے زمانے ہی میں (ان شرائط کے ختم ہو جانے کی وجہ سے) سماع سے توبہ کر لی تھی"۔

جواب میں اس فتویٰ کو نقل کرنے کے بعد آگے لکھتے ہیں :

"فقہاء اور صوفیاء نے "سماع" کے بارے میں ڈھیروں کتابیں لکھی ہیں، لیکن اس سلسلہ میں سب سے جامع عبارت ان صاحب کی ہے، جن سے آلات موسیقی بانسری وغیرہ کے ساتھ سماع کے بارے میں پوچھا گیا کہ آیا وہ حلال ہے یا حرام؟ تو انھوں نے جواب میں لکھا کہ "جس نے اُسے حرام کہا ہے اس پر اس کے سچے ہونے کی وجہ سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا، اور جس نے اسے حلال کہا ہے اس پر اسکی پختہ

کرداری کی وجہ سے نکیر نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا اب جس شخص کے دل میں محبتِ الٰہی کا جذبہ ہو اور قلب نورِ معرفت سے جگمگا رہا ہو، وہ پیش قدمی کرے، اور جس کا یہ حال نہ ہو اس کے لئے ممانعت پر عمل کرنا اور اس چیز سے رکنا جس سے شریعت نے منع کیا ہے زیادہ سلامتی اور تقویٰ کی بات ہے۔ "واللہ اعلم"

(فتاویٰ خیریہ: ج ۲ ص ۱۷۹)

"فتاویٰ خیریہ" کی ان عبارتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ:

(۱) دوسروں کے لئے گانا گانا اور گانے کے پیشے کو اپنانا گناہ کبیرہ اور حرام ہے، چاہے گانے کے ساتھ موسیقی بھی ہو یا نہیں۔

(۲) بعض صوفیاء سے جو سماع اور وجد ثابت ہے، وہ اس سلسلہ میں لرزے کے مریض کی طرح معذور تھے، جس پر کوئی ملامت نہیں کی جاسکتی۔ یا ان کے اس فعل کی نوعیت حالت اضطرار کی سی تھی، کہ اس میں "تداوی بالمحرم" یعنی حرام دوا سے علاج بھی جائز ہے۔

(۳) جو صوفیا سماع و غنا میں توسع سے کام لیتے ہیں، وہ مطلقاً جواز کے قائل نہیں ہیں، بلکہ مذکورہ چھ شرطوں کے اہتمام کو لازم قرار دیتے ہیں۔

(۴) ہمارے زمانے میں سماع کی قطعاً اجازت نہیں، کیونکہ ان شرائط کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ پھر ذرا سوچئے کہ موجودہ زمانہ میں سماع کی رخصت کس طرح دی جاسکتی ہے، جب کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے اپنے ہی زمانے میں سماع سے اس لئے توبہ کر لی تھی کہ ان شرائط کا اہتمام نہیں ہوتا تھا۔

فتاویٰ ہندیہ کے مؤلفین لکھتے ہیں:

"فقہاء کے درمیان غناء مجرد (خالی گانے) کے حکم میں اختلاف ہے،

بعض کہتے ہیں کہ یہ علی الاطلاق حرام ہے، اور اُسے قصداً اُسننا گناہ اور معصیت ہے، یہی رائے شیخ الاسلام کی ہے، اور اگر بلاقصد اس کی آواز کان میں پڑ جائے تو گناہ نہیں۔

بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اگر قافیے درست کرنے اور اشعار میں روانی پیدا کرنے کے لئے انھیں گالیا جائے تو کوئی حرج نہیں، بعض کہتے ہیں کہ اگر تنہا ہو اور دفع وحشت کے لئے گائے تو اسکی اجازت ہے، بشرطیکہ گانا بطریق لہو نہ ہو۔ شمس الائمہ سرخسیؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔

یہی مولفین آگے "جواہر الفتاوی" کی عبارت نقل کرتے ہیں کہ:

"جس سماع، قوالی اور رقص میں ہمارے زمانے کے نام نہاد صوفیاء مبتلا ہیں، قطعی حرام ہے، اسکی طرف قصد کرکے جانا اور وہاں بیٹھنا جائز نہیں۔ درحقیقت اس خودساختہ سماع میں اور غناء ومزامیر میں (جو حرام ہیں) کوئی فرق نہیں، لیکن یہ صوفیاء اس سماعِ حرام کو حلال کہتے ہیں اور اپنے مشائخ کے افعال سے استدلال کرتے ہیں۔

میرے نزدیک تو حق بات یہ ہے کہ اگلے مشائخ نے ایسا نہیں کیا ہے، جیسا یہ کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے زمانہ میں معاملہ کچھ یوں تھا کہ کبھی کوئی شخص کوئی شعر پڑھ دیتا، جس کا مضمون ان کی حالت کے موافق ہوتا، تو ان کا دل نرم پڑ جاتا (اور وہ بے قابو سے ہو جاتے) اور واقعہ یہ ہے کہ جس شخص کا دل نرم ہو اور اس پر رقت جلدی طاری ہو جاتی ہو، جب وہ کوئی ایسی بات سن لیتا، جو اسکی حالت کے موافق ہوتی ہے، تو اکثر اسکی عقل پہ غشی طاری ہو جاتی، اور وہ بے ساختہ کھڑے ہو کر ایسی حرکات کرتا ہے جو اس کے اختیار

میں ہیں ہوتیں[1]۔ اور اس صورت میں چنداں بعید نہیں کہ کچھ رخصت ہو اور ان سے مواخذہ نہ ہو۔

لہٰذا اگلے مشائخ کی نسبت یہ بدگمانی ٹھیک نہیں، کہ وہ بھی ایسے ہی افعال کرتے تھے جیسے اس زمانہ کے وہ فسّاق کرتے ہیں، جو حلال و حرام اور دین و شریعت سے انتہائی ناواقف ہیں، اور بزرگوں کے افعال اور ان کی حقیقت سمجھے بغیر ان سے استدلال کرتے ہیں۔

آگے "محیط سرخسی" سے نقل کرتے ہیں کہ:

امام ابو یوسفؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی عورت نکاح کے علاوہ کسی اور موقع پر گناہ و فسق سے بچتے ہوتے دف بجائے، مثلاً یہی کہ اپنے بچے کو بہلانے اور خاموش کرنے کے لئے بجائے تو کیا یہ بھی آپ کے نزدیک مکروہ ہے؟ آپ نے جواب دیا "میں اُسے مکروہ نہیں سمجھتا، ہاں ایسے دف کو مکروہ سمجھتا ہوں جو محض لہو ولعب کے لئے گانے کے واسطے بجایا جاتے"

آخر میں "خزانۃ المفتیین" سے یہ جزئیہ نقل کرتے ہیں کہ:

عید کے دن دف بجانے میں کوئی مضائقہ نہیں[2]

---

[1] یہ نہ بھولئے گا کہ یہ بات ان حضرات کے بارے میں کہی جا رہی ہے، جن کے دل عشق و محبّت کے جذبات سے لبریز ہیں، اور ان کے قلب میں خدا کے لگاؤ اور محبت کا الاؤ جل رہا ہے۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں، کہ عشق خواہ حقیقی ہو یا مجازی پتھر کو بھی موم کر دیتا ہے، اچھے اچھے عقلاء جب اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو ان پر ایک معذوری کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس پر احکام کا دار و مدار نہیں رکھا جا سکتا۔

[2] فتاوٰی عالمگیری ج ۵ ص ۳۸۸۔

صاحب "مجموعۃ الحفید" لکھتے ہیں:

"اختیار" میں ہے کہ" ذمیوں کو بے حیائی اور بدکاری، سود، باجے تاشے اور گانے بجانے سے روکا جائے گا، اور انھیں ہر اس لہو ولعب سے منع کیا جائے گا جو ان کے دین میں حرام ہو، اس لئے کہ مذکورہ چیزیں تمام مذاہب وادیان میں بڑا گناہ سمجھی جاتی ہیں۔

اور اس شخص کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جو لوگوں کے واسطے گایا کرتا ہو، اس لئے کہ یہ فسق ہے۔

(مجموعۃ الحفید ص ۱۹۴)[1]

"نصاب الاحتساب" میں (مسجد میں منبر پر غنا و مزامیر کے ذریعہ وعظ و نصیحت کرنے کی ممانعت لکھنے کے بعد) لکھا ہے کہ:

"منبر پر غنا و مزامیر کے ذریعہ وعظ و نصیحت کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل مسجد سے باہر منبر کے علاوہ کسی اور جگہ پر بھی جائز نہیں، تو آخر منبر مسجد میں جو صرف یادِ الٰہی کے لئے بنائے جاتے ہیں، کس طرح جائز ہو سکتا ہے"۔

خلاصۂ کلام مذہب حنفی کی روایات اور مشائخ حنفیہ کے اقوال کا خلاصہ یہ نکلا کہ ان کا:

(۱) اس بات پر اتفاق ہے کہ جو آلات موسیقی گانے کے بغیر بھی کیف ومستی پیدا کرتے ہوں، حرام ہیں۔ اسی حرمت میں وہ دف بھی داخل ہے، جس میں گھنگھرو لگے ہوں (کما فی البحر ورد المحتار)

(۲) اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا نکاح جیسے مواقع پر دف اور بانس

[1] نیز دیکھئے "الاختیار" ج ۴ ص ۱۴۱۔

وغیرہ بجانا جائز ہے یا نہیں۔

(۳) اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر ان چھ شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے جو "فتاوٰی خیریہ" کے حوالہ سے گذر چکی ہیں، تو دوسروں کو لطف اندوز کرنے کے لئے گانا گانا قطعاً حرام ہے، چاہے گانا آلاتِ موسیقی کے بغیر ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) اگر ان چھ شرائط کا پورا پورا خیال رکھا جائے تب بھی جواز میں اختلاف ہے۔

(۵) اس بات پر اتفاق ہے کہ اپنے لئے گانا گانا ان چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

ا : گانا محض لہو ولعب کے لئے نہ ہو بلکہ کوئی معتد بہ مقصد پیشِ نظر ہو مثلاً تنہائی میں وحشت دور کرنا، اونٹ کے لئے حدی خوانی کرنا، بوجھ اٹھانا، مسافت قطع کرنا یا بچے کو سلانا وغیرہ۔

ب : گانا پیشہ ور مغنیوں کی طرح اور قواعدِ موسیقی کا خیال رکھتے ہوتے نہ گایا جائے۔

ج : اشعار کے مضمون میں کوئی مکروہ یا حرام بات نہ ہو، مثلاً کسی کی غیبت یا استہزاء یا کسی زندہ جانی پہچانی عورت یا امرد کے ساتھ تشبیب۔

د : گانے کی عادت نہ بنالی جائے، بلکہ کبھی کبھار گا لیا جائے، اور خیال رکھا جائے کہ اسکی وجہ سے کوئی امرِ واجب ترک نہ ہو، یا کسی گناہ میں ابتلاء نہ ہو جائے۔

رہا شیخ الاسلام کا اختلاف کہ وہ نفسِ غنا ہی کو ناجائز کہتے ہیں، تو علامہ ابن ہمام رح کی تحقیق کے مطابق مراد وہ صورت ہے جب کہ اشعار کا مضمون کسی مکروہ یا ناجائز بات پر مشتمل ہو، اور یہ بات خود شیخ الاسلام کے کلام سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

(۶) جب مذکورہ چار شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس وقت اپنے لئے بھی گانے کے جواز میں اختلاف ہے۔

فقہ شافعی

علمائے شافعیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اجنبی عورت یا امرد سے گانا سُننا، خواہ موسیقی کے بغیر ہی کیوں نہ ہو، قطعاً حرام ہے۔ چنانچہ شیخ ابن حجر مکی رح، جو شافعی مکتبِ فکر کے عالم ہیں، "کف الرعاع" میں لکھتے ہیں:

"کسی آزاد عورت یا اجنبی باندی کا گانا سُننا، ان لوگوں کے بقول، ہمارے ہاں بھی حرام ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔ خواہ فتنہ کا اندیشہ ہو یا نہ ہو۔

"روضہ" وغیرہ میں شیخین نے اس بارے میں تین جگہ پر کلام کیا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی راجح مذہب ہے۔ قاضی ابوالطیب رح نے، جو فقہاء شافعیہ کے امام ہیں، مشائخ سے نقل کیا ہے کہ اجنبی عورت سے گانا سننا ہر حالت میں حرام ہے، خواہ عورت پردے کے پیچھے ہی کیوں نہ بیٹھی ہو۔ قاضی ابوالحسین رح نے بھی اجنبی عورت سے گانا سننے کی حرمت کی تصریح کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔"

امام اذرعی رح مزید وضاحت اور تفصیل کرتے ہوتے فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت یا امرد سے گانا سُننا کسی صورت میں بھی جائز نہیں،

خواہ مغنی یا مغنیہ محل فتنہ[1] ہوں یا نہیں۔ کیونکہ اگر یہ محل فتنہ نہ بھی ہوں (تب بھی صرف گانا سننا ہی باطن کو گندہ کرتے اور سفلی جذبات اُبھارنے کے لئے کافی ہے چنانچہ) سامعین کے دلوں میں مغنی یا مغنیہ کے لئے نہ سہی، بعض دوسرے لوگوں کے لئے برے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔

اسی ہیجان انگیزی اور فتنہ خیزی سے بچاؤ کے لئے گانا سُننا حرام کیا گیا ہے۔ اور یہ حرمت اتنی واضح ہے کہ کوئی بھی انصاف پسند شخص اس سے انکار نہیں کرے گا۔

البتہ جن حضرات کی رائے ہے کہ عورت کی آواز کا پردہ نہیں، اور یہی زیادہ صحیح ہے، ان کے نزدیک عورتوں کا گانا سُننا علی العموم حرام نہ ہوگا بلکہ اسی وقت حرام ہوگا جب کہ اس سے فتنہ کا اندیشہ ہو۔

امام اذرعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک بھی حلت اسی وقت ہے جب کہ اس طرح بنا بنا کر نہ گایا جائے، جس طرح کا عام رواج ہے اور بالعموم پیشہ ور گانے والیاں گاتی ہیں۔ چنانچہ اگر پیشہ ورانہ انداز میں اور فنی قواعد کا لحاظ رکھ کر گایا جائے تو یہ حرام ہے کیونکہ اس صورت میں صرف آواز ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ اور بہت سی چیزیں[2] بھی زائد ہو جاتی ہیں۔ تو اگرچہ آواز کا پردہ نہ ہو

---

[1] محل فتنہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مغنی یا مغنیہ حسن و جمال اور عمر اور سن کے لحاظ سے ایسے ہوں کہ انہیں دیکھ کر انسان کے دل میں بُرے خیالات پیدا ہونے لگیں اور اس کے سفلی جذبات بھڑک اُٹھیں۔ [2] مثلاً تصنع اور بناوٹ، گانے کی مخصوص طرز اور دھن، آہنگ میں زیر و بم،

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

پھر بھی یہی کہا جائے گا کہ اس قسم کے گانے سننا جائز نہیں۔ کیونکہ حلت وحرمت کا اختلاف صرف اس فطری اور سادہ گانے کے بارے میں ہے، جس میں یہ زائد لغویات نہ ہوں۔

امام اذرعی رحمہ نے امام قرطبی رحمہ سے نقل کیا ہے کہ جو لوگ گانا سُننے کو جائز کہتے ہیں (وہ بھی کھلی چھوٹ نہیں دیتے بلکہ) ان کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ اجنبی عورتوں سے گانا سننا حرام ہے خواہ سننے والے مرد ہوں یا عورتیں نہ صرف یہ بلکہ اجنبی عورت سے قرآن سنا جائے یا اشعار، حرام ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ اسکی آواز سے دل میں ہیجان اور شہوت پیدا ہونے اور فتنہ میں پڑنے کا خدشہ ہے[1]۔

(کف الرعاع بهامش الزواجر ج ۱ ص ۲۷، ۲۸)

(گذشتہ سے پیوستہ) ادائیگی میں حسن ولطافت، دلکشی کے لئے آواز میں لوچ اور نرمی اور پھر سب سے بڑھ کر گویوں کی طرح مٹک چٹک اور حرکات وسکنات۔

[1] حقیقت یہ ہے کہ فقہ شافعی میں صحیح تر قول یہی ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے شخص کو فاسق اور دیوث قرار دیا ہے، جو اپنی باندی کا گانا دوسرے لوگوں کو سنوائے، حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" اما سماعه من المرأة الاجنبية او الامرد فمن اعظم المحرمات واشدها فساداً للدين. قال الشافعي رحمه الله وصاحب الجارية اذا جمع الناس لسماعها فهو سفيه ترد شهادته" واغلظ القول فيه وقال "وهو دياثة فمن فعل ذلك كان ديوثاً" (اغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۲۹)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

علماء شافعیہ کا اتفاق ہے کہ جو غنا کسی واجب کے ترک کا سبب بنے یا جس کے ساتھ کوئی حرام یا مکروہ چیز مل جائے، وہ حرام ہے۔

(کف الرعاع و احیاء العلوم)

شوافع کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ صاف ستھرے مضامین پر مشتمل اشعار کو خوش الحانی اور حسن صوت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ پیشہ ور گویّوں کی طرح بے جا تکلف سے کام نہ لیا جائے اور نہ ہی آواز کے اُتار چڑھاؤ، آہنگ کے زیر و بم، اور موسیقی کے فنی قواعد کا بقصد و اختیار اہتمام کیا جائے۔ یہی ان احادیث کا محمل ہے جن سے گانے کی اباحت معلوم ہوتی ہے اور جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے گانا سننا ثابت ہوتا ہے۔ (کف الرعاع)

شافعی علماء کے نزدیک یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ جو آلات گانے کے بغیر بھی کیف و مستی پیدا کریں، اور جنھیں بالعموم پیشہ ور گویّے ہی استعمال کرتے ہوں، ان کا استعمال حرام ہے۔ (احیاء علوم الدین)

ان کے علاوہ بقیہ صورتوں میں ان کا باہمی اختلاف ہے۔ امام غزالی رح جو فقہ شافعیہ کے ممتاز عالم ہیں، اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں گانے کے بجائے خود مباح ہونے پر طویل کلام کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

(گذشتہ سے پیوستہ) رہا اجنبی عورت یا امرد سے گانا سننا، سو وہ بڑے بڑے حرام کاموں میں سے ہے، اور دین کو بگاڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے، امام شافعیؒ کا قول ہے کہ "باندی کا مالک جب لوگوں کو اپنی باندی کا گانا سنوانے کے لئے جمع کرے وہ بے وقوف ہے اور اسکی شہادت رد کر دی جائیگی"۔ پھر آپکا اس سے بھی زیادہ سخت قول یہ ہے کہ "غیر مرد کو اپنی باندی کا گانا سنوانا بے غیرتی ہے، اور جو ایسا کرے وہ دیوث ہے"۔

• اگر آپ پوچھیں کہ سماع وغنا کبھی حرام بھی ہوتے ہیں؟ تو میں عرض کروں گا کہ ہاں پانچ عوارضات کی بناء پر یہ حرام ہوجاتے ہیں۔

(۱) گانے والے میں کوئی عارض ہو (۲) آلۂ غنا میں کوئی عارض ہو (۳) مضمونِ کلام میں کوئی عارض ہو (۴) سامع میں کوئی عارض ہو بایں طور کہ اسکی نیت ٹھیک نہ ہو یا وہ سماع کی عادت بنالے (۵) محفل سماع میں کوئی عام آدمی موجود ہو۔ ان پانچوں عوارض کا تفصیلی بیان یہ ہے کہ:

عارض اوّل: گانے والی ایسی عورت ہو جسے دیکھنا حلال نہیں، اور جس کا گانا سننے سے فتنہ کا اندیشہ ہو، یا گانے والا ایسا بے ریش لڑکا ہو جس سے فتنہ کا خوف ہو۔ ان دونوں سے گانا سننا حرام ہے، اس لئے کہ یہاں بدکاری (فتنہ) میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہے۔ لیکن اس حرمت کا سبب گانا نہیں بلکہ اگر عورت ایسی ہو کہ اسکی آواز سے سادہ اور عام گفتگو میں بھی فتنہ کا خوف ہو تو اس سے بات چیت کرنا، یا قرآن کریم کی تلاوت سننا بھی جائز نہیں، یہی حکم بے ریش لڑکے کا ہے جب کہ اس سے بات چیت میں فتنہ کا خدشہ ہو۔

عارض دوم: جن آلاتِ موسیقی کو عام طور پر زنخے اور شرابی استعمال کرتے ہیں، یعنی بانسریاں، ستار، ڈھول ان کا استعمال حرام ہے، ان کے علاوہ بقیہ آلات شریعت کے عام ضابطہ "اشیاء میں اصل اباحت ہے"، کے تحت مباح ہیں جیسے دف اگرچہ گھنگھرو والا ہو، طبل، شاہین اور قضیب وغیرہ۔

عارضِ سوم: اشعار کے مضمون میں کوئی خرابی ہو، مثلاً فحش گوئی یا ہجو ہو۔ یا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کوئی تہمت باندھی گئی ہو، یا صحابہ کرام رض کی ہجو کی گئی ہو، جیسا کہ رافضی کیا کرتے ہیں۔ ایسے اشعار کا سننا حرام ہے، خواہ خوش الحانی سے پڑھے جائیں یا سادگی سے، بلکہ انہیں سننے والا بھی قائل کا ہم نوا سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ اشعار سننا بھی جائز نہیں، جن میں کسی متعین عورت کی تعریف کی گئی ہو۔

عارضِ چہارم: سننے والے پر شہوت غالب رہتی ہو۔ وہ عنفوانِ شباب کے سرزد رعہد میں ہو، جنسی ضرورت اس کے دوسرے تمام مطالبات اور صفات پر غالب ہو، ایسے شخص کے لئے گانا سننا حرام ہے، خواہ اس کے دل پر کسی معین شخص کی محبت غالب ہو یا نہ ہو، کیونکہ بہرصورت جوانی کے پرآشوب زمانے میں جب وہ زلف ورخسار اور فراق ووصال کے تذکرے سنے گا، اسکی شہوت بھڑک اُٹھے گی، وہ ان الفاظ کو کسی معین صورت پر چسپاں کرے گا، یہ صورت شیطان اس کے ذہن میں ڈالے گا، (اس طرح وہ گانا سننے کو ذہنی عیاشی کا ذریعہ بنالے گا) اور یہ چیز شیطانی لشکر کی مددگار بن جاتے گی، (افسوس! اب اکثر دل ایسے ہیں جن پر شیطانی لشکر فتحیاب ہو چکے ہیں، اور آج انہی کا دوردورہ ہے۔

عارضِ پنجم: سننے والا ایک عام آدمی ہو، جس پر نہ تو خدا کی محبت غالب ہو کہ سماع اس کو اچھا معلوم ہو، اور نہ ہی شہوت

سے مغلوب ہو کہ سماع اس کے لئے حرام ہو۔ ایسے شخص کے حق میں سماع کی وہی حیثیت ہے جو دوسری عام لذتوں کی۔ البتہ اگر ایک شخص سماع کو عادت و مشغلہ بنا لے، اور اپنا زیادہ تر وقت اسی میں ضائع کرنے لگے، تو وہ اتنا بڑا احمق ہے کہ اسکی گواہی بھی قابل قبول نہیں، اس لئے کہ کسی لہو پر مواظبت کرنا گناہ ہے، اور جس طرح گناہ صغیرہ اصرار کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے، اسی طرح بعض مباحات پر اصرار اور پابندی انھیں صغیرہ بنا دیتی ہے، مثلاً اکثر حبشیوں کے پیچھے لگے رہنا، ان کے کھیل تماشے کی تلاش میں رہنا ممنوع ہے۔ اگرچہ اصل کے اعتبار سے حبشیوں کا کھیل (کبھی کبھار) دیکھ لینا بالکل جائز ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ کھیل دیکھا ہے۔ (مگر اُسے معمول و عادت بنا لینا جائز نہیں)

(احیاء العلوم، کتاب السماع ج ۲ ص ۲۵۰)

شیخ الاسلام احمد بن یحییٰ بن محمد الحفید الہروی، جنھوں نے ۹۰۶ھ میں شہادت پائی، اور مشہور شافعی عالم ہیں، اپنی کتاب مجموعۃ الحفید کے "العقد السادس" میں لکھتے ہیں:

علماء شافعیہ کہتے ہیں، کہ گانا گانا اور گانا سننا دونوں مکروہ فعل ہیں، حرام نہیں، لیکن فتنہ کی آماجگاہ مثلاً اجنبی عورت اور بے ریش لڑکے سے گانا سننا باجماع حرام ہے۔ اسی طرح ان آلاتِ غنا کا استعمال بھی حرام ہے، جو شرابیوں کے ساتھ خاص ہیں جیسے طبلہ، طنبور، بانسری، رباب، عراقی مزمار

اور دیگر تمام باجے اور مختلف قسم کے ستار[1]

شادی بیاہ اور ختنہ وغیرہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر دف بجانے کے بارے میں علماء شافعیہ باہم مختلف رائے رکھتے ہیں، لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ مباح ہے، خواہ دف میں گھنگھرو ہی کیوں نہ ہوں، البتہ دف کے علاوہ دوسری چیزیں، جیسے وہ طبل جو لمبا سا ہوتا ہے، اور جس کے اطراف وسیع اور وسط تنگ ہوتا ہے، حرام ہیں۔

علامہ موصوف آگے مزید لکھتے ہیں کہ:

امام نووی رہ فرماتے ہیں کہ یراع، یعنی چرواہے کی بانسری جسے شبابہ بھی کہا جاتا ہے، حرام ہے "الانوار" میں لکھا ہے کہ "یراع حرام نہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حرام ہے، اور یراع ہی کو شاہین

---

[1] ــــــــــ یہ ذہن میں رکھئے کہ مصنف نے یہ بات اس زمانہ میں کہی ہے جب کہ چہار دانگ عالم میں اسلام کا طوطی بول رہا تھا، عام مسلمانوں کی اخلاقی اور دینی حالت بہت اچھی تھی، ان کی زندگیوں میں اسلام کے ظاہری اعمال ابھی باقی تھے، فسق و فجور، بے حیائی و بدکاری اور شراب نوشی ابھی ان میں عام نہیں ہوئی تھیں، اسی وجہ سے گانے اور آلات موسیقی سے عموماً صرف وہی لوگ شغل کرتے تھے، جو شراب نوشی، اور دوسرے محرمات کا ارتکاب بھی کرتے تھے، اسی لئے مصنف نے آلات موسیقی کی دو قسمیں کر دیں، ایک وہ جو عام مسلمانوں میں رائج تھے، اور جن کی کسی درجہ میں اباحت بھی تھی اور دوسرے وہ جنہیں شرابی استعمال کرتے تھے اور جو قطعاً حرام تھے۔ ہمارے دور میں تو اس معاملے میں شرابی اور غیر شرابی سب برابر ہیں، سب ہی حرام موسیقی سے یکساں لطف اندوز ہوتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

بھی کہا جاتا ہے۔ "الانوار" کے صحیح نسخہ میں جو ہمارے سامنے ہے، شاہین ہی کا لفظ مندرج ہے۔ جس کا فارسی ترجمہ "نے" ہے۔ تمام قسم کے نایات (بانسریاں) حرام ہیں، چنانچہ "نای انبان" بھی حرام ہے، اس لئے کہ یہ فساق کا شعار ہے، اسی طرح "السرنائی" بھی حرام ہے، اور یراع سے مراد ہر قسم کی قضیب نہیں، بلکہ مزمار عراقی اور وہ بانسریاں مراد ہیں جو ستار کے ساتھ بجائی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ فساق کے ساتھ خاص ہیں اسی طرح "مزمار نائی بھی حرام ہے۔

(مجموعۃ الحفید ص ۱۹۷)

علامہ ابن حجر مکی شافعی رح "کف الرعاع" کی "تنبیہ ثالث" میں لکھتے ہیں:

غناء (بالمد والکسر) با آواز بلند شعر پڑھنے کو کہا جاتا ہے، اسی بناء پر علماء شافعیہ اور مالکیہ کی ایک جماعت کہتی ہے، جن میں امام اذرعی رح اور امام قرطبی بھی شامل ہیں (امام اذرعی نے کتاب التوسط میں اور امام قرطبی نے شرح مسلم میں یہ تفصیل لکھی ہے) کہ گانا گانے اور گانا سننے کی دو قسمیں ہیں۔

قسم اوّل: اس میں غناء کی وہ صورتیں آتی ہیں، جن کے لوگ کسی کام کے کرتے وقت یا بوجھ اٹھاتے وقت عادی ہوتے ہیں، مقصد گانے سے اُن کا یہ ہوتا ہے کہ نفس کو کچھ آرام پہنچے اور فرحت ونشاط حاصل ہو۔ جیسے کہ عرب کے بدوی اپنے اونٹوں کے ساتھ گاتے جاتے تھے، (اُن کا خیال تھا کہ گانے (حدی) کو سنکر اونٹ مست ہو جاتا ہے، اور اُسے سفر کی تکان سے تکلیف نہیں ہوتی۔) اسی طرح عورتوں کی لوریاں ہیں، جو بچوں کے سامنے

اس لئے گاتی جاتی ہیں تاکہ ان کا دل بہلے اور وہ رونے دھونے سے باز رہیں۔ ایسے ہی وہ گیت ہیں جو کمسن بچیاں کھیل کود کے وقت گاتی ہیں۔

اس قسم کے گانے گانا بغیر کسی شک وشبہ کے باتفاق جائز ہیں، بشرطیکہ گانے والا اس بات کا خیال رکھے کہ اشعار کا مضمون فحش اور ناجائز باتوں سے پاک ہو، مثلاً یہی کہ ان میں شراب کی ترغیب یا کسی عورت کے حسن وجمال کی تعریف نہ ہو۔

اس قسم کے اشعار اگر کسی نیک کام میں معاون ہوں، تو ان کا گانا جائز ہی نہیں بلکہ بسا اوقات مستحب ہے مثلاً زمانۂ حج میں سرعت سفر کے لئے حدی پڑھنا اور جہاد کے موقع پر رجز خوانی کرنا۔

یہی وجہ ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضؓ مسجد نبوی کی تعمیر کر رہے تھے اس وقت رجزیہ اشعار ان کی زبان پر تھے۔ اسی طرح غزوۂ احزاب کے موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھودنے میں لگے ہوئے تھے تو رجزیہ اشعار بھی پڑھتے جاتے تھے۔ اور یہ دونوں واقعات مشہور ہیں۔

اسی طرح ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں کو خود امر فرمایا تھا کہ بیاہ شادی کے موقع پر یہ گیت گالیا کرو "اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم"

یہی معاملہ ان اشعار کا بھی ہے جن سے دنیا کی بے رغبتی

اور آخرت کی محبّت پیدا ہو، کیونکہ وہ بہترین وعظ کا کام کرتے ہیں اور ان سے پورا پورا اجر حاصل کیا جا سکتا ہے۔

امام قرطبی رح اور اذرعی رح وغیرہ نے اس پہلی قسم کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں، اسکی تائید دوسرے علماء کے اقوال سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رح وغیرہ نے لکھا ہے کہ "حدی کی اباحت اور اس کے سننے کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں اور حدی رجز سے الگ اشعار کی ایک مستقل صنف ہے، یہ اشعار اونٹوں کے پیچھے پیچھے گاتے جاتے ہیں تاکہ وہ مست ہو کر تیز تیز چلیں"۔

جن حضرات نے اپنی کتابوں میں یہ نقل کیا ہے کہ بعض لوگ اس قسم کے گانوں کے جواز کا بھی انکار کرتے ہیں، وہ یا تو بہت ہی کم ہیں (اور ان کا کوئی اعتبار نہیں) یا پھر ان کے نقل کردہ اقوال کی یہ تاویل کی جائے گی کہ اس قسم کے گانے بھی اس وقت ناجائز ہیں جب کہ ان کے اشعار سے کسی نامناسب بات کے پیدا ہونے کا خدشہ ہو۔

قسم دوم: دوسری قسم ان گانوں کی ہے، جنھیں گویّوں اور فنّ موسیقی کے ماہرین نے اختیار کیا ہے، کہ وہ خوب بنا سنوار کر اشعار گاتے ہیں، عمدہ سے عمدہ لہجہ اور ایک سے ایک دھن ایجاد کرتے ہیں اور ایسے ساحرانہ طریقہ سے گاتے ہیں، کہ سامعین مستی میں ڈوب جاتے ہیں، اور ان کے دل و دماغ ایسے متاثر ہوتے ہیں جیسے خوب کہنہ اور تیز شراب پی لی ہو۔

اس قسم کے گانوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، (اور ان کے دس اقوال ہیں)

(۱) یہ قطعی حرام ہے، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہی مذہب امام مالک رح کا ہے، ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رح سے اس رخصت کے بارے میں پوچھا جو اہل مدینہ کے ہاں غنا کے سلسلے میں (مشہور) ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ (مدینہ میں بھی) گانا بجانا صرف فساق کی مجلس میں ہوتا ہے (ورنہ عام لوگ اُسے ناجائز ہی سمجھتے ہیں) یہی مسلک تمام اہل مدینہ کا ہے، صرف ایک ابراہیم بن سعد مستثنٰی ہیں کہ وہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے۔

امام ابو حنیفہ رح اور تمام اہل کوفہ کا جن میں حضرت ابراہیم نخعی، امام شعبی، حماد اور سفیان ثوری وغیرہ شامل ہیں، یہی مسلک ہے اور وہ سب اس بارے میں یک زبان ہیں۔

امام شافعی رح اور امام احمد رح کے اس بارے میں دو قول ہیں ایک قول قطعی حرام ہونے کا ہے۔

حارث محاسبی کہتے ہیں کہ غنا بالکل ایسے ہی حرام ہے جیسے مردار۔[۱] امام رافعی رح کی مشہور کتاب "الشرح الکبیر" میں دو مقامات یعنی "کتاب البیوع" اور "کتاب الغصب" میں اس بارے میں، بغیر کسی تفصیل اور تقیید کے واضح تصریح ہے کہ "غنا حرام ہے" امام نووی رح نے بھی "الروضۃ" میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

(۲) مکروہ ہے

(۳) مباح ہے

---

[۱] دیکھیے "رسالۃ المسترشدین" ص ۷۰

(۴) اگر اس سے بکثرت شغل کیا جائے اور اس میں بہت سا وقت صرف کیا جائے تب تو حرام ہے، اور اگر تھوڑی دیر اور کبھی کبھی سنا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(۵) اگر تنہا خالی گھر میں گایا جائے تب تو حلال ہے ورنہ حرام ہے۔

(۶) صرف مرد کے لئے عورت کا اور عورت کے لئے مرد کا گانا سننا حرام ہے۔

(۷) اگر صحیح نیت سے گانا سنا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، ورنہ مکروہ ہے۔

(۸) اگر گانا سننے سے شرعی فرائض ضائع نہ ہوتے ہوں، یا کسی مباح کے ساتھ حرام کا سا معاملہ نہ کرنا پڑتا ہو، اور گانے والا مرد یا عورت نامحرم بھی نہ ہوں نیز گانا ایسی جگہ گایا جائے جو شارع عام نہ ہو ان سب چیزوں کے علاوہ کوئی دوسرا امر قبیح بھی ساتھ نہ ہو، تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

(۹) اگر گانے والا اجرت لے کر گائے تو حرام ہے، ورنہ نہیں۔

(۱۰) اگر نیت نیکی کی ہو (یعنی یہ ارادہ ہو کہ گانا سننے سے طاعت خداوندی میں مدد حاصل کرے گا) تو ثواب کا کام ہے اور اگر نیت برائی کی ہو (یعنی یہ ارادہ ہو کہ معصیت پر تقویت حاصل ہوگی) تو یہی عمل گناہ بن جائے گا۔

(کف الرعاع ج ۱ ص ۳۰)

امام غزالی رح لکھتے ہیں:

"امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے شخص کے بارے میں، جو گانے

کو مستقل پیشہ بنا لے، صراحت کی ہے کہ اسکی شہادت رد کردی جائے گی،[1] وجہ یہ ہے کہ گانا بجانا ایک ناپسندیدہ اور مکروہ مشغلہ ہے، جو باطل سے مشابہت رکھتا ہے۔

(احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۰۰)

امام تقی الدین سبکیؒ سے، جو مشہور شافعی عالم ہیں، رقص و سرود اور قوالی کی محفلوں میں شرکت کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب میں بہت عمدہ اشعار پڑھے، جو ہدیۂ ناظرین ہیں:

اعلم بان الرقص والدف الذی	سالت عنہ وقلت فی اصوات
فیہ خلاف للائمۃ قبلنا	سرج الھدایۃ سادۃ السادات
لکنہ لم یات قط شریعۃ	طلبتہ او جعلتہ فی القربات
والقائلون بحلہ قالوا بہ	کسواہ من احوالنا العادات
فمن اصطفاہ لدینہ متعبدا	لحضورہ فاعددہ فی الحسرات
والعارف المشتاق ان ھو ھزہ	وجد فقام یھیم فی سکرات
لا لوم یلحقہ ویحمد حالہ	باطیب مایلقی من اللذات

سنئے! جس وجد اور دف کا مسئلہ آپ نے مجھ سے دریافت کیا ہے اس میں ہمارے متقدمین اور اکابر ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے، کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ نے کبھی اس کو عبادت اور حصول ثواب کا ذریعہ نہیں قرار دیا۔

جو لوگ اس کے جواز کے قائل بھی ہیں، وہ بھی اُسے حصول ثواب کا ذریعہ نہیں کہتے، بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہماری اور بہت سی حالتیں مباح ہیں ایسے ہی یہ بھی ہے۔

---

[1] نیز دیکھیے "الامّ" ج ۸ ص ۳۱۱

بناءً علیہ جو شخص محفلِ سماع کو دینی عبادت سمجھ کر اس میں شریک ہوگا، اسکی حالت بڑی قابلِ رحم اور باعثِ حسرت و یاس ہے۔

لیکن اگر کوئی عارفِ خداوندی اور عاشقِ بارگاہِ الٰہی بے اختیار عشق کے نشہ میں سرشاری کی وجہ سے وجد میں آجائے. تو ایسا شخص لائقِ ملامت نہیں، بلکہ قابلِ تعریف ہے، کیونکہ وہ محبت و عرفان کی عجیب و غریب لذّتوں سے لطف اٹھا رہا ہے[1]۔

---

[1] یہ ذہن میں رہے کہ ابھی اوپر علامہ ابن حجر مکی رح کی جو عبارت گذری ہے، اس میں ساری بحث غناء مجرد اور ایسے گانے کی تھی جس میں آلات موسیقی کا استعمال نہ ہو، اسی طرح علامہ سبکی رح کے جو اشعار آپ نے پڑھے ہیں، ان میں صرف صوفیاء کے سماع کی بحث ہے جس میں غناء کے ساتھ دف بھی ہوتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ فقہ شافعی میں آلات موسیقی کی جو حیثیت ہے، اُسے مزید وضاحت سے سمجھ لیا جائے۔

۱۔ دف بجانا مواضع مسرور میں جائز ہے۔

۲۔ ایسے آلات موسیقی کو استعمال کرنا حرام ہے، جو فساق کا شعار ہوں۔ جیسے طنبور، عود، چنگ، ہر قسم کے ستار اور بانسریاں، اور ڈھول وغیرہ۔

البتہ "یراع" جسے شبابہ یا شاہین بھی کہا جاتا ہے" ایک مختلف فیہ آلۂ موسیقی ہے، بعض لوگ اُسے حلال کہتے ہیں اور بعض حرام۔ چنانچہ علامہ نووی "منہاج" میں لکھتے ہیں:

"قلت: الاصح تحریمہ. واللہ اعلم"

(نہایۃ المحتاج ج ۸ ص ۲۸۱)

میں کہتا ہوں کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی حرام ہے۔

شافعی صغیر رح اسکی شرح میں لکھتے ہیں:

(گذشتہ سے پیوستہ)

لانه مطرب بانفراده بل قيل انه آلة كاملة لجميع النغمات الا يسيرا فحرم كسائر المزامير

اس لئے کہ یہ تنہا بھی مطرب ہے، بلکہ اس کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے، کہ یہ ایک مکمل ترین آلہ ہے، جس سے تقریباً ہر قسم کے نغمات بن سکتے ہیں، چنانچہ یہ بھی ایسے ہی حرام ہو گا جیسے تمام انواع و اقسام کی بانسریاں۔

البتہ جو حضرات یراع کی حلت کے قائل ہیں، وہ بھی یہ کہتے ہیں، کہ یراع صرف اسی وقت حلال ہے، جب کہ تنہا ہو، ورنہ اگر اس کے ساتھ دف ہو یا غنا ہو تو حرمت میں کوئی شبہ نہیں، مشہور شافعی عالم علامہ ابن الصلاح نے اس بارے میں اپنے فتاوی میں بڑی نفیس بحث کی ہے، ذیل میں ہم اس کا ترجمہ نقل کر رہے ہیں:

"رہا اس سماع کی حلت و حرمت کا مسئلہ تو جان لینا چاہیئے کہ جب دف، شبابہ اور غنا یہ تینوں چیزیں جمع ہوں تو ان کا سننا ناجائز اور حرام ہے، اور اس پر ائمہ مذاہب اور دوسرے تمام علمائے مسلمین کا اجماع ہے، اور اس اجماع کے برخلاف قول کسی ایک شخص سے بھی، جو چنداں لائق اعتناء ہو، منقول نہیں۔

اور وہ جو بعض علمائے شافعیہ سے اس بارے میں اختلاف منقول ہے، تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ حضرات تنہا شبابہ یا تنہا دف کی اباحت کے قائل ہیں، (شبابہ مع الغناء یا دف و شبابہ مع الغناء) کے جواز کے وہ بھی قائل نہیں) اب جس شخص کو دقیقہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

ن اور غور و فکر کی عادت نہیں، وہ اپنی سطحیت کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھتا ہے، کہ علمائے شافعیہ کا ایسے سماع کے بارے میں باہم اختلاف ہے، جس میں غنا اور ملاھی جمع ہو، حالانکہ یہ بدترین وہم ہے، اور عقل و شریعت کے صریح خلاف ہے۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ ہر اختلاف لائق اعتناء اور قابلِ اعتماد نہیں ہوتا، چنانچہ جو شخص علماء کے مختلف فیہ مسائل تلاش کرے اور ان میں سے سہولت اور رخصت والے اقوال اختیار کرے (جو اس کے ہوائے نفس اور خواہشات کے مطابق ہوں) وہ زندیق ہے۔

اور ان کا اس سماع کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ عبادات اور طاعات میں سے ہے، ایک ایسا دعویٰ ہے جو اجماع مسلمین کے صریح مخالف ہے، اور جو کوئی بھی اجماع کی مخالفت کرتا ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۲۲۹)

البتہ امام غزالی رہ علمائے شافعیہ میں سے ایسے ہیں، جو بظاہر طبل کی مطلقاً اباحت کے قائل معلوم ہوتے ہیں، مگر طبل کے بارے میں بھی صحیح قول یہ ہے کہ وہ علی الاطلاق جائز نہیں، امام نووی رح "منہاج" میں لکھتے ہیں:

"ویحرم ضرب الکوبۃ وھی طبل ضیق الوسط"

(نہایۃ المحتاج ج ۸ ص ۲۸۲)

اور کوبہ بجانا حرام ہے، جو ایک قسم کا ڈھول ہے، جو اطراف سے وسیع اور وسط سے تنگ ہوتا ہے۔

شافعی صغیر رح اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

(گزشتہ سے پیوستہ)

"ومقتضی کلامہ حل ماسواہا من الطبول و ھو کذلک وإن اطلق العراقیون تحریم الطبول واعتمد الاسنوی و ادّعی ان الموجود لائمۃ المذاھب تحریم ماسوی الدف من الطبول"

مصنفؒ کے اس قول کا مقتضی یہ ہے کہ دوسرے تمام اقسام کے طبل جائز ہیں، اور یہی بات درست بھی ہے۔ اگرچہ اہل عراق علی الاطلاق ہر قسم کے طبل کی حرمت کے قائل ہیں، اور اسنوی نے بھی اسی قول پر اعتماد کیا ہے اور دعوی کیا ہے کہ تمام ائمہ مذاہب کے ہاں دف کے علاوہ ہر قسم کے طبل حرام ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے فقہ شافعی کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے وہ اس مقام پر وہی بات کہے گا جو حافظ ابن قیمؒ نے کہی ہے کہ "امام شافعیؒ متقدمین علمائے شافعیہ اور وہ حضرات جو فقہ شافعیؒ پر گہری نظر رکھتے ہیں غناء و مزامیر کے بارے میں عام علماء کی نسبت زیادہ سخت مسلک کے حامل ہیں، چنانچہ خود امام شافعیؒ سے یہ قول تواتر کے ساتھ منقول ہے:

"خلفت ببغداد شیئا احدثتہ الزنادقۃ یسمونہ التغبیر لیصدون بہ الناس عن القرآن"

(الامر بالمعروف النہی عن المنکر ص ۱۶۷ و اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۲۲۹)

میں بغداد میں ایک چیز ایسی دیکھ کر آیا ہوں جسے زندیقوں نے ایجاد کیا ہے، اور اُسے تغبیر کہتے ہیں، اس کے ذریعہ وہ لوگوں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

کو قرآن مجید کی طرف متوجہ ہونے سے روکتے ہیں۔

تغبیر کی حقیقت اس کے سوا کچھ اور نہیں تھی کہ بعض لوگ مجلس جما کر ایسے اشعار پڑھا کرتے تھے، جن سے دنیا کی محبت کم ہوتی تھی، اور آخرت کی رغبت پیدا ہوتی تھی، ان اشعار کا تمام تر مضمون زہد پر مشتمل ہوتا تھا، مغنی یہ اشعار گاتا، اور حاضرین میں سے بعض لوگ، بانس یا بانسری وغیرہ بجا کر مغنّی کا ساتھ دیتے، جب ایسے اشعار پڑھنے کو بھی امام شافعی نے زندیقیت قرار دیا، تو بھلا جو اشعار سراسر عشق و محبّت اور دنیا سے لذت یابی پر مشتمل ہوں، اور جن کے ساتھ ناجائز قسم کی موسیقی بھی ہو، کس طرح حلال ہو سکتے ہیں؟

فقہ مالکی

گذشتہ مباحث میں مالکی مذہب کا بھی خاصی حد تک تذکرہ آچکا ہے، آگے خود فقہ مالکیہ کی کتابوں سے مالکی مذہب مزید وضاحت و تنقیح کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

"المدونۃ الکبریٰ" میں، جو مالکی فقہ کی اساسی کتاب ہے، کتاب الاجارہ[1] کے تحت لکھا ہے:

(میں نے عرض کیا)[2] کیا امام مالک غنا کو مکروہ کہتے تھے؟ (فرمایا) امام مالک تو قرآن تک کو الحان سے پڑھنے کو مکروہ کہتے تھے، آخر غنا ان کے نزدیک کیونکر مکروہ نہ ہوگا۔ (میں نے عرض کیا) امام مالک اس بارے میں کیا کہتے تھے، کہ اگر باندی خریدیں اور شرط لگا دیں کہ یہ مغنیہ ہے، تو کیا یہ بیع درست ہو جائیگی؟ فرمایا، مجھے تو یہی یاد پڑتا ہے کہ امام مالک ایسی خرید و فروخت کو مکروہ کہتے تھے۔

---

[1] باب فی اجارۃ دفاتر الشعر والغناء ج ۱۱ ص ۶۳۔

[2] "المدونۃ الکبریٰ" امام سحنون بن سعید تنوخی کی کتاب ہے، جس میں انھوں نے اپنے استاد جلیل اور امام مالکؒ کے شاگرد رشید عبدالرحمن بن قاسم عتقی سے امام مالک کے فقہی اقوال نقل کئے ہیں۔ پوری کتاب سوال وجواب کی صورت میں ہے، سوال کرنے والے امام سحنون ہیں اور جواب دینے والے ابن قاسم۔

"المدونۃ" ہی میں آگے "باب اجارۃ الدفاف فی العرس"[1] میں یہ بھی ہے کہ:

(فرمایا) امام مالک رح دف اور باجے تاشے کو شادی بیاہ کے موقع پر (بھی) مکروہ سمجھتے تھے، میں نے خود امام مالک رح سے اس بارے میں پوچھا تھا تو انہوں نے اسکی تضعیف کی تھی اور اُسے ناپسند کیا تھا۔

"المدونۃ" ہی میں کتاب الشہادات[2] کے تحت لکھا ہے:

"نوحہ کرنے والی یا گانا گانے والی عورت کے بارے میں، میں نے امام مالک رح سے اس کے علاوہ کچھ نہیں سنا کہ اگر وہ ان کاموں میں معروف ہوں تو ان کی شہادت قبول نہ کی جائے"۔

مالکی مذہب کے مشہور عالم علامہ شاطبی رح "کتاب الاعتصام" میں لکھتے ہیں:

"جہاں تک اشعار کا معاملہ ہے، تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ آدمی کے لئے ایسے اشعار پڑھنا جائز ہیں، جو فحش گوئی اور دوسری معصیتوں سے خالی ہوں، اسی طرح دوسرے شخص سے اشعار سننا، اس حد تک جائز ہے، جس حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار سنائے گئے، یا صحابہ کرام رض، تابعین عظام رح اور دوسرے بزرگانِ دین کا اس بارے میں عمل رہا۔ کیونکہ (خیر القرون میں) اشعار ہمیشہ کچھ فوائد اور منافع کے لئے ہی پڑھے اور سنے جاتے تھے جن میں چند درج ذیل ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دینِ اسلام اور اہلِ اسلام کی طرف سے کفار و مشرکین کو جواب دینا۔

(۲) اپنی ضروریات اور حاجات کو اشعار میں بیان کرتے، اور انہیں

---

[1] ج ۱۱ ص ۶۳ [2] باب الشہادۃ الشاعر والمغنی والمغنیۃ والنائحۃ ج ۱۳ ص ۳

پورا کرنے کے لئے ان اشعار کو سفارشی بناتے، جیسا کہ حضرت کعب بن زہیرؓ[1] نے کیا۔

(۳) بعض اوقات سفر جہاد میں بلند آواز سے اشعار پڑھتے، تاکہ

---

[1] حضرت کعب بن زہیرؓ مشہور صحابی ہیں، فتح مکہ سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالفین میں سے تھے، اور آپؐ کے بارے میں ہجویہ اشعار کہا کرتے تھے، جب مکہ فتح ہوا تو یہ اپنے بھائی بجیر کے ساتھ مکہ سے فرار ہوگئے، جب یہ دونوں ابرق عزاف پہنچے، تو بجیر نے کعب سے کہا، آپ یہاں مویشیوں کے پاس ٹھہر بیٹے، میں ان صاحب (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل کر آتا ہوں، معلوم تو ہو کہ آخر کہا کیا کرتے ہیں، چنانچہ بجیر مدینہ آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی آپؐ نے انھیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا، یہ خبر جب ان کے بھائی کعب تک پہونچی تو اس نے چند اشعار کہے، جن میں اس واقعہ پر بھائی کو ملامت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی، جب حضورؐ نے یہ اشعار سُنے تو آپ نے کعب کا خون ھدر فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ جو کعب کو دیکھے اُسے قتل کردے۔

ان کے بھائی بجیر نے جواب میں چند اشعار کعب کو لکھے، جن میں اپنے ایمان پر ثابت قدمی، اور کفر سے براءت کا بھرپور اظہار کیا، خدا کی شان کچھ دنوں بعد کعب کو بھی ایمان کی توفیق نصیب ہوتی اور انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اس موقعہ پر انہوں نے ایک قصیدہ بھی کہا، جو بانت سُعاد کے نام سے مشہور رہے، اس قصیدے کو سنکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی، جس کو انہوں نے مرتے دم تک اپنے سے جدا نہیں کیا، بعد میں یہ متبرک چادر مسلمان خلفاء کے پاس سالہا سال تک رہی (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۴۰ وارشاد شرح قصیدۂ بانت سعاد ص ۳ تا ۶)

تھکی ماندی طبیعتوں کو نشاط حاصل ہو، اور بار برداری کے جانور بھی چاق و چوبند ہو کر بوجھ اٹھائیں۔ ظاہر ہے (جہاد جیسی عبادت میں مددگار بننے کی وجہ سے) یہ فعل مستحسن ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ عرب اشعار فطری سادگی سے گاتے تھے، اور ان کے ہاں آج کا سا تصنع اور بناوٹ نہ تھا، اور وہ غنا اور موسیقی کے فنی قواعد اور گانے بجانے کے نئے نئے طریقوں سے جو بعد میں ایجاد ہو گئے ہیں، بالکل بے خبر تھے۔ البتہ گاتے وقت کسی حد تک خوش الحانی اور صوتی زیر و بم کا لحاظ رکھتے تھے، جس سے نہ لذت حاصل ہوتی اور نہ طرب و مستی۔ بس تھوڑا بہت نشاط پیدا ہو جاتا۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ اور حبشی کی حدی تھی جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھتے تھے۔ یا جیسے صحابہ کرام رضؓ خندق کھودتے وقت اشعار گا رہے تھے کہ:

نحن[1] الذین بایعوا محمدًا

علی الجہاد ما بقینا ابدًا

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہ اشعار پڑھے تھے:

اللّٰھم[2] لا خیر الا خیر الآخرۃ

فاغفر الانصار والمہاجرۃ

(۴) وعظ و نصیحت اور حکمت سے پُر کوئی شعر یا اشعار پڑھے، اور ان کا مخاطب خود اپنے آپ کو سمجھے اور مقصد یہ ہو کہ نصیحت حاصل کرے یا نشاط پیدا کرے، اور جو بات شعر میں کہی گئی ہے، اس

---

[1] ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے، جہاد کریں گے۔

[2] اے اللہ! آخرت سے بہتر کوئی بھلائی نہیں، تو بھی انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

پر عمل کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرے یا اس سے عبرت و نصیحت پکڑے، جیسے کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔"

آگے علامہ شاطبی رحمہ نے حضرت عمرؓ کا قصہ لکھا ہے، جو پہلے گذر چکا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اس قسم کے نصیحت آموز اشعار وہ حضرات جو پڑھتے تھے، اس سے یہ مطلب نکالنا ہرگز درست نہیں کہ وہ لوگ تنشیط طبع اور وعظ و نصیحت کے لئے صرف اشعار ہی کا سہارا لیتے تھے، بلکہ وہ ہر نصیحت آموز چیز سے نصیحت لینے کے عادی تھے۔

اسی طرح اشعار پڑھوانے کے لئے وہ پیشہ ور گویوں کو نہیں بلواتے تھے، اس لئے کہ لطف اندوزی ان کا مقصد نہ تھا۔

نیز ان کے ہاں اس قسم کے گانے نہیں ہوتے تھے، جس قسم کے ہمارے زمانے میں رائج ہیں، یہ چیزیں تو ان کے بہت بعد مسلمانوں میں اس وقت آئی ہیں، جب مسلمانوں کا اختلاط عجمیوں سے ہوا۔ اور یہی بات ابوالحسن قرافی رحمہ نے بھی (بڑی تفصیل سے) لکھی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں "کون سے پہلے کے لوگ اپنے بعد والوں کے لئے سند ہو سکتے ہیں (دین کے معاملہ میں تو سند اور حجت صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے) اور پھر وہ لوگ آواز بنا بنا کر، اور خوبصورت دھنوں کا لحاظ رکھ کر نہیں گایا کرتے تھے، بلکہ محض فطری سادگی کے ساتھ قوافی کی رعایت کر کے اشعار پڑھا کرتے تھے، پھر بھی اگر کسی کی آواز دوسرے سے زیادہ اثر انگیز ہوتی، تو وہ صرف پیدائشی خوبی اور حسن صوت کا خداداد عطیہ تھا، کیونکہ وہ حضرات

تصنع اور بناوٹ نہیں کیا کرتے تھے"۔

یہی وجہ ہے کہ علماء بعد والوں کی اس روش کو مکروہ کہتے ہیں حتیٰ کہ جب امام مالک سے اہل مدینہ میں رائج غنا کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "یہ تو فساق کا شیوہ ہے"۔

خلاصۂ کلام امام مالکؒ اور فقہاء مالکیہ کے اقوال کا خلاصہ یہ نکلا کہ:

(۱) غناء مجرد میں جب گویوں کی طرح بقصد و اختیار موسیقی کے قواعد کا لحاظ رکھا جائے، تو مکروہ ہے۔

(۲) غنا میں ان اشعار کا پڑھنا جن کا مضمون ٹھیک نہ ہو، مکروہ ہے، مثلاً فحش گوئی، کسی کی تحقیر، ایذاء مسلم یا حرام کاموں کی رغبت دینے والے اشعار پڑھنا۔

(۳) آلات موسیقی اور مختلف قسم کے باجے استعمال کرنا مکروہ ہے۔

(۴) غنا کی صرف وہ صورت مالکیہ کے ہاں بھی جائز ہے، جس میں کسی صحیح مقصد کے تحت اشعار باآواز بلند پڑھے جائیں، اور گویوں کی طرح بناوٹ اور تکلفات سے کام نہ لیا جائے، مثلاً حدی پڑھنا، جہاد اور حمل ثقیل وغیرہ کے وقت نشاط قلبی کے لئے اشعار پڑھنا، یا نصیحت خویش کے لئے شعر خوانی کرنا وغیرہ[۱]

---

[۱] یہاں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اختصار سے کام لیا ہے جس سے بات واضح نہیں ہو سکی ہے اس لئے بہتر ہو گا کہ مالکی فقہ کی مزید توضیح خود علمائے مالکیہ کی کتابوں سے کر دی جائے۔ نیز یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ علامہ شاطبی رح کی مذکورہ عبارت سے صرف غناء مجرد کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ علامہ محمد بن محمد حطاب لکھتے ہیں:

"قال فی التوضیح الغناء ان کان بغیر آلۃ فھو مکروہ

...... واما الغناء بغیر آلۃ فان کانت ذات اوتار

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

كالعود الطنبور فممنوع وكذلك المزمار والظاهر عند بعض العلماء ان ذلك يلحق بالمحرمات وإن كان محمد اطلق فى سماع العود انه مكروه وقد يريد بذلك التحريم ونص محمد بن الحكيم على ان سماع العود ترد به الشهادة قال وإن كان ذلك مكروها على كل حال وقد يريد بالكراهة التحريم كما قدمنا۔

(مواهب الجليل ج ۶ ص ۱۵۳)

"توضیح" میں لکھا ہے کہ "غناء مجرد یعنی، بغیر آلۂ موسیقی کے گانا مکروہ ہے" اور اگر آلۂ موسیقی بھی ساتھ ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر آلہ تار والا ہے جیسے عود اور طنبور تو ممنوع ہے اور یہی حکم بانسری کا ہے۔

بظاہر ممانعت سے مراد بعض علماء حرمت لیتے ہیں اگرچہ محمد نے سماع عود کے بارے میں مکروہ ہونا ہی لکھا ہے، اور بعض اوقات کراہت سے مراد تحریم ہوتی ہے۔

محمد بن الحکیم نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ سماع عود سے شہادت رد کر دی جائے گی۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ استعمال عود ہر حال میں مکروہ ہے، اور کراہت سے مراد بسا اوقات تحریم ہی ہوتی ہے، جیسا کہ گذر چکا۔

علمائے مالکیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر دف بجانا جائز بلکہ بقول بعض مستحب ہے، لیکن دف کے علاوہ دوسرے لیسے آلات

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

موسیقی جو دف سے ملتے جلتے ہوں وہ بھی جائز ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن رشد مالکی رح اپنے "مقدمات" میں لکھتے ہیں:

"ولا یجوز تعمد شیء من اللھو ولا من آلات الملاھی ورخص فی الدف فی النکاح وفی الکبر والمزھر اقوال" (مواھب الجلیل ج ۴ ص ۶)

موسیقی اور آلاتِ موسیقی سے لطف اٹھانا جائز نہیں، صرف نکاح کے موقع پر دف کی رخصت دی گئی ہے، اور کبر اور مزھر کے سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔

شیخ ابو جعفر ادفوی رح اپنی کتاب "الاقناع فی احکام السماع" میں لکھتے ہیں:

وذھبت طائفۃ الی اباحۃ الدف فی العرس والعید وقدوم الغائب وھذا ما اوردہ الغزالی فی الاحیاء والقرطبی المالکی فی کشف القناع لما ذکر احادیث تقتضی المنع قال وقد جاءت احادیث تقتضی الاباحۃ فی النکاح واوقات السرور فتستثنی ھذہ المواضع من المنع المطلق۔

(مواھب الجلیل ج ۴ ص ۷)

علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ شادی، بیاہ، عید اور قدوم غائب کے موقع پر دف بجانا مباح ہے۔ اور یہی بات امام غزالی رح نے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

احیاء علوم الدین میں اور امام قرطبی مالکی نے کشف القناع میں لکھی ہے، اور انہوں نے ایسی احادیث کو ذکر کے جن سے ملاہی کی ممانعت معلوم ہوتی ہے لکھا ہے کہ ایسی احادیث بھی آتی ہیں جن سے نکاح اور مواضع سرور میں اباحت معلوم ہوتی ہے، لہٰذا یہ مواقع ممانعت کے عام حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔

جس دف کے ساتھ گھنگرو بھی ہوں یا تار لگے ہوں، علمائے مالکیہ کے نزدیک وہ جائز نہیں، علامہ حطاب لکھتے ہیں:

"قال اصبغ فی العتیبۃ فی رسم النکاح من کتاب النکاح والغربال هو الدف المدور ولیس المزهر والمزهر مکروہ وهو محدث والفرق بینهما ان المزهر الهی وکلما کان الهی کان اغفل عن ذکر اللّٰہ وکان من الباطل وقال الشیخ یوسف بن عمر الدف هو المغشی من جهة واحدة اذ المریکن فیه اوتار ولا جرس ویسمی الآن بالبندیر انتهی و قال فی المدخل فی فصل المولود ومذهب مالک ان الطار الذی فیه الصراصر محرم وکذلک الشابة

(مواهب الجلیل ج۴ ص ۶)

اصبغ نے "عتیبۃ" بر کتاب النکاح کے ذیل میں لکھا ہے کہ غربال گول دف کو کہا جاتا ہے اور نکاح کے موقع پر جائز ہے لیکن

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

....

(گذشتہ سے پیوستہ)

مزھر (جو مربع قسم کا ڈھول ہوتا ہے) جائز نہیں، بلکہ مکروہ اور بدعت ہے، مزھر اور دف میں فرق یہ ہے کہ مزھر لہو میں لگانے والی چیز ہے اور جو چیز بھی لہو میں مبتلا کرے وہ اللہ کے ذکر سے غفلت پیدا کرتی ہے اور باطل ہے۔ شیخ یوسف بن عمر نے لکھا ہے کہ دف (ایک قسم کا ڈھول ہوتا ہے جو صرف) ایک طرف سے بند ہوتا ہے اور یہ اس وقت مباح ہے جب کہ اس کے ساتھ تار اور گھنگھرو نہ ہوں اسی کو آجکل بندیر کہا جاتا ہے۔

مدخل میں لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ ایسا دف جس میں گھنگھرو ہوں حرام ہے۔ اسی طرح شبابہ بھی حرام ہے۔

علماء مالکیہ مزھر سے مراد مربع ڈھول لیتے ہیں اور اسی کے بارے میں ان کا اختلاف ہے ورنہ اہل لغت کے نزدیک مزھر کے معنی عود کے ہیں، علامہ حطاب لکھتے ہیں:

تنبیہ: المعروف فی اللغۃ ان المزھر العود ولم ار من اھل اللغۃ ذکر خلافہ وکتب الفقھاء مخالفۃ لذلک فانھم انما یعنون بالدف المربع المغلوف وصرح بہ یحیی بن مزین المالکی۔

(مواھب الجلیل ج ۴ ص ۷)

نوٹ: مزھر کے مشہور معنی لغت میں عود کے ہیں، اور اس میں میں نے اہل لغت کو بالکل متفق پایا ہے، البتہ کتب فقہ میں اس

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

کے معنی ذرا مختلف ہیں، اس لئے کہ فقہاء اس سے مراد مربع قسم کا ڈھول لیتے ہیں اور اس نکتہ کی تصریح یحیی بن مزین (وغیرہ) نے کی ہے۔

جہاں تک عود کا سوال ہے تو وہ علمائے مالکیہ ہی نہیں، تمام مکاتب فکر کے علماء کے نزدیک حرام ہے، علامہ احمد بن محمد الصاوی "الشرح الصغیر" کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

واعلم ان العلماء اختلفوا فی العود و ماجری مجراہ من الآلات المعروفة ذوات الاوتار فالمشهور من المذاهب الاربعة ان الضرب به وسماعه حرام۔

(ج ۲ ص ۵۰۲)

اہل علم کا عود اور اسی قسم کے ایسے آلات جو مشہور و معروف ہیں اور ان میں تار لگے ہوتے ہیں، کے بارے میں اختلاف ہے، ائمہ اربعہ کے مذاہب میں مشہور یہی ہے کہ ان کا بجانا یا سننا حرام ہے۔

امام قرطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فاما ما ابتدعته الصوفية اليوم من الادمان على سماع المغانی بالآلات المطربة من الشبابات والطار والمعازف والاوتار فحرام۔

(تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۵۴)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

آج کے (بعض) صوفیاء نے جو یہ طریقہ ایجاد کر لیا ہے کہ آلات مطربہ شبابہ، طار، باجے اور ستار وغیرہ کے ساتھ گانے سنا کرتے ہیں، سو یہ بالکل حرام ہے۔

دف سے ملتی جلتی ایک دوسری چیز "کبر" ہے جس کے بارے میں آپ علامہ ابن رشد کی عبارت ابھی پڑھ کر آتے ہیں کہ اس کے جواز میں علمائے مالکیہ کا اختلاف ہے،

حقیقت یہ ہے کہ علمائے مالکیہ کا نہ صرف اس کے جواز میں اختلاف ہے بلکہ اسکی تعریف میں بھی وہ باہم مختلف ہیں علامہ دردیر لکھتے ہیں:

"هو الطبل الكبير المدور المغشي من الجهتين"

(الشرح الصغير ج ۲ ص ۵۰۳)

وہ ایک بڑا ڈھول ہے جو دونوں طرف سے بند ہوتا ہے۔

علامہ صاوی اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

"قيل طبل صغير طويل العنق مجلد من جهة واحدة وهو المعروف بالدربكة"

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک چھوٹا اور لمبا سا ڈھول ہوتا ہے، جو ایک طرف سے چمڑے کے ذریعہ بند ہوتا ہے۔ اور یہ دربکہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

علامہ محمد بن یوسف عبدری مالکی "التاج والاکلیل" میں لکھتے ہیں:

الكبر طبل له وجه واحد

(مواهب الجليل ج ۴ ص ۶) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

کبر ایسے ڈھول کو کہتے ہیں جو صرف ایک طرف سے بند ہوتا ہے۔

بہرحال اس تحقیق کے بعد کہ مزہر سے مراد علمائے مالکیہ کے ہاں مربع قسم کا دف ہوتا ہے اور کبر سے مراد بڑا دف یا ڈھول ہوتا ہے، ان کا حکم بھی جان لینا مفید ہوگا، علامہ حطاب لکھتے ہیں:

"اختلفوا علی الکبر والمزہر علی ثلثۃ اقوال احدھا انھما یحملان جمیعًا محمل الغربال ویدخلان مدخلہ فی جواز استعمالھما فی العرس وھو قول ابن حبیب و الثانی انہ لا یحمل واحد منھما محملہ ولا یدخل معہ ولا یجوز استعمالہ فی عرس ولا غیرہ وھو قول اصبغ فی سماعہ ... وعلیہ یاتی ما فی سماع سحنون من کتاب جامع البیوع ان الکبر اذا بیع یفسخ بیعہ ویؤدب اھلہ لانہ اذا قال ذلک فی الکبر فاحری ان یقولہ فی المزہر لانہ الھی منہ والثالث یحمل محملہ ویدخل مدخلہ فی الکبر وحدہ دون المزہر وھو قول ابن القاسم۔

(مواہب الجلیل ج ۴ ص ۷)

کبر اور مزہر کے حکم میں علمائے مالکیہ کے تین اقوال ہیں۔

① یہ دونوں غربال کے حکم میں ہیں اور شادی بیاہ کے موقع پر ان کا استعمال جائز ہے یہ ابن حبیب کی رائے ہے۔

② ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی غربال کے حکم میں نہیں ہے،

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

لہٰذا شادی بیاہ یا کسی بھی موقع پر ان دونوں کا استعمال جائز نہیں، یہ اصبغ کا قول ہے۔ اور اسی کی تائید سحنون کی کتاب سے بھی ہوتی ہے کیونکہ انھوں نے لکھا ہے کہ اگر کبر کو کوئی بیچے تو بیع کو فسخ کرایا جائے گا، اور بیچنے والی کی تادیب کی جائے گی۔ اب جب سحنون کی رائے کبر کے بارے میں یہ ہے تو مزھر کے بارے میں بطریق اولیٰ یہی ہوگی کیونکہ وہ زیادہ غافل کرنے والا ہے۔

(۳) کبر گو غربال کے حکم میں ہے اور شادی بیاہ کے موقع پر اس کا استعمال جائز ہے مگر مزھر کا یہ حکم نہیں۔ چنانچہ ابن القاسم یہی کہتے ہیں۔

بعض کتب مالکیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ بُوق (نفارہ) اور زمارہ (بانسری) کو شادی بیاہ کے موقع پر استعمال کرنا جائز ہے، اگر اسکو صحیح مان لیا جائے تب بھی علمائے مالکیہ نے لکھا ہے کہ ان کا استعمال حد ضرورت تک جائز ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں، علامہ عبدری رح لکھتے ہیں:

" فقیل فی معناہ فی البوقات والزمارات التی لا تلہی کل اللھو

(التاج والاکلیل ج۴ ص ۶)

اس کے معنی یہ بتائے گئے ہیں کہ ان سے مراد وہ نفارے اور بانسریاں ہیں، جو (حد ضرورت سے بڑھ کر) لہو کے لئے استعمال نہ ہوں۔

علامہ دردیر لکھتے ہیں:

(گذشتہ سے پیوستہ)

وكره الزمارة والبوق المسمى عندنا بالنفير اذا لم يكثر جدا حتى يلهى على اللهو والا حرم كالآت الملاهي ذوات الاوتار والغناء المشتمل على فحش القول۔ (الشرح الصغير ج ۲ ص ۵۰۲)

بانسری یا نقارے کو استعمال کرنا مکروہ ہے اور یہ کراہت بھی صرف اس وقت تک ہے جب تک انھیں حد لہو تک استعمال نہ کیا جائے، ورنہ بصورت دیگر یہ بھی حرام ہیں، بالکل ایسے جیسے تاروں والے آلاتِ موسیقی حرام ہیں، یا ایسا گانا حرام ہے، جس میں فحش پن اور بیہودگی ہو۔

آخر میں یہ جان لینا بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ اکثر علمائے مالکیہ کے نزدیک دف وغیرہ کا استعمال صرف نکاح کے موقع پر جائز ہے، دوسرے مواضع سرور میں جائز نہیں، علامہ صاوی رحمہ لکھتے ہیں:

واما غير النكاح كالختان والولادة فالمشهور عدم جواز ضربه ومقابل المشهور جوازه في كل فرح للمسلمين۔

(حاشية الشرح الصغير ج ۲ ص ۵۰۳)

لیکن نکاح کے علاوہ دوسرے مواضع سرور مثلاً ولادت اور ختنہ وغیرہ کے موقع پر مشہور قول کے مطابق دف بجانا جائز نہیں، البتہ غیر مشہور قول کے مطابق مسلمانوں کی ہر خوشی کے موقع پر دف کا جواز ہے۔

فقہ حنبلی

غنا و مزامیر کے بارے میں فقہ حنبلی کا موقف اچھا خاصا پیچھے گذر چکا ہے، آگے کچھ مزید تفصیل پیش کی جاتی ہے، علامہ احمد بن یحییٰ بن محمد الحفید لکھتے ہیں:

امام احمد سے غنا کی اباحت و کراہت کے سلسلے میں مختلف روایات منقول ہیں، جنھیں اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ صرف آخرت (اور عمل صالح) کی رغبت دینے والے اشعار پڑھنا جائز ہیں[1]، ان کے

---

[1] مثلاً وہ اشعار جو ابو حامد خلقانی نے نقل کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا اے ابو عبداللہ یہ رقت آمیز قصیدے جو بہشت و دوزخ کے بیان میں ہیں، آپ اُن کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، فرمایا کس قسم کے قصیدے پوچھ رہے ہو ذرا امثال تو دو، میں نے عرض کیا مثلاً یہی کہ:

اذا ما قال لی ربی — اما استحییت تعصینی

جب مجھ سے میرا خدا فرمائے گا کہ تجھ کو میری نافرمانی کرتے ہوئے شرم نہ آئی

وتخفی الذنب من خلقی — وبالعصیان تاتینی

تو میری مخلوق سے گناہوں کو چھپاتا تھا اور میرے سامنے گناہ کرتا تھا،

امام صاحب نے یہ اشعار سنکر کہا ذرا پھر پڑھو، میں نے دوبارہ پڑھے آپ اُٹھ کر گھر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

علاوہ گانے کی دوسری تمام صورتیں جو آج ہمارے ہاں رواج پا چکی ہیں، ناجائز ہیں[1]۔ امام مالکؒ کے نزدیک بھی غنا و متعاد دراتج الوقت)

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہوتے اور اپنے حجرے میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا۔ میں نے کان لگاکر سنا تو حجرے کے اندر سے ان کے رونے کی آواز آرہی تھی، وہ بار بار یہی کہہ رہے تھے۔

اذا ما قال لی ربی — اما استحییت تعصینی

وتخفی الذنب من خلقی — وبالعصیان تاتینی

(تلبیس ابلیس ص ۲۹۵)

[1] امام احمدرح سے گانے کے بارے میں تین قول مروی ہیں دو سے کراہت و تحریم معلوم ہوتی ہے اور ایک سے اباحت۔ علامہ ابن الجوزی رح نے، جو مشہور حنبلی عالم اور امام احمد رح کے سیرت نگار ہیں، ان مختلف اقوال کو ذکر کرکے ان میں یہی تطبیق دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ درصل امام احمد رح کے زمانے میں جس قسم کا غنا رائج تھا۔ وہ زہدیہ اشعار پر مشتمل ہوتا تھا۔ جن میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے محبت کا بیان ہوتا ہے۔ مگر ان کے بجائے آج کل جو کچھ گایا جاتا ہے اسکی امام احمدؒ نے کبھی اجازت نہیں دی بلکہ اسے حرام ہی کہا ہے۔ علامہ ابن الجوزی رح یہ بات نہایت تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے اصحاب (علماء حنابلہ) نے ابوبکر خلال اور ان کے ساتھی عبدالعزیز سے غنا کا مباح ہونا روایت کیا ہے، اس سے ان کا اشارہ صرف انہی قصائد زہدیہ کی طرف ہے جو ان دونوں بزرگوں کے زمانے میں رائج تھے، اور اسی پر وہ غنا بھی محمول ہے جسے امام احمد نے مکروہ نہیں کہا۔ اور اسکی دلیل (کہ جس گانے کو امام احمد نے مباح کہا ہے، وہ قصائد

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

زھدیہ ہیں) یہ ہے کہ امام موصوف سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک آدمی کا انتقال ہو گیا اور اس نے پسماندگان میں ایک لڑکا اور ایک مغنیہ باندی چھوڑی لڑکے کو باندی بیچنے کی ضرورت پڑ گئی، (تو وہ اُسے کس طرح بیچے؟) آپ نے جواب دیا کہ "مغنیہ کہہ کر نہ بیچی جائے"۔ اُس شخص نے کہا کہ "اگر مغنیہ کہہ کر بیچی جائے تو اس کی قیمت تیس ہزار درہم ہو گی" اور اگر عام باندی کی حیثیت سے فروخت کیا جائے، تو صرف بیس دینار ہی میں بکے گی"۔ آپ نے فرمایا "وہ یہی کہہ کر بیچی جائے کہ عام باندی ہے"۔

ابو الفرج (مصنف) کہتے ہیں: امام احمد نے یہ فتویٰ اس لئے دیا کہ مغنیہ باندی زھدیہ قصیدے نہیں گاتی، بلکہ وہ اشعار گاتی ہے، جو کیف و مستی پیدا کرتے ہیں اور آتش عشق کو بھڑکاتے ہیں۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ گانا ناجائز اور ممنوع ہے۔ کیونکہ اگر یہ ممنوع نہ ہوتا تو امام احمد یتیم کا مال ضائع کرنا اور اُسے نقصان پہنچانا جائز نہ سمجھتے۔

اور امام احمد کے اس عمل کی نظیر یہ ہے کہ جب حضرت ابو طلحہ رضی نے رحمت مجسّم، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "میرے پاس شراب ہے، جو یتیموں کا مال ہے"۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اس کو بہا دو"۔ معلوم ہوا کہ اگر شراب سے فائدہ اٹھانا جائز ہوتا تو آپ یتیموں کے مال کو ضائع کرنے کا حکم نہ دیتے۔

نیز مروزی نے امام احمدؒ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا "مخنث

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہو وہ حرام ہے"

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "گانے کا سننا آلاتِ موسیقی کے بغیر بھی، خواہ مرد سے ہو یا عورت سے، مطلقاً حرام ہے"

آگے لکھتے ہیں :

وإن داومه او اتخذه صناعة يقصد له او اتخذ غلامًا او جارية مغنيين يجمع عليها الناس ردت شهادته ۔ (ایضًا)

اگر کوئی شخص گانے پر مداومت اختیار کرے، یا اسکو اپنا پیشہ بنالے، یا اپنے غلام یا باندی کو بطور مغنی استعمال کرے اور لوگ اکٹھے ہوتے ہوں، تو ایسے شخص کی شہادت رد کردی جائے گی۔

مزید لکھتے ہیں :

قال فى الفروع يكره غناء وقال جماعة يحرم وقال فى الترغيب اختاره الاكثر ۔ (ایضًا)

صاحب "الفروع" کہتے ہیں کہ "سادہ گانا مکروہ ہے" ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ "یہ حرام ہے" صاحب "الترغیب" لکھتے ہیں کہ "اس دوسرے قول ہی کو اکثر علماء نے اختیار کیا ہے"

موصوف آگے فیصلہ کن انداز میں لکھتے ہیں :

"وفى المستوعب والترغيب وغيرهما : يحرم مع آلة لهو بلاخلاف بيننا ۔ وكذا قالوا ۔ هو وابن عقيل

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مکروہ ہے، چنانچہ جب ان سے اہل مدینہ کے غنا میں رخصت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا، یہ تو فساق کا شیوہ ہے" امام طبری رح کا قول ہے کہ "امام ابوحنیفہ رح شرب نبیذ کو مباح کہنے کے باوجود غنا کی کراہت کے قائل ہیں اور گانا سننے کو گناہ کہتے ہیں" اور یہی دوسرے تمام اہل کوفہ کا مسلک ہے، اسی طرح اہل بصرہ بھی باتفاق غنا کو مکروہ کہتے ہیں، صرف ایک روایت کے مطابق عبید اللہ عنبری عدم کراہت کے قائل ہیں۔ امام شافعی رح کا قول ہے، کہ "گانا ایک فضول اور مکروہ شغل ہے جو باطل سے مشابہت رکھتا ہے، جو شخص اس میں یادتی کرے وہ احمق ہے اور اس کی شہادت رد کر دی جائے گی" چنانچہ جو شخص امام شافعی رح کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے کہ وہ غنا کے جواز کے قائل تھے، ان پر بہتان باندھتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ تمام بلاد اسلامیہ کے علماء کا غنا کی کراہت اور ممانعت پر اجماع ہے لہذا اس کے جواز اور رخصت کا دعویٰ صرف وہی شخص کر سکتا ہے، جو قلت علم (یا جہل مرکب) اور خواہشات نفسانی کا شکار ہو" (مجموعۃ الحفید ص ۱۹۹)

(گذشتہ سے پیوستہ) إن كان المغني امرأة اجنبية۔

"المستوعب" اور "الترغيب" وغیرہ میں ہے کہ آلات موسیقی کے ساتھ گانا سننا علمائے حنابلہ کے نزدیک باتفاق حرام ہے۔ اسی طرح یہ حضرات اور علامہ ابن عقیل وغیرہ کہتے ہیں کہ اگر مغنی نامحرم عورت ہو تو بھی گانا سننا باتفاق حرام ہے۔

" فتح القدیر " کے حوالہ سے علامہ ابن قدامہؒ کی رائے، جو انہوں نے " المغنی " میں لکھی ہے، گذر چکی ہے کہ :

" آلاتِ موسیقی کی دو قسمیں ہیں، ایک حرام یعنی وہ آلات جو گانے کے بغیر بھی کیف و مستی پیدا کرتے ہیں جیسے بانسری، باجے وغیرہ، دوسرے مباح اور وہ صرف دف ہے، جو کہ نکاح وغیرہ مواقع سرور میں جائز ہے، اور دیگر مواضع پر مکروہ ہے "۔ (فتح القدیر[1] ج ۶ ص ۳۶)

علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :

" شارح " المقنع " کے بیان کے مطابق علماء حنابلہ کی ایک جماعت سے غنا کی تحریم منقول ہے، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے کتاب " البلغہ " میں لکھا ہے کہ اکثر علماء حنابلہ غنا کی تحریم کی طرف گئے ہیں[2]، امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ " میں نے اپنے والد سے غنا کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا " گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے، اور میں اُسے ناپسند[3] کرتا ہوں "۔

---

[1] نیز دیکھئے المغنی ج ۹ ص ۱۷۳۔

[2] غناء اور موسیقی کے بارے میں علامہ ابن تیمیہؒ بھی اسی قدر سخت ہیں جس قدر اُن کے شاگرد رشید علامہ ابن القیمؒ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں علامہ ابن تیمیہؒ کا رسالہ " السماع و الرقص " جس کا اردو ترجمہ " وجد و سماع " کے نام سے چھپ چکا ہے اور اُن کے فتاویٰ " مجموع فتاوی شیخ الاسلام " کے وہ مقامات جن کی تفصیل " الفهارس العامة " کی ج ۲ ص ۲۹۸ پر دی گئی ہے۔

[3] امام احمدؒ نے " لا یعجبنی " کا لفظ ارشاد فرمایا ہے، جس کا لفظی ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے، مگر در حقیقت یہ ایک اصطلاح ہے، جس سے مراد عام طور پر " تحریم " ہوتی ہے۔ جن حضرات نے امام احمد بن حنبلؒ کی سیرت اور ان کی فقہ کا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

مطالعہ کیا ہے، انہیں بخوبی معلوم ہو گا، کہ امام موصوف مسائل کے بیان میں بکثرت "لا یعجبنی"، اور "اکرھہ"، کے الفاظ ارشاد فرماتے تھے اور مقصد کسی چیز کی حرمت بیان کرنا ہوتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ائمہ متقدمین منصب افتاء کو بہت نازک اور اہم منصب سمجھتے تھے، اسی وجہ سے مسائل کے بیان اور استفتاء کے جوابات میں نہایت، احتیاط سے کام لیتے تھے، بالخصوص حلال و حرام کے معاملہ میں بہت محتاط الفاظ استعمال فرماتے تھے، اور یہ حزم و احتیاط کسی ایک امام کے ساتھ خاص نہیں، ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے ہاں یہ احتیاط نظر آتی ہے۔

نیز اس میں بھی کوئی شبہ نہیں، کہ ابتدائی صدیوں میں اصطلاحات اس قدر منضبط نہیں تھیں، ایک ہی لفظ کو مختلف معنی کے لئے استعمال کرنا شائع و ذائع تھا، چنانچہ ائمہ متقدمین کے ہاں آپ بکثرت دیکھیں گے کہ انھوں نے "کراہت"، کا لفظ بول کر تحریم مراد لی ہے۔ مگر بعد میں جب علوم و فنون نے وسعت اختیار کی تو اصطلاحات میں بھی انضباط پیدا ہو گیا اور کراہت کا مفہوم متعین کر دیا گیا، اور حرمت کے لئے اس کا استعمال ترک ہو گیا۔ (اگرچہ اب بھی علمائے متاخرین نے "کراھت"، کے لغوی معنیٰ سے فائدہ اُٹھا کر، اس کے مفہوم میں بہت لچک پیدا کر دی ہے، اس لفظ کو جہاں وہ مکروہ تحریمی کے لئے استعمال کرتے ہیں، وہیں مکروہ تنزیہی اور بعض اوقات خلاف اولیٰ کے لئے بھی استعمال کر لیتے ہیں)

"کراہت"، کا مفہوم متقدمین کے نزدیک کیا تھا؟ اور متاخرین کے نزدیک کیا ہے؟ اس بارے میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی بے نظیر کتاب "اعلام الموقعین"

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

میں نہایت نفیس اور عمدہ بحث کی ہے انھوں نے اس کتاب میں مستقل ایک فصل اسی بارے میں قائم کی ہے اور نہایت تفصیل سے بتایا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک امام اس لفظ سے کیا مراد لیتا تھا۔

چنانچہ علامہ ابن القیم رح نے اسی بحث میں لکھا ہے کہ حرام کے لئے "اکرھہ" اور "لا یعجبنی" کا اطلاق امام احمد کے ہاں بہت زیادہ ہے پھر اسکی مثال میں انہوں نے امام احمدؒ کے ایسے بہت سے اقوال جمع کئے ہیں جن میں امام صاحب نے ایسی صریح چیزوں کے لئے، جو فقہ حنبلی میں بھی بالاتفاق حرام ہیں "اکرھہ" اور "لا یعجبنی" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، ہم یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رح کے صاحبزادے عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا "مجھے اس جانور کا گوشت ناپسند ہے، جو زہرہ یا دوسرے ستاروں یا کنیسہ کے لئے ذبح کیا جاتے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ" یہاں قرآن کی نص سے ثابت صریح حرام چیز (یعنی غیر اللہ کے لئے ذبح کردہ جانور) کے بارے میں آپ نے فرمایا "لا یعجبنی" مجھے پسند نہیں۔ ظاہر ہے یہاں حرمت کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لینا درست ہی نہیں۔

اسی طرح عبداللہ ہی روایت کرتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا "میں سانپ اور بچھو کے گوشت کو مکروہ سمجھتا ہوں"، حالانکہ سانپ اور بچھو کا گوشت فقہ حنبلی میں بالاتفاق حرام ہے۔ (مزید مثالوں اور تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۱ تا ۳۶)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس طویل بحث کے ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ امام صاحب کے قول "گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے، اور میں اُسے ناپسند کرتا ہوں" میں "لا یعجبنی" کا مفہوم بہت ہلکا لینا درست نہیں اور اس سے صرف کراہت طبع کا اظہار سمجھنا کسی طرح ٹھیک نہیں، بلکہ غالباً اس سے مراد حرمت ہی ہے، جیساکہ پہلے جملے سے کہ "گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے"، معلوم ہوتا ہے۔ اور خود امام احمد بن حنبل رح سے منقول ایک قول سے حرمت ہی متعین ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

رہا آلاتِ موسیقی کا مسئلہ، سو اس بارے میں علمائے حنابلہ کے آراء تفصیل سے گذر چکیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ آلات موسیقی کے سلسلے میں سب سے سخت رویہ ائمہ اربعہ میں امام احمد بن حنبل کا معلوم ہوتا ہے۔ خود آپ نے، جب ایک غلام کے ہاتھ میں طنبور دیکھا تو اُسے چھین کر توڑ دیا۔ عمرو بن حسین نقل کرتے ہیں کہ:

کسر احمد بن حنبل طنبورا فی ید غلام لابی عبد اللہ نصر بن حمزۃ قال فذھب الغلام إلی مولاہ فقال کسر احمد بن حنبل الطنبور فقال لہ مولاہ فقلت لہ انک غلامی قال لا قال فاذھب فانت حر لوجہ اللہ تعالیٰ

(الامر بالمعروف والنھی عن المنکر ص ۱۴۲)

امام احمد بن حنبل نے نصر بن حمزہ کے غلام کے ہاتھ میں طنبورہ دیکھا تو توڑ دیا۔ غلام اپنے مالک کے پاس آیا اور امام صاحب کی شکایت کی۔ مالک نے فوراً پوچھا کہ "تم نے انھیں بتایا تھا کہ تم میرے غلام ہو؟" غلام نے جواب دیا "نہیں"، مالک نے کہا۔ پھر تو میں تمھیں اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں۔"

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گزشتہ سے پیوستہ)

نصر بن حمزہ کا سوال وجواب اور غلام کو آزاد کردینا صاف بتا رہا ہے۔ کہ وہ خود طنبورہ کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے غلام کے پاس اسکی موجودگی کو بھی عار سمجھتے تھے، جب انھیں پتہ چلا کہ ان کے غلام نے ان کا نام امام صاحب کو نہیں بتایا ہے۔ تو مارے خوشی کے انھوں نے غلام کو آزاد کردیا۔

اسی طرح عمرو بن صالح بیان کرتے ہیں کہ:

رأيت احمد بن حنبل مرّبه عود مكشوف فقام فكسره (")

"میں نے امام احمد بن حنبل کو دیکھا ہے کہ جب ان کے پاس سے ایک کھلا ہوا ستار لے جایا گیا۔ تو آپ نے کھڑے ہو کر اُسے توڑ دیا"۔

مثنی انباری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم امام احمد بن حنبل کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ:

سمع احمد بن حنبل حس طبل فی جواره فقام اليهم من مجلسنا حتى ارسل اليهم فنهاهم۔

(ایضاً ص ۱۱۶)

"امام صاحب کو اپنے پڑوس سے طبل کی آواز سنائی دی۔ تو آپ ہماری مجلس چھوڑ کر ان کی طرف متوجّہ ہو گئے اور انہیں بلوا کر منع فرمایا"۔

امام احمد بن حنبلؒ ہی نہیں، بلکہ ان کے شاگرد بھی آلاتِ موسیقی کو جہاں دیکھتے توڑ ڈالتے۔ ان حضرات نے امام احمد سے آلات موسیقی کے بارے میں جس قدر سوالات کئے ہیں، وہ بہت زیادہ ہیں۔ اگر ان تمام سوالات وجوابات کو یہاں لکھا جاتے تو بحث بہت طویل ہو جاتے گی۔ جن حضرات کو دلچسپی ہو وہ امام ابو بکر خلال کی کتاب "الامر بالمعروف والنهی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

عن المنکر ،، ملاحظہ فرمائیں۔ البتہ دو ایک سوال و جواب قارئین کے افادے کیلئے درج ذیل ہیں:

ابوبکر مروزی کہتے ہیں کہ:

سالت ابا عبد اللہ عن کسر الطنبور قال یکسر قلت الطنبور الصغیر یکون مع الصبی؟ قال یکسر ایضاً اذا کان مکشوفاً فاکسرہ۔

(ایضاً ص ۱۴۲)

"میں نے امام صاحب سے طنبورہ توڑنے کے بارے میں پوچھا۔ تو انھوں نے فرمایا" ہاں اُسے توڑ دیا جائے گا" میں نے عرض کیا" وہ چھوٹا طنبورہ بھی جو چھوٹے بچے کے پاس ہو؟" فرمایا" وہ بھی توڑا جائے گا۔ جب کبھی طنبورہ کھلا نظر آئے اُسے توڑ دو"

ابوالسفر بیان کرتے ہیں کہ:

انہ سأل ابا عبد اللہ عن رجل رأی فی ید رجل عوداً او طنبوراً فکسرہ اصاب او اخطاء وما علیہ فی کسرہ شئی؟ فقال قد احسن ولیس علیہ فی کسرہ شئی۔

(ایضاً ص ۱۴۵)

انھوں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا" اگر کوئی شخص کسی آدمی کے ہاتھ میں طنبورہ دیکھ کر اُسے توڑ دے تو کیا اس نے درست کیا؟ نیز کیا ایسے شخص پر تاوان آئے گا؟" امام صاحب نے فرمایا" اس نے اچھا کیا۔ اور

....

(گذشتہ سے پیوستہ)

"اس پر کوئی تاوان بھی نہیں"

اسی قسم کے سوالات امام صاحب سے ان کے اور بہت سے شاگردوں نے بھی کئے ہیں اور سب کو امام موصوف نے یہی ایک مذکورہ جواب دیا ہے۔

امام احمد سے آلاتِ موسیقی سے اشتغال رکھنے والے شخص کی تعزیر بھی منقول ہے، یحییٰ بن یزدان کہتے ہیں کہ:

انہ سأل ابا عبد اللہ عن الرجل یضرب بالعود والطنبور والمزامیر ھل علیہ ادب؟ وکم الادب فیہ اذا رفع الی السلطان؟ فقال علیہ ادب ولا اری یجاوز بالادب عشرۃ اسواط۔ (البضاعۃ ص ۱۳۰)

انہوں نے امام احمد بن حنبل سے سوال کیا کہ "ایک شخص عود، طنبورہ اور بانسری بجاتا ہے کیا اس کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔ اور اگر معاملہ بادشاہ تک پہنچ جائے تو کس حد تک تعزیر دی جاسکتی ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا، ہاں اسکی تادیب کی جائے گی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تعزیر دس کوڑوں سے زیادہ نہ ہو"

صوفیاء کرام کی رائے

گانے بجانے کے سلسلے میں صوفیاء کرام کا مسلک کچھ تو امام غزالیؒ کی کتاب "احیاء علوم الدّین"، کی عبارتوں کے ضمن میں گذر چکا ہے اور مزید تفصیل آگے ذکر کی جاتی ہے۔

امام سہروردی نے، جو کبار شافعیہ میں سے ہیں، اور صوفیاء کے ایک مکتب فکر کے بانی ہیں، اپنی کتاب "عوارف المعارف"، میں دو باب مسئلہ غنا پر بھی باندھے ہیں۔ پہلے باب میں اُنھوں نے غنا کی گنجائش اور جواز سے بحث کی ہے، اور دوسرے باب میں حرمت و ممانعت بیان کی ہے۔ اس پوری بحث میں فقہاء کے اس مسلک سے سرمو تجاوز نہیں کیا ہے کہ غنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، جن میں سے اگر کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو غنا حرام ہے۔ چنانچہ وہ دوسرے باب میں لکھتے ہیں:

"ہم سماع کے صحیح ہونے کی صورت اور جس حد تک اہل صدق کے لئے سماع مناسب ہے، بتا چکے، اب چونکہ سماع کی راہ سے فتنہ عام ہے، اور لوگوں میں صالحیت جاتی رہی ہے...... اور اس راہ میں وقت برباد ہوتا ہے، عبادات کی لذّت کم ہو جاتی ہے، اجتماعات کی چاٹ لگ جاتی ہے، نفسانی خواہشات کی تسکین اور ناچنے گانے والوں سے لطف اندوز

ہونے کے لئے سماع کی محفلیں منعقد کرنے کا شوق بار بار پیدا ہوتا ہے۔
حالانکہ یہ بات مخفی نہیں کہ اس قسم کے اجتماعات صوفیاء کے ہاں ناجائز اور مردود ہیں، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ "عارف مکین کے سوا کسی اور کے لئے سماع صحیح نہیں، اور مرید مبتدی کے لئے سماع جائز ہی نہیں[۵۱]"

غالباً اسی قول کے پیشِ نظر حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جب ان سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو یہی جواب دیا کہ :

"منتھی را باو حاجت نیست و مبتدی را مضر است"
منتھی کو اسکی ضرورت نہیں، اور مبتدی کے لئے نقصان دہ ہے۔

امام سہروردی آگے لکھتے ہیں :

حضرت جنید بغدادی رہ کا قول ہے کہ "جب تم کسی مرید کو سماع کی اجازت مانگتے دیکھو تو سمجھ لو کہ اس میں ابھی کچھ ناکارگی باقی ہے"
کہا جاتا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رہ نے سماع ترک کر دیا تھا (اور اپنے مریدوں کو بھی اس سے روک دیا تھا) ان سے کہا گیا کہ "آپ تو خود سماع سنا کرتے تھے؟" فرمایا "کن کے ساتھ؟" عرض کیا گیا "خود اپنے لئے سنا کرتے تھے" فرمایا "کن لوگوں سے سنا کرتا تھا؟"

وجہ یہ تھی کہ وہ حضرات ایسے ہم نشینوں کے ساتھ سماع فرماتے جو سماع کے اہل ہوتے تھے، اور ایسے لوگوں سے سماع سنتے تھے جو گانے کے اہل ہوتے تھے۔ اسی لئے جب حضرت جنید بغدادی رح کو ہم مزاج ساتھی نہیں ملے تو انہوں نے سماع ترک کر دیا۔

---

[۵۱] عوارف المعارف الباب الثالث والعشرون فی القول فی السماع رداً وانکاراً ص ۱۸۷،

حقیقت یہ ہے کہ بزرگانِ دین نے جب کبھی بھی سماع کو اختیار فرمایا، ہمیشہ کچھ حدود و قیود اور شرائط و آداب کا لحاظ رکھا اس کے ذریعہ وہ آخرت کی فکر، جنّت کی رغبت اور دوزخ کا خوف پیدا کرتے (دین و شریعت پر عمل کرنے کا) جذبہ اور طلب بڑھاتے اور اپنی (دینی اور اخلاقی) حالت کو بہتر بناتے تھے۔

علاوہ ازیں سماع سے وہ حضرات بعض بعض اوقات ہی شغل فرماتے تھے، اُسے اپنا مشغلہ اور عادت نہیں بناتے تھے کہ عبادات اور اعمال میں حرج پڑنے لگے"۔[1]

آگے لکھتے ہیں:

"علمائے شافعیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غیر محرم عورت سے خواہ وہ باندی ہو یا آزاد، پردے میں ہو یا سامنے، سماع جائز نہیں۔

امام مالکؒ کے ہاں یہ مسئلہ ہے کہ "اگر کسی نے باندی خریدی اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ مغنیہ ہے تو خریدار کو اختیار ہے کہ اس عیب کی بنا پر باندی واپس کر دے"۔ یہی رائے تمام اہل مدینہ کی ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا بھی مسلک ہے"۔

گانا سننا گناہ ہے، اور سوائے چند فقہاء کے سب اسے ناجائز کہتے ہیں۔ اور جو اُسے جائز کہتے ہیں وہ بھی مسجد اور دوسرے مقدس مقامات پر اسکی اجازت نہیں دیتے"۔[2]

امام موصوف نے اس کے بعد غناء کی کراہت و تحریم پر قرآن و حدیث سے دلائل پیش کیے ہیں، پھر لکھتے ہیں:

---

[1] عوارف المعارف ص ۱۸۸ [2] ایضاً

"مشہور صوفی اور ولی اللہ، حضرت فضیل بن عیاض کا قول ہے" گانا زنا کا افسوں ہے"

..... اگر کوئی شخص انصاف سے کام لے، اور ہمارے زمانے میں سماع کی محفلوں پر غور کرے، اور مغنی کا دف اور مطرب کا شبابہ لے کر بیٹھنے کو دیکھے، پھر سوچے کہ آیا اس قسم کا اجتماع کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی ہوا تھا؟ کبھی صحابہؓ نے بھی قوّال اور مغنّی کو بلوایا تھا؟ کبھی وہ حضرات بھی کسی مغنی کے گرد اس طرح پروانے بنکر بیٹھے تھے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ جواب انکار ہی میں ہوگا۔ تو پھر اگر سماع میں ذرا بھی نفع ہوتا اور اس سے کچھ بھی فائدہ اُٹھایا جاسکتا تو یہ حضرات اُسے اس طرح بغیر مس کئے مہمل نہ چھوڑ دیتے۔

جو شخص یہ کہے کہ سماع کوئی نیکی اور فضیلت کا کام ہے، جس کے لئے دوڑ دھوپ کی جاتی اور محفلیں جمائی جاتیں۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضا اور تابعین عظام رح کے حالات سمجھنے کا بالکل بھی ذوق نہیں۔

بعض متاخرین نے استحسان کا سہارا لے کر سماع کی کچھ گنجائش نکالی ہے، مگر افسوس! اکثر لوگ اس میں غلطی کر جاتے ہیں[1]

آگے لکھتے ہیں:

"جس وقت محفل سماع میں مغنّی بے ریش لڑکا ہو، تو فتنہ متوجہ ہوتا ہے، تمام خدا ترس لوگوں کے نزدیک یہ سماع قطعاً حرام ہے۔ حضرت بقیہ بن ولیدؒ کہتے ہیں" اسلاف بے داڑھی کے حسین لڑکے پر نظر

---

[1] عوارف المعارف ص ۱۸۹۔

ڈالنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔" حضرت عطاءؒ کا قول ہے " جس نظر میں بھی نفسانی خواہش ہو، اس میں کوئی بھلائی نہیں ۔" بعض تابعین فرمایا کرتے تھے کہ " میں کسی تائب نوجوان کے لیے خوفناک درندے کو اتنا خطرناک اور مہلک نہیں سمجھتا جتنا ایک بے ریش لڑکے سے اسکی مجالست کو۔"

خلاصہ یہ کہ جماعت صوفیاء کے لئے اب صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اس قسم کی محفلوں سے پرہیز کریں، اور مواضع تہمت سے بچیں۔ کیونکہ تصوف تو سراپا صدق وحقیقت ہے ، اسے ہرگز ہزل واستہزاء سے نہ ملائیں۔

(عوارف المعارف بہامش الاحیاء ج ۲ ص ۲۲۱)

علامہ ابن حجرؒ " کف الرعاع " میں لکھتے ہیں :

" قرطبیؒ نے امام طرطوسیؒ سے نقل کیا ہے کہ ان سے بعض لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا، جو ایک جگہ بیٹھ کر پہلے قرآن کریم کی کچھ تلاوت کرتے ہیں، اس کے بعد ایک شخص اُٹھ کر اشعار گاتا ہے، پھر سب مست ہو کر رقص کرتے ہیں، اور دف اور شبابہ بجاتے ہیں (اس طرح قرآن خوانی کی مجلس رقص وسرود کی محفل بن کر رہ جاتی ہے) کیا ایسے لوگوں کے ساتھ شریک ہونا جائز ہے ؟

آپ نے جواب دیا کہ : اکابرین صوفیاء کے نزدیک ایسا کرنا غلط کاری اور گمراہی ہے ، اسلام تو نام ہے صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔[1]"

---

[1] کف الرعاع بہامش الزواجر ج ۱ ص ۵۱، مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد اور اصول دو چیزیں ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ، اور یہ رقص وسرود کی محفلیں کتاب وسنت سے کہیں ثابت نہیں۔

آگے (یہ لکھنے کے بعد کہ رقص و سرود تو دراصل سامری کی ایجاد ہے، نیز صحابہ کرامؓ کی محفلیں تو اسقدر پروقار ہوتی تھیں کہ جب وہ بیٹھتے تو اتنے سکون سے بیٹھنے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں، جو ذرا حرکت سے اُڑ جائیں گے) لکھتے ہیں:

"جو شخص بھی خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ شریک ہو اور ان کی اس ناجائز کام میں معاونت کرے۔ یہی ائمہ اربعہ اور دوسرے مجتہدین کا مذہب ہے۔

بعض لوگ مشائخ کی حکایات اور ان کے افعال سے رقص و سرود کی اباحت پر استدلال کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی (وجد میں آکر معمولی درجہ میں ہاتھ پیر ہلانے) کے جواز کے منکر نہیں صرف ہیجڑے اور نچنیے پن کو ناجائز کہتے ہیں۔ آخر یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ مشائخ کرامؒ (رقاصاؤں کی طرح) ناچتے، لہراتے اور بل کھاتے تھے؟

چلیئے! اگر مان لیں کہ انہوں نے رقص کیا ہے، تو بتایئے آخر کہاں سے معلوم ہوا کہ (دل نرما دینے اور ایمان اور آخرت کی فکر پیدا کرنے والے اشعار سُنکر) وہ حضرات اس وقت اپنے آپے میں ہوتے تھے، اور وجد انہیں مجبور اور بے اختیار نہیں کر دیتا تھا؟

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم ان حکایتوں اور قصوں کو صحیح نہیں مانتے جن میں رقص و سرود کی نسبت ان بزرگوں کی طرف کی گئی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جس طرح زندیقوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کو نہ چھوڑا، اور لاتعداد من گھڑت باتیں اور احادیث ان کی طرف منسوب کر دیں، اسی طرح انھوں نے یہ حکایات اور قصص بھی

اپنی طرف سے گھڑ کر ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دیئے ہوں۔
اور اگر بفرض محال ان حکایات کو صحیح مان لیں، اور تسلیم کر لیں کہ ان حضرات نے یہ حرکات اپنے قصد و اختیار سے کی تھیں تو بھی ہمارے لئے سند صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے بعد صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کا عمل ہے۔ اور ہم تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ ان کا عمل ہرگز یہ نہ تھا[۱]،،

آگے لکھتے ہیں:

«کتنی پیاری بات ہے جو امام العارفین، قدوۃ العلماء، ابو علی رودباری رحمہ نے کہی ہے ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص آلات موسیقی سے لطف اندوز ہوتا ہے، اور دعویٰ کرتا ہے کہ "ایسا کرنا میرے لئے حلال ہے، کیونکہ میں اتنا پہنچا ہوا ہوں کہ احوال کا اختلاف مجھ پہ اثر انداز نہیں ہوتا" آپ نے جواب دیا "ہاں، وہ پہنچا ہوا ہے لیکن کہاں؟ جہنم میں[۲]!"

کچھ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ:

"یمن کے بعض ائمہ فرماتے ہیں "جہاں تک ہمارے زمانے میں رائج سماع کا سوال ہے، سو وہ بلا شبہ حرام ہے۔ کیونکہ اس میں منکرات ہوتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کا آزادانہ خلا ملا ہوتا ہے اور عوام اسکی وجہ سے ان گنت لغویات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لہٰذا حاکم (کے فرائض میں شامل ہے اور اس) پر واجب ہے کہ لوگوں کو سماع سے روکے"

(کف الرعاع ملخصاً علی ھامش الزواجر ج ۱ ص ۶۰)

صاحب "اقتباس الانوار،، نے حضرت بختیار کاکی رحمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے

۱؎ کف الرعاع ج ۱ ص ۵۱، ۵۲ ۲؎ کف الرعاع ج ۱ ص ۵۳

"سیر الاقطاب"، سے ایک قول نقل کیا ہے، جس کی نسبت قاضی حمید الدین ناگوری[51] کی طرف کی گئی ہے، پھر اس قول کی نسبت پر جرح کی ہے، لیکن وہ قول دین و شریعت کے قوانین کے عین مطابق ہے، اس لئے بجائے خود قابل قبول ہے، ہم ذیل میں "اقتباس الانوار" کی اصل عبارت مع اس قول کے نقل کرتے ہیں:

"(مجلس میں) قاضی حمید الدین بھی موجود تھے، کہنے لگے میں، حمید الدین سماع سنتا ہوں، اور علماء کے قول کے بموجب اسے حلال کہتا ہوں۔ کیونکہ میں مریض ہوں اور دردِ دل میں مبتلا ہوں، جس کا علاج صرف سماع ہی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح نے ایسے مریض کا علاج شراب سے کرنا جائز قرار دیا ہے، جس کے مرض کا علاج کسی دوسری دوا سے نہ ہو سکے۔ نیز اطباء کا بھی اتفاق ہو کہ مریض اس دوا سے صحت مند ہو جائیگا اسی بنیاد پر کہ میرے درد لا دوا کا علاج صرف سماع ہے، سماع کا سننا میرے لئے جائز ہے۔ جب کہ تمھارے لئے حرام ہے[52]۔

علامہ سجزی رح نے اپنی کتاب "فوائد الفؤاد"، میں حضرت نظام الدین اولیاء رح کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ:

"۸، شوال ۷۱۹ھ کی تاریخ تھی، حضرت (نظام الدین اولیاء) کی مجلس ہو رہی تھی، اور سماع کا مسئلہ زیر گفت گو تھا، حاضرین میں سے ایک صاحب نے حضرت سے عرض کیا " آپ کے لئے تو جب چاہیں سماع مباح ہو جاتے، اس لئے کہ یہ آپ کے لئے (بالکلیہ) حلال ہے" حضرت رح نے فرمایا، نہیں، جو چیز حرام ہوتی ہے، وہ کسی ایک کے لئے بھی حلال نہیں ہوتی، اور جو چیز حلال ہوتی ہے، وہ کسی شخص کے کہنے

---

[51] شیخ رکن بن حسام ناگوری نے اپنے "فتاویٰ حمادیہ" میں ان کا نام حماد الدین نقل کیا ہے واللہ اعلم (مصنف) [52] السنۃ الجلیۃ ص ۸۶

سے حرام نہیں ہو جاتی، بلکہ دراصل تحقیق یہ ہے کہ سماع ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، چنانچہ امام شافعی رح نے دف کے ساتھ سماع کو جائز قرار دیا ہے، جب کہ ہمارے مشائخ حنفیہ رح نے اسکی کبھی اجازت نہیں دی، اور ضابطہ یہ ہے کہ قضا اور حکم حاکم سے، مسائل مجتہد فیہ میں موجود اختلاف رفع ہو جاتا ہے۔ اور اس صورت میں حاکم خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اسی کی بات مانی جائے گی[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح "اخبار الاخیار" میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کا تذکرہ کرتے ہوئے جو کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے سب سے بڑے خلیفہ ہیں، لکھتے ہیں

"منقول ہے کہ ایک دن حضرت نظام الدین اولیاء کے کچھ مریدین نے ایک مجلس منعقد کی، اور عورتوں کے دف سے گانا سننے لگے، شیخ نصیرالدین محمود رح بھی اسی مجلس میں موجود تھے، آپ نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اُٹھ کر مجلس سے باہر جانے لگے، مگر آپ کے ساتھی وہیں بیٹھے رہے آپ نے فرمایا "یہ خلافِ سنت فعل ہے" ان لوگوں نے جواب دیا "کیا آپ سماع کا انکار کرتے ہیں اور اپنے پیر کے راستے کو چھوڑتے ہیں؟" شیخ نے جواب دیا "کسی کا عمل حجت نہیں (چنانچہ اگر میرے پیر سماع کرتے ہوں تو کیا کریں ان کا سماع فرمانا حلت سماع کے لئے دلیل نہیں کیونکہ حجت صرف کتاب و سنت ہی ہیں"

بعض غرض مندوں نے یہ بات حضرت نظام الدین اولیاءؒ تک پہنچا دی کہ شیخ محمود تو اب ایسا کہہ رہے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے جو شیخ محمود کے خلوص و صدق سے بخوبی واقف تھے، جواب دیا، محمود

---

[1] السنۃ الجلیہ ص ۲۸، ۲۹ و فوائد الفواد ص ۲۲۳، ۲۲۴

ٹھیک کہتے ہیں، حق بات وہی ہے، جو انہوں نے کہی"۔

"سیر الاولیا" میں لکھا ہے، کہ حضرت نظام الدین اولیاء کی مجلس میں نہ باجے بجتے، نہ تالی پیٹی جاتی، بلکہ اگر کوئی مرید باجے تاشے قسم کی کوئی چیز سننے کے لئے بھی جاتا، تو آپ اُسے منع کر دیتے اور فرماتے "یہ اچھا نہیں کیا"۔

"خیر المجالس" میں ہے کہ "شیخ نصیر الدین محمود رح کی خدمت میں ایک عزیز آیا اور کہنے لگا "بتائیے! یہ کہاں سے جائز ہے کہ محفل میں باجے، دف نای اور رباب وغیرہ ہوں، اور صوفیاء رقص کریں؟"

شیخ نے جواب دیا کہ "باجے باجماع ناجائز ہیں (دیکھو) اگر سلوک کے کسی ایک طریق کو چھوڑ دو گے (اور دوسرا اختیار کر دو گے) تو کم از کم شریعت میں تو رہو گے اور اگر شریعت کو چھوڑ دو گے تو کہاں جاؤ گے؟ اور پھر اختلاف تو صرف سماع کے بارے میں ہے، کہ بعض علماء کے نزدیک سماع چند شرائط کے ساتھ اہل حضرات کے لئے مباح ہے۔ جہاں تک باجوں کا تعلق ہے، وہ تو باجماع حرام ہے[1]"۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح نے "فرع الاسماع" میں لکھا ہے کہ:

"شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مریدین کہتے ہیں کہ" ہمارے شیخ کا فرمان ہے کہ جو شخص راگ کو باجوں کے ساتھ سنے وہ ہماری بیعت وارادت سے نکل گیا[2]"۔

شیخ علی بن محمد جاندار رح نے، جو حضرت نظام الاولیاء کے خلفاء میں سے ہیں، "درر نظامیہ" میں لکھا ہے:

شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کہتے ہیں، کہ سماع کی چار قسمیں ہیں،

---

[1] السنۃ الجلیہ ص ۵۵، ۵۶ واخبار الاخیار ص ۸۰ [2] السنۃ الجلیہ ص ۵۷ و فرع الاسماع ص ۳۹۔

حلال، حرام، مکروہ، اور مباح۔ ان میں سے مباح کے لئے کچھ شرطیں ہیں"

(۱) مغنی مرد کامل ہو نہ امرد ہو نہ عورت

(۲) سامع اللہ والا ہو، نفس پرست نہ ہو۔

(۳) مضمون فحش اور ناجائز نہ ہو۔

(۴) سماع کے ساتھ آلاتِ موسیقی اور باجے نہ ہوں"[1]

"اقتباس الانوار" سے لیکر یہاں تک تمام تر عبارات مولانا اشرف علی تھانوی رح کی کتاب "السنة الجلية فى الچشتيه العلية" کے مختلف مقامات سے نقل کی گئی ہیں۔

یہ ہیں ائمہ مجتہدین کے مذاہب اور بزرگانِ دین کے اقوال جنھیں بڑی عرق ریزی اور محنت سے جمع کیا گیا ہے تاکہ قارئین کے سامنے متعلقہ مسئلہ کے تمام پہلو واضح ہو جائیں۔ چنانچہ اب اللہ کے فضل وکرم سے مسئلہ کی حقیقت تک پہنچنا آسان ہو گیا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

---

[1] السنۃ الجلیہ ص ۸۵

باب پنجم

معتدل فیصلہ

اس زمانے میں "اہل" کے لئے بھی سماع کے جواز کا فتویٰ نہیں دینا چاہیئے اس لئے کہ فساد زمانہ اس حد تک پہنچ چکا ہے، کہ ہر شخص یہی دعویٰ کرتا ہے کہ "میں تو سماع کا اہل ہوں" اور یہ بات صحیح ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنے زمانے ہی میں سماع سے توبہ کر لی تھی، باوجود اس کے کہ آپ معرفت و تقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے، لہذا بہتر یہی ہے، کہ سماع کو برائیوں کی تہمت اور ابتلاء فساد سے بچنے کے لئے بالکل ہی چھوڑ دیا جاتے۔"

(ملا جیون ؒ)

معتدل فیصلہ

ائمہ اربعہؒ کے مذاہب اور مشائخ اور صوفیاء کے اقوال کا خلاصہ یہ نکلا کہ گانے بلبجے کی ایک قسم باتفاق حرام ہے، اور اسکی حرمت پر عہد رسالت سے آج تک امت کے تمام علماء اور جماعتوں کا اجماع ہے وہ یہ ہے:

غناء حرام جو گانا باجماع حرام ہے، اسکی کتنی صورتیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

① ہر وہ گانا جو محض لہو ولعب کے لئے گایا جائے، کوئی صحیح دینی یا دنیوی غرض پیشِ نظر نہ ہو، خواہ خود لینے لئے گایا جائے یا دوسرے کے لئے اور خواہ آلات موسیقی کے ساتھ ہوں یا نہ ہوں۔

② ایسے تمام باجوں اور بانسریوں کا استعمال جو بذاتہ سرور پیدا کرتے ہوں، اور ان کی وضع ہی لہو ولعب کے لئے ہو، خواہ تنہا استعمال ہوں یا گانا بھی ساتھ گایا جائے۔

③ ہر وہ گانا جو انہماک اور غفلت پیدا کر کے ترکِ واجب کا سبب بنے، یا اسکی وجہ سے کسی حرام کام میں ابتلاء ہو، مثلاً گانے کا مضمون فحش اور ناجائز ہو، یا مغنی گانے کا اہل نہ ہو اور اس سے گانا سننا ناجائز ہو یا اسی قسم کی کوئی اور منکر ہو۔

④ گانے یا موسیقی کو پیشہ بنانا، یا آلاتِ موسیقی تیار کرنا، یا ان دونوں کو کسی طور سے بھی ذریعۂ معاش بنانا۔

ان چاروں صورتوں کو آج تک کسی بھی مسلمان نے جائز نہیں کہا، اور نہ ان کے جواز کا ادنیٰ شائبہ بھی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ یا صحابہؓ اور تابعین کے عمل سے معلوم ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام اور مشائخ عظام کے عمل سے بھی ان چاروں صورتوں کی حرمت ہی ثابت ہوتی ہے، جو شخص ان میں سے کسی ایک صورت کو بھی صوفیاء میں سے کسی بزرگ کی طرف منسوب کرتا ہے، وہ اس مقدس گروہ پر بہتان باندھتا اور جھوٹ بولتا ہے۔

جن آیات اور روایات سے گانے بجانے کی حرمت معلوم ہوتی ہے، ان کا محمل بالاتفاق یہی قسم ہے۔

غناء مباح گانے کی ایک قسم کی اباحت پر تمام امت کا اجماع ہے، وہ یہ کہ آدمی آواز کو بنا سنوار کر طبعی طرز کے مطابق ترنم سے اشعار پڑھے، نہ تو موسیقی کے قوانین کا لحاظ رکھے اور نہ گویوں سے مشابہت پیدا کرے۔ البتہ اس قسم کے جواز کے لئے بھی چند شرطیں ہیں:

① گانے سے مقصد محض لہو و لعب نہ ہو، بلکہ کوئی صحیح غرض پیشِ نظر ہو جیسے دفع وحشت، قطع مسافت اور حمل ثقیل وغیرہ۔

② اشعار کے مضمون میں کوئی ناجائز بات نہ ہو۔

③ گانے کو ایسا مشغلہ اور عادت نہ بنایا جائے، کہ مقاصدِ زندگی سے ہی غفلت پیدا ہو جائے۔

غناء کی یہ قسم باجماع مباح ہے، البتہ اس سلسلہ میں شیخ الاسلام کا جو اختلاف تھا، اس کا جواب ہم لکھ چکے ہیں۔

آلات میں سے صرف دف، نکاح کے موقع پر، باجماع مباح ہے۔ بشرطیکہ اس میں گھنگرو نہ ہوں۔

اگر آپ غور سے دیکھیں، تو معلوم ہوگا کہ غناء کی یہ قسم آج کل کے گانے میں شامل نہیں۔ حدیث کے عام روایات اور آثار میں غنا کی اباحت اسی نوع سے آگے نہیں بڑھتی، جن بزرگوں سے غناء میں اشتغال ثابت ہے، وہ بھی اسی قسم میں منحصر ہے۔

غناء مختلف فیہ گانے بجانے کی ایک قسم ایسی ہے، جس کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، مذکورہ دونوں قسموں کے علاوہ غناء کی تمام صورتیں اسی قسم میں داخل ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) نکاح کے علاوہ کسی اور موقع پر دف بجانا یا نکاح میں بانس یا وہ دف بجانا جس میں گھنگرو ہوں، یا اس قسم کے آلات استعمال کرنا جو وضعاً اور استعمالاً لہو ولعب کے ساتھ خاص نہ ہو، اسی ذیل میں تالی پیٹنا، کھڑکھڑاہٹ اور مٹکا وغیرہ بجانا بھی آتا ہے،

ان چیزوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض شوافع اور بعض صوفیاء چند شرطوں کے ساتھ اس کے جواز کے قائل ہیں، جب کہ جمہور علماء کے نزدیک ان کا استعمال بھی مکروہ ہے۔

(۲) چند شرائط کی پابندی کرتے ہوئے دوسروں کے لئے گانا گانا جو یہ ہیں (یہ شرطیں پہلے بھی فتاوی خیریہ بحوالہ تاتارخانیہ ونصاب الاحتساب گذر چکی ہیں۔)

(۱) سامع نفس پرست نہ ہو بلکہ متقی اور پرہیزگار شخص ہو، اور محض لطف اندوزی اس کا مقصد نہ ہو، اور سماع کا ایسے ہی محتاج ہو جیسے

مریض دوا کا ہوتا ہے۔

(۲) کوئی امرد (بے ریش لڑکا) وہاں موجود نہ ہو۔

(۳) تمام حاضرین ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہوں، ان میں کوئی فاسق اور دنیا دار نہ ہو، اور نہ کوئی عورت ہو۔

(۴) قوال مخلص ہو، اور اس کا مقصد حصولِ اجرت یا حلوے مانڈے کھانا نہ ہو۔

(۵) لوگ کھانے پینے یا لنگر کے لئے اکٹھے نہ ہوتے ہوں۔

(۶) صرف اس وقت کھڑے ہوں، جب حقیقۃً وجد طاری ہوجائے' اور مغلوب الحال ہوجائیں۔

جب سماع میں ان چھ شرائط کی پابندی کی جائے، اور ساتھ ہی موسیقی کے وہ آلات بھی استعمال نہ کئے جائیں، جن کی حرمت پر اجماع ہے' تو اس صورت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، شوافع اور بعض علماء احناف ــــــ جیسے صاحب نصاب الاحتساب اور صاحب فتاوٰی تاتارخانیہ ــــــ کے نزدیک یہ مباح ہے (چنانچہ ان کی عبارتیں گذر چکی ہیں) مفتی بغداد علامہ آلوسی رح کا رجحان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اگر گانا دوسروں کے لئے گایا جائے، اور مقصد لہو ولعب نہ ہو' بلکہ ذکر اللہ کے لئے نشاط پیدا کرنا پیش نظر ہو، ــــ جیساکہ ہمارے بلاد میں بعض ذکر کے حلقوں میں یہ معمول ہے ـــ تو اگر یہ کسی خرابی کو متضمن نہ ہو تو اس کی اباحت کا احتمال ہے، ویسے شاید یہ کراہت کے زیادہ قریب ہے" (روح المعانی ج ۶ ص ۴۶۸)

اس صورت کے بارے میں امام احمد رحمہ سے دو روایتیں منقول ہیں امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک یہ مکروہ ہے، اور عام علماء حنفیہ اور مشائخ مذہب بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ متاخرین میں سے بعض صوفیاء کرام کے بارے میں جو آتا ہے کہ انھوں نے سماع فرمایا، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے شوافع اور بعض حنفیہ کا مسلک اختیار کیا ہے، نیز انھوں نے سماع سے بحالتِ مجبوری ہی تعرض کیا ہے، اور اسی وقت سماع فرمایا ہے جب اس کے ایسے ہی محتاج ہو گئے، جیسے ایک مریض دوا کا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان بزرگوں کو لعنت ملامت کرنا سراسر ظلم وخسران ہے، اور ایسے شخص کے لئے جو خوفِ خدا اور ذوق صالح سے محروم ہو، اور ان چھ شرائط کا لحاظ نہ رکھ سکتا ہو ان کی نقل میں سماع کرنا سوائے حماقت اور آخرت برباد کرنے کے کچھ نہیں۔ نعوذ باللہ من الخسران والعصیان ونسئلہ اتباع مرضاتہ وحبّ اولیائہ فی کل حال وشان۔

اختلاف ائمہ کی بنیاد

زیر بحث مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف اصولِ فقہ کے ایک معروف قانون کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، جو "سد الذرائع" کے نام سے مشہور ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی مباح، مستحب یا مسنون فعل کے ساتھ عرفاً اور عادۃً ہمیشہ کوئی منکر (ناجائز امر) لگا رہے، اور شاذ و نادر ہی اس سے الگ ہوتا ہو، تو کیا اس فعل کو بھی مکروہ یا حرام کہہ کر مطلقاً ممنوع قرار دے دیا جائے گا۔ یا تفصیل کی جائے گی اور یوں کہا جائے

گا کہ جب اس فعل کے ساتھ منکر ہو یا یہ منکر کا سبب بنے صرف اس وقت ناجائز ہے، ورنہ اس کی اصل حیثیت برقرار رہے گی۔

قانون "سدّ الذرائع" کے کیا حدود وقیود ہیں اس بارے میں ائمہ اربعہ کا باہمی اختلاف ہے۔

علماء حنفیہ اور مالکیہ کا اس سلسلہ میں طریقۂ کار یہ ہے کہ پہلے وہ زیر بحث فعل کی نوعیت پر غور کرتے ہیں، کہ آیا وہ دین کے شعائر اور شریعت کے مقاصد میں سے ہے، یا اسکی حیثیت کچھ اور ہے۔

پھر اگر وہ فعل دین کے شعائر اور شریعت کے مقاصد میں سے ہو، تو یہ حضرات اس کے بالکلیہ ترک کا حکم نہیں دیتے، بلکہ اس کی اصلاح اور اسے منکرات سے پاک صاف کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن اگر اس کی اصلاح اور تطہیر بھی کسی شخص کی قدرت واختیار سے باہر ہو تو یہ علماء ان منکرات کے باوجود شرکت کی اجازت دیتے ہیں۔

چنانچہ علامہ کاسانی رح لکھتے ہیں:

"کسی مسنون فعل کو، صرف اس وجہ سے کہ اس کے ساتھ گرد وپیش میں کوئی معصیت پائی جاتی ہے، نہیں چھوڑا جا سکتا۔ آپ نہیں دیکھتے کہ جنازے کی مشایعت اور میت کی حاضری (تعزیت) کو ترک نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ وہاں نوحہ، گریبان چاک کرنا اور ایسی ہی دوسری معصیتیں ہو رہی ہوں"

(بدائع الصنائع ص ۱۲۸ ج ۵)

علامہ آلوسی رح امام مقدسی رح کی کتاب "الرمز" سے نقل کرتے ہیں:

"ہمارے فقہاء کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شریعت کے کسی مطلوب فعل کو بدعت کی مقارنت کی بناء پر چھوڑا نہیں جائے گا، جیسے دعوت کی قبولیت سے اس وجہ سے انکار کرنا کہ وہاں ملاھی (موسیقی وغیرہ) ہیں، یا نماز جنازہ چھوڑ دینا اس وجہ سے کہ وہاں نوحہ کرنے والی عورتیں ہیں (درست نہیں) ہاں اگر کوئی شخص روکنے پر قادر ہے تو روک دے، ورنہ صبر کرے۔ البتہ اگر آدمی مقتدا یا پیشوا ہو تو شرکت ہی نہ کرے، اس لئے کہ اسکی شرکت میں دین کی اہانت ہے۔

(روح المعانی قدیم ج ۲ ص ۵۵)

یہی حکم جہاد میں شرکت کا ہے، کہ اگرچہ وہاں کوئی منکر پایا جائے اور یہ اس کے ازالہ پر قادر نہ ہو، تب بھی شرکت کرے، کیونکہ جہاد دین کے شعائر میں سے ہے۔

اور اگر وہ فعل شریعت کے مقاصد اور دین کے شعائر میں سے نہ ہو، بلکہ مباحات یا مستحبات میں سے ہو، تو جب اس کے ساتھ کوئی منکر لگ جائے، یا عادۃً وہ کسی منکر کا سبب بنتا ہو تو فقہاء سرے سے اس عمل ہی کو مکروہ و ممنوع قرار دے دیتے ہیں، اگرچہ وہ عمل بعض اوقات منکر سے خالی بھی ہوتا ہو۔ اس طرح برائی میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ختم ہو جاتا ہے، اور کسی حرام کے ارتکاب کا خوف باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ وہ عمل خواہ خود صاحب معاملہ کے حق میں منکر سے خالی ہو، پھر بھی دوسروں کو منکر میں مبتلا کرنے کا سبب بنتا ہے، اور جو چیز بھی معصیت کا سبب بنتی ہے، وہ خود معصیت ہے۔ چنانچہ علامہ ابراہیم حلبی "کبیری شرح منیۃ المصلی"، میں علامہ زاھدی کی "شرح قدوری"

سے "سجدتین بعد الصلوات" کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

"یہ جو نماز کے بعد (دو سجدوں کو ادا) کیا جاتا ہے، مکروہ ہے"

(کبیری ص ۵۷۳)

اس لئے کہ جہلاء اُسے سنت یا واجب سمجھنے لگتے ہیں اور جو مباح بھی بد اعتقادی کا سبب بنے مکروہ ہے۔

فقہ اسلامی میں اس قانون کی اور بہت سی نظیریں بھی ملتی ہیں مثلاً:

(۱) امام ابو حنیفہ رح نے ھدی کے اِشعار کو مکروہ قرار دیا ہے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اشعار کرنا ثابت ہے، وجہ یہ ہے کہ امام صاحب نے محسوس کیا کہ لوگ اس معاملہ میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور پھر اشعار کوئی امر مقصود بھی نہیں ہے، اس لئے آپ نے سد ذرائع کے لئے مطلقاً اِشعار سے منع فرما دیا۔

(۲) نفل نماز با جماعت ادا کرنا (سد ذرائع کی وجہ ہی سے) مکروہ ہے، حالانکہ آثار سے بعض اوقات جماعت سے ادا کرنا بھی ثابت ہے۔

(۳) کفار کے معبودوں کو برا بھلا کہنا بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی رح نے لکھا ہے:

"یہ آیت دلیل ہے کہ جب کوئی طاعت نتیجۃً کسی معصیت کا سبب بنے، تو اُسے چھوڑ دینا ضروری ہے، اس لئے کہ جو چیز شر تک مفضی ہو وہ خود شر ہے"

(تنبیہ) اس مقام پر اکثر لوگوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے، اور وہ دو چیزوں کو آپس میں گڈمڈ کر دیتے ہیں، خوب سمجھ لیجئے، ایک ہے

کسی شے کا معصیت تک پہنچانا اور اس کا سبب بننا۔ اور ایک ہے کسی شے کا معصیت کے ساتھ جمع ہونا، لیکن معصیت کے لئے سبب نہ بننا، پہلی صورت میں وہ شے معصیت کا سبب بننے کی وجہ سے خود معصیت بن جاتی ہے، جب کہ دوسری صورت میں خود شے معصیت نہیں بنتی، اس امر پر تنبیہ علامہ آلوسی رح نے بھی کی ہے، وہ آگے لکھتے ہیں:

"یہ حکم اس طاعت کا نہیں جو کسی ایسی جگہ کی جاتے، جہاں معصیت ہو رہی ہو، اور اُسے مٹانا بھی ممکن نہ ہو۔ اکثر ان دونوں صورتوں میں اشتباہ ہو جاتا ہے، چنانچہ حضرت ابن سیرین نے ایسے جنازے میں شرکت نہیں فرمائی، جس میں عورت و مرد دونوں کا خلا ملا تھا، جب کہ حضرت حسن بصری رح نے ان سے اختلاف کیا اور یہ کہہ کر شریک ہو گئے کہ "اگر ہم کسی طاعت کو معصیت کی وجہ سے چھوڑ دیں تو یہ چیز بہت جلد ہمارے دین میں رخنہ ڈال دے گی" وجہ یہ تھی کہ حضرت حسن بصری رح نے ان دونوں صورتوں میں فرق کیا تھا"

مالکیہ کی رائے

مشہور مالکی فقیہ علامہ شاطبی رح نے "الاعتصام" میں اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے، کہ بعض اوقات شریعت میں کوئی عمل "اصلاً" مشروع ہوتا ہے، مگر پھر بدعت کا ذریعہ بننے کی وجہ سے اُسے بدعت جیسا سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"جب نوافل پر سنن رواتب کا سا التزام کیا جائے، خواہ ہمیشہ ایسا کیا جائے، یا خاص وقتوں میں، خاص مقدار کا التزام کیا جائے اور ان نوافل کو ایسی مساجد میں جماعت سے پڑھا جائے، جہاں فرض نماز ادا کی جاتی ہے، یا ان مقامات پر انھیں ادا کیا جائے، جہاں سنن رواتب ادا کی جاتی ہے، تو یہ بدعت ہے[۱]۔

آگے لکھتے ہیں:

"کسی نفل کام کو، جو سنت نہیں، سنت کی طرح کرنا، اس نفل کو اس کے مخصوص شرعی مقام سے ہٹا دیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عوام اور جہلاء اس کام کو سنت سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ یہ اعتقادی غلطی ایک بڑا فساد ہے' اس لئے کہ جو کام سنت نہیں، اس پر سنت جیسا اہتمام کرنا، دین میں ایک طرح کی تحریف ہے، اور اس کی مثال بالکل ایسے ہے، جیسے کسی فرض کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ وہ فرض نہیں، یا کسی غیر فرض کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ وہ فرض ہے[۲]

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں

"اسی سے سلف صالحین کا قصداً و ارادۃً بعض سنتیں ترک کرنے کا عذر بھی معلوم ہو گیا، (کہ وہ ایسا اس لئے کرتے تھے) کہ مبادا کوئی جاہل انھیں فرض نہ سمجھ بیٹھے۔

اسی وجہ سے اکثر بزرگوں نے آثار کے پیچھے پڑنے سے منع

۱؎ الاعتصام ج ۲ ص ۹۴

۲؎ ایضاً

فرمایا ہے، ابن وضاح کہتے ہیں کہ میں نے مفتیٔ طرطوس عیسیٰ بن یونس سے سنا ہے، کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم جاری فرمادیا، جس کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت (رضوان) کی گئی تھی، چنانچہ اُسے کاٹ دیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ (آپ نے دیکھا کہ) لوگ وہاں پہ جاتے، اور اس درخت کے نیچے نماز پڑھا کرتے ہیں۔ اس سے آپ کو خدشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ اس درخت کی وجہ سے (شرک وغیرہ کے) فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں، چنانچہ آپ نے اسے کٹوا دیا۔

ابن وضاح ہی فرماتے ہیں، کہ امام مالک اور دیگر علماء مدینہ حضورؐ کے ان آثار (کی زیارت) کے لئے جانے کو مکروہ سمجھتے تھے، البتہ صرف قباء کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے تھے[۱]۔"

آگے لکھتے ہیں:

"امام مالک ہر بدعت (نئی چیز) کو مکروہ سمجھتے تھے، خواہ وہ کسی نیک کام ہی میں کیوں نہ ہو۔ اور وہ یہ سب اس لئے کرتے تھے، تاکہ اس کے ذریعہ ایک غیر مسنون عمل کو مسنون اور ایک غیر مشروع عمل کو مشروع بن جانے سے روکیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام مالک زیارتِ بیت المقدس کے لئے سفر کو مکروہ سمجھتے تھے، اس لئے کہ آپ ڈرتے تھے کہ کہیں اس عمل کو مسنون نہ سمجھ لیا جائے، نیز اسی وجہ سے آپ قبور شہداء کی زیارت اور قباء جانے کو مکروہ سمجھتے تھے، حالانکہ روایات

---

[۱] الاعتصام ج ۲ ص ۹۵

سے ان اعمال کی ترغیب معلوم ہوتی ہے، مگر جب علماء ان سے برے نتائج کا اندیشہ محسوس کرتے ہیں، تو ان سے روک دیتے ہیں، چنانچہ شرعی نقطۂ نگاہ سے اگرچہ یہ اعمال جائز اور مستحب ہیں، مگر علماء انہیں بدعات کی زد سے بچانے کے لئے مکروہ بتاتے ہیں۔

(الاعتصام ج ۲ ص ۹۷)

علامہ شاطبیؒ نے ہی "الموافقات" میں بھی لکھا ہے کہ:

انہی (اصولی قواعد) میں سے ایک قاعدہ سد ذرائع کا ہے، جس کا امام مالکؒ نے اکثر فقہی ابواب میں لحاظ رکھا ہے، اس لئے کہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ جو امر مصلحت کے مطابق ہے، اس تک پہنچا جا سکے..... جن بعض فقہاء مثلاً امام شافعیؒ وغیرہ نے سد ذرائع کا حکم ساقط کیا ہے، انہوں نے بھی ہر فعل کے انجام کا پورا پورا اعتبار کیا ہے...... (فرق امام شافعیؒ اور ادر مالکؒ کے درمیان صرف یہ ہے کہ امام شافعیؒ اس شخص کو متہم نہیں قرار دیتے جس سے معصیت کا قصد ظاہر نہ ہوتا ہو، جب کہ امام مالکؒ اس شخص کو بھی متہم قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس سے فعل لغو صادر ہوتا ہے، جو خود اس بات کی دلیل ہے، کہ اس کا ارادہ ارتکاب معصیت ہی کا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا، کہ سد ذرائع کا قانون فی الجملہ تمام فقہاء کے ہاں لائق اعتبار ہے اور اختلاف درحقیقت ایک دوسرے امر میں ہے۔

(الموافقات ج ۴ ص ۱۹۸)

شافعیہ کی رائے

علمائے شافعیہ قانون سد ذرائع کو سرے سے مہمل تو نہیں کہتے۔ البتہ اس میں کچھ وسعت سے ضرور کام لیتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ جب کوئی فعل بجائے خود مباح یا مندوب ہو، اور ایک شخص منکرات سے بچتا ہوا اسے کر سکتا ہو، تو خواہ کسی دوسرے کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو یا نہ ہو، اس کے لئے یہ فعل جائز ہے، ہاں! اگر وہ نیت ہی یہ رکھتا ہو، کہ اپنے اس فعل سے دوسروں کو فتنہ میں مبتلا کرے تو اس کے لئے بھی یہ فعل جائز نہیں۔

علمائے حنفیہ اور مالکیہ عرف اور عادت عامہ کو نیت کے قائم مقام سمجھتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی مباح یا مندوب فعل مقاصد اصلیہ میں سے نہ ہو، اور عرفاً اور عادۃً اس کے ساتھ ہمیشہ منکرات پائے جاتے ہوں اور شاذونادر ہی وہ منکرات اس سے جدا ہوتے ہوں، تو اس فعل کے ساتھ منکرات کا لزوم لوگوں کو فتنہ اور برائیوں میں مبتلا کرنے کی نیت کے قائم مقام ہوگا اور یہ حضرات ایسے فعل کے سرے سے ترک کرنے کا حکم دے دیں گے۔

اسی قبیل سے وہ تمام اضافی بدعتیں ہیں، جو اصل میں جائز اور مندوب اعمال تھے، پھر ان کے ساتھ عام طور پر منکرات لگتے جانے لگے، جیسے میلاد شریف کی محفلیں، اور چند مخصوص دنوں (مثلاً سوئم یا چہلم) میں ایسے خاص طریقوں سے میت کی طرف سے کھانا کھلانا، جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی، علمائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ ان افعال کو سرے سے

چھوڑنے کا حکم دیتے ہیں، اور انہیں بدعات میں شمار کرتے ہیں، جب کہ علمائے شافعیہ اپنے اصول کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ جو محفل دا جتماع منکرات اور معاصی سے پاک ہو، وہ جائز ہے۔ اور جو منکرات اور معاصی سے پاک نہ ہو وہ جائز نہیں۔ بلکہ علامہ تاج الدین سبکی رح کے کلام سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پوری محفل کو ناجائز نہیں قرار دیا جائے گا، بلکہ اس میں کبھی جو فعل ناجائز ہوگا اُسے ناجائز کہیں گے، اور جو جائز ہوگا اُسے جائز۔ چنانچہ وہ "توشیح" میں لکھتے ہیں کہ:

"فان انضم الیہ محرم فلکل منہما حکمہ"

(روح المعانی ج ۶ ص ۴۷)

یعنی اگر کسی مباح فعل کے ساتھ کوئی ناجائز امر مل جائے تو ہر ایک کا اپنا الگ الگ حکم ہوگا۔

جب کہ علامہ مناوی رح نے جامع صغیر کی شرح میں لکھا ہے:

"ان مذہب الشافعی انہ مکروہ تنزیہا عند امن الفتنۃ"

(روح المعانی ج ۶ ص ۴۶۴)

یعنی ایسی صورت میں امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ وہ مباح فعل بھی مکروہ تنزیہی ہوگا، بشرطیکہ فتنہ سے امن ہو۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رح نے احیاء العلوم میں جوازِ سماع کی شرائط کا لحاظ نہ رکھنے کی صورت میں، سماع کی حرمت و کراہت کی تصریح کی ہے، اس کے بعد لکھا ہے:

آپ پوچھیں گے کہ برائی کے سدباب کے لئے آیا سماع ہر حالت

میں حرام ہے، یا نہیں، بلکہ صرف اسی صورت میں حرام ہے جب کہ فتنہ کا اندیشہ ہو، اور صرف ایسے شخص کے لئے حرام ہے، جس کے فتنہ میں پڑ جانے کا خدشہ ہو؟

میں عرض کرتا ہوں، کہ فقہی نقطۂ نگاہ سے یہ مسئلہ محتمل ہے، اور اس میں دو اصول کام کر رہے ہیں، ایک یہ کہ اجنبی عورت کے ساتھ خلوت اور اس کے چہرے کی طرف دیکھنا۔ خواہ فتنہ کا اندیشہ ہو یا نہ ہو۔ بالکل حرام ہے۔ کیونکہ اجنبی عورت میں ہر صورت میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے شریعت نے فتنہ کے خارجی وجود کا لحاظ کئے بغیر بالکل سدِّ باب کر دیا ہے (لہٰذا اجنبی عورت سے سماع بالکل حرام ہے) دوسرا یہ کہ لڑکوں کی طرف دیکھنا جائز ہے، الا یہ کہ فتنہ کا اندیشہ ہو، کہ پھر جائز نہیں چنانچہ لڑکوں کا حکم عورتوں سے مختلف ہوگا اور انہیں عموم ممانعت میں عورتوں کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا بلکہ حالات کے مطابق عمل کیا جائے گا (لہٰذا اگر لڑکے سے سماع میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو سماع حرام ہے اور اگر اندیشہ نہ ہو تو سماع جائز ہے)

(احیاء علوم الدین ص ۲۴۸ ج ۲)

احقر کے خیال میں دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ غالباً یہ ہے، کہ یہاں ایک دوسرا شرعی قانون کار فرما ہے، وہ یہ کہ "ان المشقۃ تجلب التیسیر"، لیعنی مشقت لیسر (سہولت) لاتی ہے، اور اسی قانون کی بناء پر عموم بلوی کی شریعت میں ان گنت مقامات پر رعایت برتی گئی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی نظر کی صورت میں چونکہ عورتوں سے بچنا نسبتاً"

زیادہ آسان ہے، اس لئے قطعی حرمت کا حکم لگا کر سدِ باب کر دیا گیا۔ مگر لڑکوں سے نظر بچانا اور احتراز کرنا اتنا آسان نہیں، جتنا عورتوں سے ہے، کیونکہ لڑکے پردہ نہیں کرتے، اکثر و بیشتر ان سے بیع و شراء وغیرہ کے معاملات کرنا پڑتے ہیں، ان کی تعلیم و تربیت بھی کرنا پڑتی ہے، اس لئے لڑکوں کی صورت میں دو اصولوں کے تقاضے متضاد ہیں اور ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اپنا اثر دکھائے۔ ایک قانون سدِ باب[1] ہے اور دوسرا قانون تیسیر[2]۔ اسی وجہ سے علماء نے مختلف حالات اور صورتوں میں مختلف حکم لگاتے ہیں، لہٰذا جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں دیکھنے سے ممانعت کر دی اور جہاں فتنہ کا اندیشہ نہیں ہو وہاں اجازت دے دی۔ گویا یہ حالتیں ایک دوسرے قانون (قانونِ تیسیر) کی بناء پر سدِ باب کے عمومی قانون سے مستثنیٰ ہیں۔

لیکن جب ہم لڑکوں سے سماع و غناء کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں، تو اس درجہ شدید ضرورت نہیں پاتے، جیسا کہ ان سے معاملات اور تعلیم وغیرہ کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ان سے سماع و غناء اور ان کی طرف دیکھنے کا حکم بھی وہی ہو جو اجنبی عورت کی طرف دیکھنے اور اس کے ساتھ خلوت کرنے کا ہے، چنانچہ فتنہ کا اندیشہ ہو یا نہ ہو، اس کی ممانعت کا حکم ہی گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] قانونِ سدِ باب کا تقاضا یہ ہے کہ لڑکوں کی طرف دیکھنا جائز نہ ہو، کیونکہ ان کی طرف دیکھنے سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے۔

[2] قانونِ تیسیر کا تقاضا یہ ہے کہ کیونکہ لڑکوں سے صبح و شام بکثرت اختلاط ہوتا ہے، اور وہ پردہ بھی نہیں کرتے، اس لئے عموم بلوی کی وجہ سے ان کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

معتدل روش

خلاصہ یہ کہ فقہا کا نقطۂ نظر غنا[1] کے سلسلے میں مختلف ہے، اور ہر ایک کے اپنے دلائل ہیں۔ لہٰذا متاخرین میں بعض صوفیاء سے سماع کے جو قصے منقول ہیں اگر انہیں صحیح مان لیا جاتے تو بھی غناء ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اسی لئے بعض لوگوں نے ان صوفیاء پر نکیر کی ہے، اور بعض نے انہیں ٹھیک سمجھا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے بہتر روش یہ ہے کہ مختلف حالات کی رعایت کی جاتے، جیسا کہ فتاوٰی خیریہ اور امام سبکی کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔ چنانچہ وہ حضرات جن کا تقوی اور پرہیز گاری مشہور ہے، اور ان سے اس مختلف فیہ سماع میں اشتغال منقول ہے۔ تو جو اُسے جائز سمجھ کر کرتے ہیں، تو وہ جانیں اور ان کا اجتہاد اور جو اُسے ناجائز سمجھتے ہیں، اور پھر کبھی ان سے اس میں اشتغال منقول ہے، تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سے حسن ظن رکھیں، اور ان کے اس فعل کو اضطرار پر محمول کریں، اور انہیں ایسا ہی مجبور سمجھیں جسے کوئی مریض دوا کے لئے ہوتا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں حالتِ اضطرار میں جمہور حنفیہ کے نزدیک بھی غنا میں اشتغال جائز ہے ہمیں ان بزرگوں کو لعن طعن اور ان کے بارے میں زبان درازی نہیں کرنا چاہیئے۔ تاکہ ان

---

[1] فقہاء کا اختلاف غناء مجرد میں ہے، یا اس غناء میں جس کے ساتھ دف بھی ہو۔ ورنہ بحیثیت مجموعی ائمہ اربعہ کے ہاں غناء و موسیقی کی بقیہ تمام صورتیں حرام ہیں جیسا کہ تفصیل سے گذر چکا ہے۔

کے متبرک نفوس اور احوال سے محرومیت نہ ہو۔

ساتھ ہی یہ بات بھی ہر مسلمان کو ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ان انفاس قدسیہ اور بزرگ ہستیوں کے حالات پر ہمارے زمانے کے نام نہاد پیروں کے حالات کو قیاس کرنا جائز نہیں۔ کہاں وہ بزرگان دین، خدا ترس اور اللہ والے لوگ اور کہاں یہ ابناء زمان، نفس پرست اور خواہشات نفسانی کے پیروکار جنھوں نے دین کو کھیل بنا لیا ہے اور دنیا کی محبت میں سرشار ہیں نہ روزے رکھتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ کبھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں نہ تلاوت کرتے ہیں، جاہل اس قدر ہیں کہ حلال و حرام کی بھی تمیز نہیں، اتنا بھی نہیں جانتے کہ کیا چیز پاک ہے اور کیا ناپاک، کس چیز سے خدا نے روکا ہے، اور کس کا حکم دیا ہے۔ مگر چونکہ بعض نیک ہستیوں کی نسل میں ہوتے ہیں، اس لئے لوگ ان سے عقیدت رکھتے ہیں۔

ان لوگوں نے اپنے بزرگوں کے تمام اعمال و احوال کو سماع پر ہی منحصر کر دیا ہے، بلکہ دکھ کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ اس سماع تک میں مبتلا ہیں، جس کی حرمت پر تمام امت اول سے آخر تک یک زبان رہی ہے۔ نعوذ باللہ من تلبیس الشیطان والیہ المشتکی۔

انہیں نظر نہیں آتا کہ امام صوفیاء حضرت جنید بغدادی رحہ نے سماع مباح بھی اپنے زمانے میں اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ مبادا لوگ حد سے تجاوز کر کے حرام میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور اسی طرح جب حضرت نظام الدین اولیاء کو یہ اطلاع ملی تھی کہ ان کے ساتھی بانسری کے ساتھ سماع کرتے ہیں، تو انہوں نے ان کو ڈانٹا تھا، اور حضرت کے خلیفہ اجل شیخ نصیر الدین دہلوی رحہ بھی اپنے زمانے میں سماع پر شدید نکیر فرماتے تھے، اب آپ ہی بتایئے کہ موجودہ زمانے میں جب کہ گناہ عام ہو چکے ہیں، اور ہر منکر کو حلال

کر لیا گیا ہے، سماع کا کیا حکم ہو گا؟

خلاصہ یہ کہ ہمارے زمانے میں سماع کے لئے شرائط کا لحاظ رکھنا انتہائی نادر بلکہ عادۃً ناممکن ہے، اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ شاذ و نادر کسی محفل میں شرائط کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے، تب بھی سماع جائز نہیں اس لئے کہ یہ لوگوں کو معصیت میں مبتلا کرنے کا سبب بنے گا، اور معصیت کا سبب اور ذریعہ بننے والی چیز بجائے خود معصیت ہے۔

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ سماع معصیت کا سبب نہیں بنے گا، تو بھی آخر کیا ضرورت ہے، کہ اس کا اتنا اہتمام کیا جائے اور دشواریاں اٹھائی جائیں، اس لئے کہ ائمہ کے اختلاف اور بزرگوں کے عمل کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سماع جائز ہی ہے، کوئی واجب مستحب یا مطلوب فعل نہیں۔ چنانچہ صوفیاء کے تمام طبقات کو چھان ماریئے، کسی ایک صوفی کے بارے میں بھی نہیں ملے گا کہ اس نے سماع و غنا کو اپنے طریقہ کا معمول بنایا ہو، اور اپنے مریدین کو ذکر و اشتغال کے بجائے اس کی تلقین کی ہو۔ امام سبکی رح نے اس بات کو کتنے دلنشین انداز میں بیان کیا ہے:

اعلم بان الرقص والدف الذی	سألت عنه وقلت بالاصوات
فیه خلاف للائمة قبلنا	شرح الهدایة سادة السادات
لکنه لو بات قط شریعة	طلبنه او جعلته فی القربات
والقائلون بحله قالوا به	کسواه من احوالنا العادات

سنیئے جس وجد اور رقص کا مسئلہ آپ نے مجھ سے دریافت کیا ہے، اس میں ہمارے متقدمین اور اکابر ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ نے کبھی اسکو عبادت اور حصولِ ثواب کا ذریعہ نہیں قرار دیا۔

جو لوگ اس کے جواز کے قائل بھی ہیں، وہ بھی اُسے حصولِ ثواب کا ذریعہ نہیں کہتے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہماری اور بہت سی حاجتیں مباح ہیں ویسے ہی یہ بھی ہے۔

شیخ احمدؒ جو ملا جیون کے نام سے مشہور ہیں، "تفسیراتِ احمدیہ" میں غناء کے بارے میں بحث و اختلاف کو تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہ جو ہمارے زمانے میں لوگوں میں رواج ہے کہ سماع کی محفلوں کا اہتمام کرتے ہیں، اور جام و بادہ میں مست ہو کر فحش اور ناجائز حرکتیں کرتے ہیں، بدکار مردوں اور بے ریش لڑکوں کو اکٹھا کرتے ہیں، گویوں اور موسیقاروں کے طائفوں کو بلا کر گانے سنتے ہیں، تو اس میں ذرا شبہ نہیں، کہ ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور اسکو حلال جاننا صریح کفر ہے۔ اور اس طرح کا سماع ان لوگوں کے حق میں عین لہو الحدیث ہے۔ ورنہ محض سماع پچھلے بزرگوں کے حق میں لہو الحدیث نہ تھا۔ غالبًا اللہ تعالیٰ کا "تغنی" کی بجائے "لھو الحدیث" اور من تبعیضہ اور لام غائیہ لانے سے اس فرق کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں "اہل" کے لئے بھی اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دینا چاہیئے۔ اس لئے کہ فسادِ زمانہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ ہر شخص یہی دعویٰ کرتا ہے کہ "میں تو سماع کا اہل ہوں" اور یہ بات صحیح ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ نے اپنے زمانے ہی میں سماع سے توبہ کر لی تھی، باوجود اس کے کہ آپ معرفت و تقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام

پر فائز تھے، لہذا بہتر یہی ہے کہ سماع کو براتیوں کی تہمت، اور ابتلاء و فساد سے بچنے کے لئے بالکل ہی چھوڑ دیا جائے[1]۔

حاصل یہ کہ ایک خدا ترس اور متقی شخص کا فرض ہے کہ وہ سماع کی حرام اور مختلف فیہ صورتوں سے مکمل اجتناب کرے، اس لئے کہ بالفرض اگر وہ کسی وقت منکرات اور معاصی سے پاک ہو، تب بھی یہ احتمال باقی ہے کہ آئندہ کبھی مستقبل میں اس کے لئے یا کسی دوسرے کے لئے فتنہ و فساد کا سبب بن جاتے۔ علاوہ ازیں سماع کچھ زیادہ منفعت بخش فعل کبھی نہیں، بلکہ محققین کی تحقیق تو یہ ہے کہ یہ مبتدی کے لئے مضر اور منتہی کے لئے بے فائدہ ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

"بعض لوگوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ قدس سرہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے کچھ لوگوں نے سماع کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ مبتدی کے لئے گمراہی ہے، اور منتہی کو اسکی ضرورت نہیں"۔

(روح المعانی ص ۶۷ ج ۶)

علامہ تاج الدین سبکی "توشیح" میں لکھتے ہیں:

میرے نزدیک جو حضرات اہل ذوق میں سے نہیں ہیں ان کے لئے اولیٰ و انسب یہی ہے کہ وہ سماع سے پرہیز کریں، اس لئے کہ سماع سے زیادہ سے زیادہ جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ نفسانی لذت کا حصول ہے، جو شریعت کے نزدیک کوئی مطلوب چیز نہیں۔ رہے اہل ذوق تو اپنے احوال وہی جانتے ہیں، لہٰذا وہ اپنے لئے جیسی ضرورت محسوس کریں، اس کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔

(روح المعانی ج ۶ ص ۷۰)

---

[1] دیکھئے "التفسیرات الاحمدیہ" ص ۶۰۴، ۶۰۵

لہذا عام لوگوں کے لئے ضروری ہے، کہ وہ غناء وسماع سے پرہیز کریں۔ اور اپنے آپ کو ان دونوں چیزوں سے بچائیں، نیز جن خداترس صوفیاء کرام کے بارے میں سماع کے "قصے" منقول ہیں، ان کے بارے میں زبان درازی کرنے سے بھی پرہیز کریں۔ اور ان کے عمل کو سماع مباح پر محمل کریں۔ اس لئے کہ متقی اور پرہیزگار لوگوں سے حسن ظن ہی رکھنا چاہئے اور پھر یہ بزرگ تو حسن ظن کے زیادہ مستحق ہیں، اس لئے کہ ان کا ہر وقت قرب الٰہی کی فکر میں رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ لہوالحدیث جیسی چیز میں مشغول ہونا ان کے شایانِ شان نہیں۔

تمّت بالخیر

تکملہ

از

محمد عبد المعز

"بھلا بتایئے! انسانی عقل کو کس طرح حلت وحرمت کے لئے معیار قرار دیا جاتے، کیا آج بھی تمام انسان شراب، و زنا کی حرمت پر متفق ہیں؟ کیا آج وہ عقلاء، فلاسفہ اور دانشور نہیں پاتے جاتے جو فحاشی و عریانیت، لواطت و اغلام بازی اور مناکحت محارم کو حلال قرار دیتے ہیں"!

دلائلِ اباحت

وہ حضرات جو غنا و مزامیر کی اباحت کے دعوے دار ہیں، وہ اپنے نظریے کی تائید میں کچھ دلیلیں پیش کرتے ہیں، مگر چونکہ ان کا مسلک ہی اسلامی نقطۂ نظر سے بنیادی طور پر غلط ہے، اس لئے اس کے اثبات میں جو دلائل دیئے گئے ہیں، وہ بھی سراسر تکلفات، کھینچ تان اور مغالطات سے پُر ہیں چنانچہ جس شخص نے شریعت کا مطالعہ کیا ہو، وہ اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لے تو حقیقت اس کے سامنے واضح ہو جاتی ہے، اور حق نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اور کسی قسم کا کوئی شک یا مغالطہ باقی نہیں رہتا۔

اس باب میں ہم قائلین اباحت کے دلائل نقل کریں گے، پھر ان کا جواب دیں گے۔

ذوقِ جمال کی تسکین

پہلی دلیل جو ان حضرات کے خیال میں سب سے قوی ہے، اور جسے یہ لوگ اکثر و بیشتر پیش کرتے ہیں یہ ہے کہ غنا و مزامیر ذوقِ جمال کی، جو ایک فطری تقاضا ہے، تسکین کا ذریعہ ہیں اور نہایت لذت آفریں ہیں اس لئے ممکن نہیں کہ یہ حرام ہوں۔

اپنی اس دلیل کے لئے مواد فراہم کرتے ہوئے یہ لوگ کہتے ہیں، کہ انسان بہت لطیف جذبات دیکر پیدا کیا گیا ہے، اور حسن و جمال اور خوبصورتی اور رعنائی کی طرف کشش اس کی پیدائشی میراث ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی تخلیقِ کائنات میں اس کے ان لطیف جذبات کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ ذرا نگاہ اٹھا کر اس دنیا کو دیکھئے اور وسیع کائنات پر نظر ڈالئے ہر ہر چیز میں جس طرح حسن و جمال کا خیال رکھا گیا ہے، اور جو خوبصورتی پیدا کی گئی ہے اُسے دیکھ کر اگر یہ کہہ دیا جائے کہ، دنیا نام ہی حسن و جمال کا ہے تو ہرگز بے جا نہ ہوگا اور گہرائی میں جائیں تو معلوم ہوگا کہ انسان کے ایک ایک حاسے کی جمالیاتی تسکین کا سامان کس کس طرح مہیا کیا گیا ہے، آنکھوں کے لئے حسین مناظر ہیں، خوبصورت چہرے ہیں، نظر فریب پھول ہیں، روشن چاند اور جگمگاتے ستارے ہیں، ناک کے لئے پھولوں کی مہک ہے، مشک اور عنبر کی خوشبوئیں ہیں، زبان کے لئے نت نئے ذائقے ہیں، مزے مزے کی لذتیں ہیں چٹپٹی غذائیں ہیں، کانوں کے لئے چڑیوں کی چہچہاہٹ ہے، بلبل کے سریلے گیت ہیں، دریاؤں اور آبشاروں کے نغمے ہیں، ہواؤں کے مدہوش کن جھونکے اور سرسراہٹیں ہیں غرض ہر حاسہ کی جمالیاتی تسکین کا سامان مہیا ہے۔ ان سب کو دیکھکر یہ کہنا کہ جمالیاتی تسکین کوئی ناپسندیدہ فعل ہے کسی طرح درست نہیں اس لئے کہ جمالیاتی تسکین اگر کوئی مبغوض چیز ہوتی تو یہ حسین وجمیل اشیاء پیدا ہی نہ کی جاتیں۔

نیز اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کانوں کی جمالیاتی تسکین اسی وقت ممکن ہے، جب اس میں اچھی آوازیں پڑیں، کیونکہ درحقیقت اچھی آوازیں ہی لذت آفریں ہوتی ہیں، اسی لئے قرآن کریم میں بھی آیت "یزید فی

الخلق ما یشاء ،، میں حسن صوت کو ایک نعمت قرار دیا گیا ہے، اس کے برعکس بُری آوازیں انسان کے لیے باعثِ تکلیف ہوتی ہیں چنانچہ بجلی اور بادل کی گھن گرج اسے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے پر مجبور کرتی ہے جبکہ گدھے کی آواز اس قدر گراں محسوس ہوتی ہے کہ قرآن کریم بھی اُسے بدترین آواز قرار دیتا ہے۔

پھر یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اچھی آواز اپنی مکمل صورت میں گانے اور موسیقی ہی میں پائی جاتی ہے، ہمارا آتے دن کا مشاھدہ ہے کہ ایک خوردسال بچہ بھی ماں کی لوری اور موسیقی کی آواز سن کر اپنا رونا بھول جاتا ہے، سانپ بانسری کی آواز سنکر مست ہو جاتا ہے، اور اونٹ حدی سن کر اپنی رفتار تیز کر دیتا ہے۔

ان دونوں مقدمات سے یعنی جمالیاتی تسکین کوئی مبغوض فعل نہیں اور غنا و مزامیر کانوں کی جمالیاتی تسکین کا ذریعہ ہیں، قائلینِ اباحت یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ غنا و مزامیر کوئی ناجائز فعل نہیں۔

یہ حضرات جمالیاتی تسکین کے روا ہونے کی مزید تائید اس سے کرتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "انّ اللہ جمیلٌ و یحب الجمال ،، اسی لئے قرآنِ کریم میں بکثرت حسن وجمال کے الفاظ اور ان کے مشتقات کا استعمال کیا گیا ہے، اور جگہ جگہ اعمال میں حسن اور احسنیت پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نیز احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت لطیف ونفیس طبیعت کے مالک تھے، حسن وجمال کو پسند کرتے، اور صفائی ستھرائی کو محبوب رکھتے تھے، حتیٰ کہ آپ کے ہر عمل کو دیکھنے سے معلوم

ہوتا ہے کہ اس میں جمالیاتی حس کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

ہم نے اس دلیل کو قدرے وضاحت اور تفصیل سے اس لئے بیان کیا ہے تاکہ قائلین اباحت کا موقف اور اسکی پختگی واضح طور پر سمجھ میں آجائے۔ کیونکہ درحقیقت یہی دلیل ان کے نظریہ کے ثبوت میں ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتی ہے۔ آیئے اب ذرا اس دلیل کا جائزہ لیں۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ ذوقِ جمال کی تسکین انسان کا فطری تقاضا اور اس کا پیدائشی حق ہے، اس لئے اس ذوق کی تسکین کا سامان یعنی غنا و مزامیر کو بھی حلال ہونا چاہیئے تو تحلیلِ حرمات کا کبھی بند نہ ہونے والا دروازہ کھل جائے۔ ظاہر ہے جب کانوں کی جمالیاتی تسکین کا بہانہ بنا کر غناو مزامیر کو حلال کہا جا سکتا ہے تو کیا مانع ہے کہ آنکھوں کی تسکین کے لئے نامحرم عورتوں کی طرف دیکھنا جائز نہ ہو۔ جب کہ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جوان اور خوبصورت لڑکیوں کا چہرہ آنکھوں کی جمالیاتی تسکین کی کامل ترین صورت ہے، اور جب محض جمالیاتی تسکین کا سامان ہونا ہی کسی چیز کی حلت کے لئے کافی ہو تو آخر زنا کیوں حرام ہو، جب کہ وہ انسان کی صنفی قوتوں کی جمالیاتی تسکین کا ذریعہ ہے، اور پھر آخر عریاں تصاویر اور ننگے مجسمات کس لئے حرام ہوں جب کہ وہ خالص جمال پسندی کی بنیاد پر وجود میں لائے جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ صرف یہ کہہ دینا کہ کوئی چیز ذوقِ جمال کی تسکین کا سامان ہے، اس لئے حلال ہے، درست نہیں۔ کیونکہ ذوق جمال کی تسکین کا ہر سامان حلال نہیں، بلکہ بعض چیزیں ایسی ہیں، جن کی حرمت اتفاقی ہے مثلاً نامحرم عورتوں کو دیکھنا، تصویر کشی اور مجسمہ سازی کرنا وغیرہ۔ اب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ کیسے معلوم ہو کہ کون سا سامانِ تسکین حلال ہے اور کون سا حرام؟ اور کس طریقہ سے ذوقِ جمال کی تسکین جائز ہے، اور کس طریقہ سے ناجائز؟

انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ اس قسم کے سوالات کا جواب بالعموم دو طریقہ ہی سے دیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس سلسلے میں عقل کو معیار قرار دیا جائے اور کہا جائے کہ ہر وہ چیز حلال ہے اور ہر وہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے جسے عقل درست سمجھتی ہے اور ہر وہ چیز حرام ہے اور ہر وہ طریقہ اختیار کرنا ناجائز ہے جسے عقل غلط سمجھتی ہے۔

عقل کو خیر و شر حق و باطل اور حلت و حرمت کے لئے معیار اور کسوٹی قرار دینا اگرچہ انتہائی غلط اور تباہ کن فعل ہے، مگر پھر بھی اس طریقہ کو اختیار کرنے والے بہت لوگ رہے ہیں، بالخصوص دورِ جدید میں تو عقل کو وہ درجہ دیا گیا ہے کہ وہ مستقل خدا معلوم ہوتی ہے، اور عقل پرستی کو جدیدیت کا طرۂ امتیاز اور لائقِ تحسین امر سمجھا جاتا ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے اس قسم کے جملے بکثرت سننے میں آتے ہیں کہ "ارے صاحب! یہ بات عقلاً صحیح نہیں معلوم ہوتی"، یا "بھئی یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی"، یا "چھوڑیئے بھی ایسی بات کیجئے جو عقل کو لگے"۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عقل کو معیار قرار دینا درست نہیں کیونکہ:

(۱) جس طرح ظاہری اور جسمانی لحاظ سے تمام انسان ایک جیسے نہیں ہوتے، اسی طرح فکری اور عقلی اعتبار سے بھی تمام انسان ایک جیسے نہیں ہوتے، ہر شخص کے سوچنے کا انداز الگ ہوتا ہے، طبعی رجحانات اور میلانات علیحدہ ہوتے ہیں، مزاج و مذاق جدا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے

کسی بھی مسئلے کے بارے میں تمام لوگ یک زبان نہیں ہوتے، بلکہ ہر مسئلے میں جتنے منہ اتنی ہی باتیں سننے میں آتی ہیں۔ جس مسئلہ کو بھی اٹھایئے اور اس کے بارے میں عام لوگوں کو تو چھوڑیئے، انسانوں میں سے ذہین ترین افراد کے اقوال کو ہی پڑھیئے اختلافات کی کثرت اور انداز فکر کا اختلاف آپ کے ذہن کو الجھا کر رکھ دے گا۔ پھر بھلا بتایئے انسانی عقل کو کس طرح حلت وحرمت کے لیئے معیار قرار دیا جائے، کیا آج بھی تمام انسان شراب وزنا کی حرمت پر متفق ہیں؟ کیا آج وہ عقلاء اور فلاسفر اور دانشور نہیں پائے جاتے، جو فحاشی وعریانیت، لواطت واغلام بازی اور مناکحت محارم کو حلال قرار دیتے ہیں؟

② انسانی عقل جب کوئی فیصلہ کرتی ہے، تو بالعموم اس میں فیصلہ کرنے والے کے جذبات طبعی میلانات اور ماحول کے اثرات بھی شامل ہو جاتے ہیں، اس لیئے کسی شخص کی رائے کے بارے میں خواہ وہ کتنا ہی ذہین اور عقلمند کیوں نہ ہو۔ قطعیت سے صحت کا حکم لگانا اور اُسے شخصی جذبات اور میلانات سے خالی قرار دینا بہت مشکل ہے، ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ کسی ایک ہی مسئلہ کے بارے میں ایک آدمی ایک رائے دیتا ہے اور دوسرا دوسری رائے، دیہاتی ماحول میں پرورش پانے والا شخص جو بات کہتا ہے، شہر میں رہنے والا شخص اس سے بالکل مختلف بات کہتا ہے پاکستان کا ایک مسلمان جس دماغ اور عقل سے سوچتا ہے مغرب میں پروردہ ایک امریکی شخص بالکل اس کے برعکس سوچتا ہے، ایک اگر فحاشی اور عریانیت کو لعنت خیال کر کے فیصلے کرتا ہے تو دوسرا اسے حریت نسواں اور آزادئ انسان سمجھ کر رائے زنی کرتا ہے۔ لہذا محض عقل سے کوئی ایسا

فیصلہ کرنا جو تمام انسانوں کا لحاظ رکھ کر کیا جائے، اور جس میں فیصلہ کرنے والوں کے شخصی جذبات، میلانات اور گردوپیش کے اثرات شامل نہ ہوں ناممکن ہے۔

جب یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ عقل کی بنیاد پر جو بھی فیصلہ کیا جائے گا اس میں لازماً اختلاف ہو گا۔ اور مختلف افراد مختلف خیالات کا اظہار کریں گے تو پھر آخر کن لوگوں کی عقل کو صحیح تسلیم کیا جائے؟ کن لوگوں کے فیصلے کو مانا جائے؟ اور کس چیز کو وجہ ترجیح قرار دیا جائے؟ اور پھر یہ کس طرح ممکن ہو۔ کہ ان کے صادر کردہ فیصلے کو عالمی بنیاد پر اٹل اصول بنالیا جائے؟

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو حواس دیئے ہیں ان کا دائرۂ کار محدود ہے، ہر حاسہ ایک خاص حد تک کام کرتا ہے، آنکھ ایک مخصوص فاصلے تک دیکھتی ہے، اور اس دیکھنے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جو چیز دیکھی جائے وہ روشنی میں ہو، اور رائی اور مرئی کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو۔ کان ایک فاصلے تک کی آواز سن سکتا ہے، اور اس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ آواز کے انتقال کے لئے ہوا کی لہریں بھی موجود ہوں۔ غرض یہ کہ انسان کے جس حاسہ پر بھی آپ غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ اس کا دائرۂ کار محدود اور مشروط بشرائط ہے یہی معاملہ انسان کے عقلی حاسہ کا بھی ہے۔ عقل وہی کچھ سوچتی ہے جو حواس خمسہ دماغ تک پہنچاتے ہیں اور اسی رخ پر کام کرتی ہے، جس رخ پر حواس خمسہ کا جمع کردہ مواد اسے ڈال دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گردوپیش کے اختلاف کی وجہ سے حواسِ خمسہ کا جمع کردہ مواد بھی مختلف ہو جاتا ہے، اور انسانی عقل

بھی علیحدہ علیحدہ انداز میں سوچتی ہے۔ ہم یہ بات پورے دعویٰ سے کہتے ہیں۔ اور اسکی تائید انسانی تاریخ بھی کرتی ہے ___ کہ کوئی اکیلا شخص تمام انسانوں کے مزاج و مذاق اور ان فطری اور طبعی ضروریات کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا۔ اور اس کا یہ اندازہ کرسکنا اتنا ہی مشکل بلکہ محال ہے، جتنا کسی ایک شخص کا دنیا میں آنے جانے والے تمام انسانوں کی شکل صورت کو دیکھ لینا اور ان کے ظاہر خد و خال کے فرق کو جان لینا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی انسان نے محض اپنی عقل پر بھروسہ کیا ہے، ہمیشہ افراط و تفریط کا شکار ہوا ہے، اور انسانیت کو تباہی کے منجدھار میں ڈال دیا ہے۔

حق و باطل اور خیر و شر معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ وہ ہے جسے ہم وحی الٰہی سے تعبیر کرسکتے ہیں، اور جسے بنی نوع انسان میں سے نیک، بھلے اور انسانیت کے صحیح معنوں میں بہی خواہ لوگوں نے اختیار کیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس عظیم ہستی نے انسان کو پیدا کیا ہے، اسکی ضروریاتِ زندگی کا سامان اس دنیا میں مہیا کیا ہے، اور بے شمار نعمتیں انسان کی مادی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اس ارض خاکی پر پھیلا دی ہیں۔ اسی نے انسان کی روحانی، معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں پیش آنے والی ضرورتوں کا بھی انتظام کیا ہے، اور وقتاً فوقتاً انسانوں ہی میں سے کچھ لوگوں کو چن کر ان کے ذریعہ تمام انسانوں کو صحیح طریقِ زندگی اور صراطِ مستقیم بتایا ہے،

جن خاص بندوں کو خالقِ کائنات اور مربّیِ انسان تمام انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے چنتا ہے انہیں نبی یا رسول کہا جاتا ہے۔ یہ برگزیدہ حضرات اس عظیم ہستی یعنی خدا تعالیٰ کا پیغام تمام انسانوں تک

پہنچاتے ہیں۔ اور خدا کی بھیجی ہوئی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ یہ جو کچھ کرتے اور کہتے ہیں سب خدا ہی کے ارشاد اور منشاء کے مطابق ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ ان برگزیدہ بندوں سے کبھی براہِ راست اور کبھی بواسطۂ ملائکہ ہم کلام ہوتا ہے۔ اور ان پر صحیح طریق زندگی اور راہِ عمل اتارتا ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر تمام انسان آخرت کی نجات اور دنیا میں صحیح اور متوازن زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔ انبیاء کرام پر خدا تعالیٰ جو پیغام نازل کرتا ہے، اُسے وحی الٰہی کہا جاتا ہے۔

وحی الٰہی سے جو طرزِ حیات اور طریقِ زندگی بنتا ہے، اسے دینِ الٰہی یا اسلام کہتے ہیں جو نہایت متوازن اور معتدل ہے۔ اور چونکہ خود انسانوں کے بنانے والے نے اسے بنایا ہے اس لئے یہ تمام انسانوں کی فطرت کے عین مطابق ہے، اور اس میں ہر انسان کی فطری، طبعی، روحانی اور جسمانی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے، اور اس درجہ باریک بینی اور دقیقہ رسی سے کام لیا گیا ہے کہ انسان کی چھوٹی سے چھوٹی کمزوری اور نازک سے نازک احساس اور جذبہ بھی اوجھل نہیں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پورے طریقِ زندگی میں کسی ایک مقام پر بھی کسی نقص، عیب کوتاہی یا کمزوری کی نشاندھی نہیں کی جا سکی۔ اور کسی ایک چیز کے بارے میں بھی یہ دعوٰی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حق و باطل اور خیر و شر کے لئے عقل کو معیار ٹھہرانا درست نہیں، بلکہ اس سلسلے میں صحیح معیار وحی الٰہی ہے ــــــ اور یہی ہر مسلمان کا عقیدہ بھی ہے ــــــ تو اب ہم عرض کرتے ہیں کہ وحی الٰہی سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ معازف و مزامیر اور

نامحرموں سے گانے اور قوالیاں وغیرہ سننا حرام ہے، جیسا کہ تفصیل سے بدلائل یہ بات گذر چکی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب ہم اسلامی تعلیمات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے، کہ اسلام فطری تقاضوں کی اہمیت اور حقیقت تسلیم کرتا ہے، مگر ان کی تسکین کے لئے ہر انسان کو کھلی آزادی نہیں دیتا، کہ جو جس طرح چاہے اور جس چیز سے چاہے اپنے تقاضوں اور خواہشات کی تسکین کرے۔ بلکہ اسلام اس سلسلے میں حدبندیاں اور قیودات لگا دیتا ہے ــــ اور اصل میں یہ حدبندیاں اور قیودات بھی خود فطری چیز ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو معاشرے میں ظلم و جور اور انتشار پھیل جاتے، نفس پرستی اور خواہشات کی غلامی انسانوں کا جینا دوبھر کر دے ــــ مثلاً کھانے پینے ہی کو لیجئے یہ ایک فطری تقاضا اور طبعی ضرورت ہے، جس کی تسکین کا بے شمار سامان اس دنیا میں موجود ہے، اسلام یہ کہتا ہے کہ آپ بھوکے تو نہ مریں، کھانا ضرور کھائیں، مگر ذرا دیکھ بھال کر لیں کہ حرام آمدنی کا تو نہیں، کسی بندے کا حق تو اس سے متعلق نہیں یا جو چیز آپ کھا رہے ہیں وہ حرام تو نہیں، کہیں خنزیر، کتا یا بلی تو نہیں کھاتے جا رہے۔ بالکل یہی معاملہ جمالیاتی ذوق کا ہے کہ بلاشبہ یہ ایک فطری تقاضا ہے، جس کی تسکین ہونا چاہیئے، مگر اسلام نے اس تقاضے کی تسکین پر بھی کچھ قیود عائد کی ہیں، وہ اسے کسی بھی ایسے طریقہ سے پورا کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو فرد یا معاشرے کے لئے جسمانی، دینی یا اخلاقی اعتبار سے مضر اور نقصان دہ ہو، مثلاً اچھی چیزیں دیکھنا بے شک ایک فطری تقاضا ہے، اور اسکی تسکین کا بھی بے شمار سامان اس کائنات میں پیدا کیا گیا ہے، مگر یہ کہ اب ہر اچھی چیز کو دیکھا جاتے اس کی اجازت نہیں، چنانچہ غیر محرم عورت

کی طرف دیکھنا، تصویر کشی یا مجسمہ سازی کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ جوان اور حسین لڑکیوں کو دیکھنے میں جمالیاتی تسکین کا بڑا سامان ہے، مگر اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اس لئے کہ آنکھیں دل کی قاصد ہیں اور دواعیٔ زنا میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ ٹھیک ٹھیک یہی معاملہ غنا و مزامیر کا ہے کہ بلاشبہ یہ کانوں کی جمالیاتی تسکین کا ذریعہ ہیں، مگر پھر بھی ممنوع ہیں کیونکہ یہ شہوت اُبھارنے اور سفلی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی چیزیں ہیں۔ اور ان کے فروغ سے معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کی وبا پھوٹ پڑتی ہے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد اس جزو کے جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم حسن وجمال پسند کرتے ہیں، اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم حسن وجمال کو پسند کرتے ہیں۔ مگر ان ہی کی تعلیمات اور فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ غنا و مزامیر حرام ہیں، اور انھیں جمالیاتی تسکین وغیرہ کے لئے استعمال کرنا ناجائز ہے۔

اسی طرح اس بات کے جواب کی بھی حاجت نہیں رہتی کہ اگر غنا و مزامیر سے جمالیاتی تسکین ناجائز ہے تو انھیں پیدا ہی کیوں کیا گیا؟ اس لئے کہ اس کائنات میں پیدا تو سینکڑوں چیزیں کی گئی ہیں مگر ہر ایک سے ہر قسم کے تمتع کی اجازت نہیں۔ بلکہ درحقیقت ان سے تمتع کی ممانعت ایمان کو جانچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ چنانچہ شراب بھی پیدا کی گئی ہے، خنزیر بھی پیدا کیا گیا ہے، نامحرم عورتیں بھی پیدا کی گئی ہیں مگر ان کی پیدائش سے یہ مطلب نکالنا کہ ان سے تمتع بھی جائز ہے۔ بالکل بچکانہ اور سفیہانہ بات ہے۔

نیز یہ کہنا کہ غنا و مزامیر باعث لذت ہیں اور ایسی لذیذ چیزوں کا حرام ہونا کچھ سمجھ میں نہیں آتا، تو گویا غنا و مزامیر اس لئے حلال ہونے چاہئیں کہ ان میں لذت ہے۔ میں پوچھتا ہوں لذت کس معصیت میں نہیں[1]، کیا جوان لڑکیوں کو دیکھنے سے لذت حاصل نہیں ہوتی؟ کیا زنا کرنے میں مزہ نہیں آتا؟ کیا شراب پینے سے لطف نہیں آتا؟ بالکل یہی صورتحال غنا و مزامیر کی ہے کہ بلاشبہ ان میں بھی لذت ہے مگر اس لذت کا حصول ناجائز ہے۔

---

[1] ابو نواس جو عربی زبان کا مشہور شاعر ہے ایک شعر میں کہتا ہے ؎

فان قالوا حرام فقل حرام ولکن اللذاذة فی الحرام

اگر فقیہان شہر کہتے ہیں کہ شراب حرام ہے تو تم بھی کہہ دو کہ ہاں حرام ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ لذت حرام ہی میں ہے۔

روح کی غذا

اباحتِ غنا و مزامیر کے قائلین اکثر یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ "موسیقی روح کی غذا ہے"، اور بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ایسی چیز حرام ہو جو روحِ انسانی کی غذا ہے۔ قائلینِ اباحت کا یہ مقولہ کچھ اس درجہ عام ہوگیا ہے کہ ہر کس و ناکس دلیلِ اباحت میں اسے بیان کر دیتا ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ موسیقی کو روح کی غذا قرار دینا کسی طرح درست نہیں کیونکہ اوّل تو غذا ایسی چیز کو کہا جاتا ہے، جو استعمال کرنے والے کے بدن میں داخل ہوکر اسکی نشوونما میں مددگار ثابت ہوتی ہے، اور اس کے بھوک اور پیاس کے تقاضے کو پورا کر کے فرحت بخشتی ہے۔ چنانچہ ہم انسان کی غذا گندم، چاول، سبزیاں انڈے، گوشت اور پھل وغیرہ قرار دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ بھوسہ، چارہ، کیڑے مکوڑے، سانپ، بچھو، سنکھیا، شراب، افیون وغیرہ انسان کی غذا ہیں۔ کیونکہ یہ اشیاء اگرچہ منہ کے ذریعہ انسانی بدن میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اور شراب اور افیون وغیرہ منشیات تو فرحت بخش بھی ہیں، مگر پھر بھی انھیں اس لئے غذا نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بدنِ انسانی اور صحت و تندرستی کے لئے مضر ہیں۔

بالکل یہی معاملہ موسیقی کا ہے، کہ یہ کانوں کے ذریعہ نفس کو فرحت بخشتی ہے، مگر جو فرحت اس سے حاصل ہوتی ہے وہ انسان کے لئے مفید نہیں مضر ہے اس لئے اُسے روح کی غذا کہنا درست نہیں۔

موسیقی میں اشتغال انسان میں روحانی امراض پیدا کر دیتا ہے، اس میں غفلت شعاری، بے توجہی اور لاپرواہی پیدا ہو جاتی ہے، مظاہر پسندی اور مادیت سے محبت بڑھ جاتی ہے، خالق حقیقی سے عشق و لگاؤ کے بجائے فانی انسانوں پر دل آنے لگتا ہے، سفلی جذبات بھڑکے رہتے ہیں، شہوانیت غالب آجاتی ہے، اخلاق میں گراوٹ آنے لگتی ہے، عبادات کی حلاوت جاتی رہتی ہے، اور ایک اچھا خاصا مسلمان پورا منافق بن کر رہ جاتا ہے۔

بتائیے جس چیز میں اتنے نقصانات ہوں کیا اسے "غذا" قرار دیا جا سکتا ہے؟ دراصل موسیقی کی حیثیت روح کے لئے وہی ہے، جو جسم کے لئے افیون کی، جس طرح افیون کا استعمال وقتی طور پر فرحت بخشتا ہے، اور ایسا سرور بہم پہنچاتا ہے کہ ایک بار کا منہ لگا مشکل ہی سے اُسے چھوڑتا ہے۔ مگر باوجود اس کے اس سے بدن میں اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے، اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں، قوت ارادی جاتی رہتی ہے، غفلت اور بے شعوری انتہا کو جا پہنچتی ہے۔ اس وجہ سے وہ مضر بھی ہے، اور اس کے مضر اثرات ہر انسان دیکھ سکتا ہے۔ اسی لئے سب کا اتفاق ہے کہ افیون کا استعمال خواہ کتنا ہی فرحت بخش کیوں نہ ہو، انسان کے لئے انتہائی مضر ہے، اور اُسے غذا کہنا تو کسی طرح ٹھیک نہیں۔

اس کے برعکس موسیقی کے نقصانات چونکہ اکثر و بیشتر روحانی ہیں، اس لئے عام لوگ ان کی گرفت نہیں کر پاتے، اور جو لذت حاصل ہوتی ہے اسے بہت اچھا خیال کرتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ موسیقی کے نقصانات غیر طبعی ہونے کی وجہ سے ظاہر بینوں کو نظر نہیں آتے، البتہ اگر کوئی شخص ان نقصانات کا مشاہدہ کرنا چاہے تو اُسے وہی طریقہ استعمال کرنا پڑے گا جو تمام غیر مرئی اشیاء میں استعمال ہوتا ہے، یعنی اُنھیں ان کے اثرات سے معلوم کیا جاتا ہے۔ جو شخص بھی چاہتا ہے کہ موسیقی

کے ان روحانی نقصانات کا مشاہدہ کرے تو اُسے چاہیئے کہ وہ ان لوگوں کو دیکھے جو موسیقی سے اشتغال رکھتے ہیں کیونکہ ان کی بے دینی، الحاد، قساوت قلبی، بے غیرتی اور بے حیائی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں

دوسرے یہ کہ موسیقی روح کے لئے نہیں نفس کے لئے فرحت بخش ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ موسیقی کو روح کی غذا قرار دینے والے لوگ "انسانیات" کے گہرے اور حقیقی علم سے محروم ہیں اور ان بے چاروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ موسیقی سے لذت کا اکتساب کرنے والا کون ہے، آیا لذت اُٹھانے والا نفس ہے یا روح۔

مسئلہ تو یہ فلسفیانہ ہے اور اچھی خاصی طوالت کا طلب گار ہے مگر پھر بھی مختصراً اس لئے ھدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے کہ یہ دلیل شیطان کے چیلوں کا بڑا ہتھیار ہے اور یہ معاملہ صرف غنا و مزامیر کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ تقریباً ہر معصیت کے ساتھ عام ہے، کیونکہ جس طرح موسیقی کو ـــ اس کی لذت کی بنا پر ـــ روح کی غذا قرار دیا جا سکتا ہے، اسی طرح شراب نوشی، افیون خوری اور زناکاری کو بھی روح کی غذا کہا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ چیزیں بھی موسیقی کی طرح سرور بخش اور فرحت انگیز ہوتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، کہ انسان صرف اس مادی جسم ہی کا نام نہیں، بلکہ ایک لطیف روح بھی انسان میں موجود ہے، اور یہ کہ انسان دو چیزوں مادی جسم اور لطیف روح سے مرکب ہے، مادی جسم کے تقاضے الگ ہیں اور روح کے تقاضے الگ ہیں۔ اور پھر ان دونوں کے تقاضوں کی تکمیل بھی الگ الگ طریقوں سے ہوتی ہے۔ اور جب ان دونوں میں سے کسی ایک کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں تو اُسے آسودگی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

مفکرین، فلاسفہ اور علمائے اخلاق جسم اور روح کے علاوہ ایک اور اصطلاح

"نفس" کی بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں انسان میں دو قسم کی روحیں پائی جاتی ہیں۔ ایک قسم کی روح وہ ہے جسے روح طبعی کہا جاتا ہے، جو صرف انسان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر حیوان میں پائی جاتی ہے، اور جس کی وجہ سے تمام حیوانات میں، جن میں انسان بھی شامل ہے، کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور اختلاط وغیرہ کرنے کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں، یہ روح ان فطری تقاضوں کو ابھارتی اور ان کی تکمیل پر خوش ہوتی ہے، اسی روح کو نفس بھی کہا جاتا ہے، نفس انسان میں مادیت سے محبت اور سفلہ پن پیدا کرتا ہے، کیونکہ اس کے تقاضوں کی تکمیل اسی ارض خاکی سے ہوتی ہے۔ اچھے سے اچھا کھانا کھانا، اعلیٰ سے اعلیٰ مشروب پینا، حسین سے حسین عورت سے اختلاط کرنا اور زر، زن، زمین کے لئے فسادات کرنا سب اسی نفس کے مطالبات ہیں، علمائے اخلاق اور تقریباً تمام مذاہب، نفس کی بے جا آزادی اور حد سے زیادہ اطاعت سے روکتے ہیں۔

دوسری قسم کی روح وہ ہے جسے ملکوتی روح یا مطلقاً روح کہا جاتا ہے، اور جس کی حقیقت سے کوئی انسان واقف نہیں، قرآن کریم میں بھی اس کے بارے میں صرف یہی فرمایا گیا ہے:

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (بنی اسرائیل: ۸۵)

اور آپ سے یہ روح کی بابت پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہی ہے۔ اور تمھیں تو علم تھوڑا ہی دیا گیا ہے۔

یہ ملکوتی روح صرف انسان کی خصوصیت ہے، اسی کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات اور خلیفہ الٰہی قرار پاتا ہے، یہی روح انسان میں علو وارتقاء کی صلاحیت پیدا کرتی ہے، اس روح کا تعلق عالم بالا سے ہے، یہ محبت و شفقت

جود وکرم، صدق و عدالت اور ذکرِ الٰہی وغیرہ سے آسودہ ہوتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغۃ" میں لکھتے ہیں

ثم تعلم أن الله تعالى أودع الانسان بحكمته الباهرة قوتين، قوة ملكية تنشعب من فيض الروح المخصوصة بالانسان على الروح الطبيعة السارية فى البدن و قبولها ذلك الفيض وانقهارها له: وقوة بهيمية تنشعب من النفس الحيوانية المشترك فيها كل حيوان المشبحة بالقوى القائمة بالروح الطبيعة واستقلالها بنفسها واذعان الروح الانسانية لها قبولها الحكم منها: ثم تعلم ان بين القوتين تزاحما وتجاذبا فهذه تجذب الى العلو ودون تلك إلى السفل وإذا برزت البهيمية و غلبت آثارها كمنت الملكية وكذلك العكس

(حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۲۰)

خدا تعالیٰ نے اپنی روشن حکمت کی وجہ سے آدمی کو دو قوتیں عطا کی ہیں ایک قوت ملکیہ جو اس روح سے پیدا ہوتی ہے، جو صرف انسان کے ساتھ خاص ہے، اور جو اپنا فیضان روح طبعی پر، جو سارے بدن میں جاری وساری ہے، کرتی رہتی ہے، اور روح طبعی اس کے فیضان کو قبول کر کے مغلوب ہو جاتی ہے۔

دوسری قوت بہیمیہ جو نفس حیوانی سے پیدا ہوتی ہے، اور تمام حیوانات میں پائی جاتی ہیں، اور جس میں وہ تمام قوی حاصل وموجود ہوتے ہیں، جو روح طبعی میں پائے جاتے ہیں، اور وہ (قوت بہیمیہ) خود مختار ہوتی ہے اور روح انسانی اس کا حکم مان لیتی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیئے کہ ان دونوں قوتوں میں باہمی مزاحمت ہے، اور ہر ایک کی کشش مختلف ہے، قوت ملکیہ بلندی کی طرف کھینچتی ہے، اور قوت بہیمیہ پستی کی طرف۔ جب قوت بہیمیہ کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے اثرات پُرزور ہوتے ہیں، تو ملکی قوت کے جذبات مخفی ہوجاتے ہیں، اور جب ملکی قوت کے اثرات قوی ہوتے ہیں تو بہیمی قوت کے جذبات مخفی ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ انسان میں موجود قوت ملکیہ کا تعلق عالم بالا سے ہے، اور یہ قوت صرف انسان ہی کی خصوصیت ہے۔ جب کہ قوت بہیمیہ کا تعلق عالم اسفل سے ہے، اور وہ نہ صرف انسان میں بلکہ ہر حیوان میں پائی جاتی ہے۔ نیز یہ کہ قوت ملکیہ کا غلبہ انسان میں رفعت اور بلندی پیدا کرتا ہے، جب کہ قوت بہیمیہ کا غلبہ پستی پیدا کرتا ہے۔

موسیقی درحقیقت نفس کو متاثر کرتی ہے، جو قوت بہیمیہ کا حامل ہے، ملکوتی روح کی غذا موسیقی ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس کی غذا تو ذکر الٰہی ہے، جیسا کہ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ"

(الرعد: ۲۸)

اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے، جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔

اگر موسیقی روح ملکوتی کی غذا ہوتی تو اس سے فرحت صرف انسان ہی کو حاصل ہوتی، کوئی جانور اس سے فرحت حاصل نہیں کرتا، اس لئے کہ ملکوتی روح کے امور جانوروں پر بالکل اثر انداز نہیں ہوتے ہیں، کسی بھی جانور کے لئے سچ بولنا، عفت اور پاکدامنی اختیار کرنا، امن سے محبت رکھنا، حق کا ساتھ

دینا باعث فرحت نہیں، اس لیے کہ ان میں ملکوتی روح نہیں اور وہ ان امور کو نہیں سمجھتے۔

اس کے برعکس موسیقی سے وہ لطف اندوز ہوتے ہیں، سانپ بین سنکر کھنچا چلا آتا ہے، اور مست ہو کر ناچتا ہے، اونٹ حدی سن کر تیز تیز چلتا ہے[1]، بھینس موسیقی سن کر دودھ زیادہ دیتی ہے، ان جانوروں کا یہ تاثر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ موسیقی نفس بہیمی کو یا بالفاظ دیگر روح حیوانی کو متاثر کرتی ہے،

[1] اونٹ حدی سن کر کس حد تک متاثر ہوتا ہے، اس کا اندازہ اس قصہ سے ہوتا ہے جو ابوبکر محمد بن داؤد دینوری عظیم اور مشہور صوفی بیان کرتے ہیں اور جسے امام غزالی رح وغیرہ نے نقل کیا ہے، محمد بن داؤد کہتے ہیں کہ " میں ایک صحرا میں تھا، کہ اتفاقاً میری ملاقات ایک عرب قبیلے سے ہو گئی، اس قبیلہ کے ایک شخص نے میری دعوت کی اور مجھے اپنے خیمہ میں لے گیا، میں اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ وہاں ایک سیاہ غلام قید ہے، اور دروازے پر چند اونٹ مرے پڑے ہیں مگر صرف ایک اونٹ زندہ کھڑا ہے، جو انتہا لاغر اور بیمار ہے کہ قریب المرگ معلوم ہوتا ہے، اس غلام نے مجھ سے کہا کہ تم مہمان ہو، اور مہمان کا حق ہوتا ہے، براہ مہربانی میری سفارش میرے آقا سے کر دو وہ مہمانوں کی قدر کرتا ہے، لہذا تمھاری سفارش قبول کرے گا اور اغلب یہ ہے کہ مجھے قید سے رہا کر دے گا۔"

جب میرا میزبان کھانا لایا تو میں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ جب تک تم اس غلام کے بارے میں میری سفارش قبول نہیں کرو گے، میں کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔" اس نے کہا "اس غلام نے تو مجھ کو محتاج کر دیا ہے، اور میرا سارا مال تباہ کر دیا ہے۔" میں نے پوچھا "آخر اس نے کیا کیا ہے؟" اس نے جواب دیا "میری گذر بسر ان اونٹوں کے کرائے پر تھی، جو دروازے پر مرے پڑے ہیں، اس غلام نے ان پر بہت بوجھ لادا، اور اسکی آواز بھی بہت اچھی ہے، جب اس نے سفر شروع کیا اور حدی پڑھی تو ان اونٹوں نے تین دن کا راستہ ایک دن میں طے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور اگر بالفرض موسیقی روح ملکوتی کی غذا ہوتی تو یہ جانور اس سے بالکل متاثر نہیں ہوتے، اس لئے کہ روح ملکوتی سے حیوانات محروم ہیں، حافظ ابن قیم رحمہ اسی امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إن الذی یتحرک عند سماع الغناء و الموسیقی و یطرب و یستقیظ و یتلذذ ھو النفس البھیمة لا النفس الانسانیة و لذلك استدلوا علیه بما تجده البھائم و الطیور و الوحوش عند سماعھا للغناء والحداء،

(مدارج السالکین ج ۱ ص ۴۹۹)

جو چیز گانے اور موسیقی سن کر حرکت میں آتی ہے اور مستی، تیقظ اور تلذذ محسوس کرتی ہے، وہ نفس بہیمیہ ہے، نہ کہ نفس انسانی (یا روح ملکوتی) اہل علم اس دعوی کے ثبوت کے لئے پرند و چرند اور وحوش وطیور کے گانے، موسیقی اور حدی سنکر محظوظ ہونے سے استدلال

(گذشتہ سے پیوستہ) کر لیا، اور جب ان کا بوجھ اتارا گیا تو سب مر گئے صرف ایک زندہ بچا اور وہ بھی قریب المرگ ہے، مگر چونکہ تم میرے مہمان ہو، اس لئے صرف تمھاری خاطر میں یہ غلام تمھیں ہبہ کرتا ہوں"

جب صبح ہوتی تو میرا دل چاہا کہ میں بھی اس غلام کی آواز سنوں، چنانچہ میرے میزبان نے غلام کو حکم دیا کہ "اس سامنے والے اونٹ کو حدی سناؤ جو کنویں پر پانی لے رہا ہے" جب غلام نے حدی کے لئے آواز بلند کی تو اونٹ ادھر ادھر دوڑنے لگا، اور سب رسیاں توڑ ڈالیں، میں بھی منہ کے بل گر پڑا، مجھے یاد نہیں کہ میں نے اس سے اچھی آواز کبھی اور سنی ہو۔

(احیاء العلوم الدین ج ۲ ص ۲۴۳)

کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ موسیقی کو روح کی غذا کہنا ایک بدترین قسم کا مغالطہ اور "انسانیات" سے ناواقفیت کی بڑی دلیل ہے، اور یہ دعوی کرکے موسیقی سے اشتغال کو جائز سمجھنا شیطان کی اتباع اور نفس پرستی کے سوا کچھ نہیں۔

○

اجزاء کی اباحت

بعض لوگ غنا و مزامیر کی اباحت میں یہ دلیل دیتے ہیں، کہ یہ جن اجزاء سے مرکب ہیں، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فرداً فرداً ان میں سے ہر ایک جزء حلال ہے، لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کئی حلال چیزوں کا مجموعہ زیادتی حلت پیدا کرنے کے بجائے حرمت کا سبب بن جائے۔

تفصیل اس اجمال کی ہے کہ غنا و مزامیر میں درج ذیل اجزاء پائے جاتے ہیں۔

① **صوتِ حسن** : جس کی حلت میں کوئی شبہ نہیں، اس لئے کہ یزید فی الخلق ما یشاء میں زیادتی نعمت سے مراد یہی ہے، دوسرے حدیث میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ما بعث الله نبیًا الا حسن الصوت"، (اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اچھی آواز والا ہی مبعوث فرمایا ہے) تیسرے قرآن کریم کو حسن صوت سے پڑھنے کی احادیث میں بکثرت ترغیب آئی ہے۔

② **صوتِ موزون** : وزن اور حسن دو الگ الگ چیزیں ہیں، چنانچہ بہت سی آوازوں میں حسن ہوتا ہے وزن نہیں، اور بہت سی میں وزن ہوتا ہے حسن نہیں۔ پھر اصوات موزونہ اپنے مخارج کے اعتبار سے تین طرح پر ہیں یا تو جانوروں کے گلے سے نکلتی ہیں جیسے بلبل وغیرہ

کی آواز یا انسانوں کے گلے سے نکلتی ہیں یا پھر جمادات سے خارج ہوتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جانوروں کی آواز سننا بالاتفاق حلال ہے، لہٰذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے آدمی اور جمادات کی آوازیں بھی حلال ہونا چاہئیں۔

③ **صوتِ مفہوم**: جو آواز سمجھ میں آتے اس کی اباحت میں کچھ کلام نہیں، کیونکہ ہماری عام باتیں مفہومات ہی سے تعلق رکھتی ہیں، اور جب صوتِ مفہوم حلال ہے تو اس کے ساتھ حسن اور وزن بھی جمع ہو جائیں تو بھی حلت میں فرق نہیں آنا چاہیئے لہٰذا اشعار حسنِ صوت کے ساتھ حلال ہیں، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضہ سے بھی اشعار سُننا ثابت ہے۔

④ **محرّکِ قلب**: آوازیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں، بعض کے سننے سے خوشی ہوتی ہے، بعض سے غم ہوتا ہے، بعض ہنسا دیتی ہیں، بعض رُلا دیتی ہیں۔ یہ اثر فی نفسہ بُرا نہیں، بلکہ اشخاص و احوال کے اعتبار سے اُسے اچھا یا بُرا کہا جا سکتا ہے، لہٰذا جن غنا و مزامیر سے اچھا اثر پڑے وہ مباح ہیں، اور جن سے بُرا اثر پڑے وہ ناجائز ہیں، مثلاً اگر ان کے ذریعہ کسی عبادت کا شوق پیدا کیا جائے تو یہ جائز بلکہ مستحب ہوں گے، اور اگر کسی برائی پر اکسایا جاتے تو یہ ناجائز اور حرام ہوں گے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ غنا و مزامیر میں ایسی صفات پائی جاتی ہیں جن میں سے ہر ایک جائز ہے، کیونکہ ان میں اچھی باوزن اور قابل فہم آواز ہوتی ہے جس سے دل متاثر ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ایک صفت بھی حرام نہیں لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کا مجموعہ یعنی غنا و مزامیر حرام ہو یہ استدلال بظاہر مضبوط معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت اس میں

بڑے مغالطہ سے کام لیا گیا ہے چنانچہ پہلی بات تو یہ ہے کہ آیا یہ کہنا صحیح بھی ہے کہ غنا و مزامیر میں پایا جانے والا ہر ہر جزء علی الاطلاق حلال ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ کیا تمام حلال چیزوں کا مجموعہ بھی حلال ہی ہوتا ہے یا حرام بھی ہو سکتا ہے۔

جہاں تک پہلی بات کا سوال ہے وہ خود محل نظر ہے، اور یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ غنا و مزامیر میں پایا جانے والا ہر ہر جزء علی الاطلاق حلال ہے۔ چنانچہ:

صوت حسن کا سماع بلاشبہ حلال ہے، مگر شریعت نے اتنی پابندی اس میں بھی لگا دی ہے کہ غیر محرم عورتوں کی آواز بلا ضرورت نہ سنی جائے اور اس سے لذت نہ اٹھائی جائے، کیونکہ یہ چیز بدکاری کا راستہ ہموار کرتی ہے' یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو قرآن کریم میں بتاکید ہدایت کر دی گئی ہے کہ اجنبی مردوں سے بات کرتے ہوئے آواز میں نرمی اور لہجے میں گھلاوٹ پیدا نہ کریں، کیونکہ اس چیز سے دلوں میں برے خیالات پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔

اسی طرح صوتِ موزون اور آواز میں تناسب و توازن کی اباحت کے مسئلہ میں بھی تفصیل ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پرندے کے حلق سے نکلنے والی صوت موزون حلال ہے، مگر اس پر انسانوں اور جمادات کی آوازوں کو قیاس کرنا درست نہیں، اس لئے کہ انسان کے حلق سے نکلنے والی ہر صوت موزون کا سماع حلال نہیں، بتائیے اگر کوئی مقفع اور مسجع زبان میں گالیاں دیتا چلا جائے تو کیا اس کا سننا جائز ہوگا؟ اسی طرح جمادات کے ٹکراؤ سے پیدا ہونے والی ہر صوت موزون بھی حلال نہیں، چنانچہ ستار وطنبور کی آواز خواہ کتنی ہی موزوں کیوں نہ ہو تمام امت کے نزدیک باجماع

حرام ہے۔

اسی طرح صوت مفہوم کے بارے میں بھی مطلقاً حلت کا دعویٰ درست نہیں آخر غیبت بھی تو کلام مفہوم ہی ہوتا ہے، بہتان طرازی اور الزام تراشی بھی تو عام فہم زبان ہی میں ہوتی ہے۔

پھر ان تینوں چیزوں کو جوڑ کر یہ کہنا کہ اشعار میں صوت حسن موزون اور مفہوم پائی جاتی ہے اس لئے اشعار حلال ہونے چاہئیں اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی نے بھی اشعار سنے ہیں، علی الاطلاق درست نہیں۔ کیونکہ ہر شعر کا سننا جائز نہیں، چنانچہ جس شعر میں کسی کی غیبت کی گئی ہو، کسی پر بہتان لگایا گیا ہو کسی حرام فعل پر اکسایا گیا ہو شراب وکباب کی ترغیب دی گئی ہو، عورتوں کے حسن وجمال کو بیان کرکے شہوت کو ابھارا گیا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ کرام کے بارے میں کوئی ناروا بات کہی گئی ہو، یا اسی قسم کی کوئی اور ناجائز بات اس میں پائی جاتی ہو تو اُسے سننا بھی باجماع امت حرام ہے۔

نیز یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی نے اشعار سنے ہیں بلاشبہ صحیح بات ہے، مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں، کہ ان حضرات نے جو اشعار سنے ہیں، وہ درحقیقت دین کی نصرت میں کہے گئے تھے، یا ان سے کسی دینی مقصد کو حاصل کرنا مطلوب تھا۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ غنا و مزامیر محرک قلب ہیں، اور محرک قلب کا سماع حلال ہے، اس میں چونکہ آپ بھی مطلقاً اباحت کے قائل نہیں۔ اس لئے ہم اس بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

اب یہ واضح ہوگیا کہ آپ کا دعویٰ کہ غنا و مزامیر کے اجزاء انفرادی طور پر مباح ہیں، اس لئے اجتماعی صورت میں بھی مباح ہونا چاہئیں ——

علی الاطلاق درست نہیں کیونکہ یہ اجزاء بعض حالتوں میں حرام بھی ہیں، بلکہ ذرا انصاف سے کام لیں تو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ رائج الوقت غنا و مزامیر میں جب یہ اجزاء جمع ہوتے ہیں، تو اکثر اپنی انفرادی حالت میں بھی ان میں سے ہر ایک حرام ہی ہوتا ہے۔

اب دوسری بات کی طرف آیئے یعنی یہ کہ حلال چیزوں کا مجموعہ بھی حلال ہوتا ہے، یہ بھی علی الاطلاق درست نہیں، اس لئے کہ یہ لازم نہیں، کہ جب چند چیزیں حلال ہوں اور ان کو اکٹھا کر دیا جائے تو ان کا مجموعہ بھی حلال ہو۔ بتایئے انگور کا پانی پینا اور کسی چیز کو پکانا دونوں حلال فعل ہیں یا نہیں، مگر جب انگور کے پانی کو پکایا جائے اور وہ نشہ آور ہو جائے تو کیا یہ مرکب بھی اپنے اجزاء کی طرح حلال رہے گا؟ اسی طرح سیدھی سادی لکڑی کو بجانا شرعاً مباح ہے، اور کسی تار کو ہلانا جلانا بھی ایک مباح فعل ہے۔ لہٰذا اگر صرف ستار کی لکڑی کو بجایا جائے تو یہ جائز ہے، اور اگر لکڑی سے جدا حالت میں تاروں کو ہلایا جلایا جائے تو یہ بھی مباح ہے، مگر کیا لکڑی اور تاروں کو اکٹھا کر کے اور ستار بنا کے بجانا بھی جائز ہے؟ حالانکہ پوری امت ستار کی حرمت پر متفق ہے۔

خوش الحان پرندوں کی آواز

بعض لوگ گانے کی اباحت میں یہ دلیل دیتے ہیں، کہ خوش الحان پرندوں کی آواز سننا، خواہ وہ کتنی ہی مطرب کیوں نہ ہو، باتفاق حلال ہے، لہٰذا آدمی کی آواز بھی بطریق اولیٰ حلال ہونا چاہیئے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ آدمی کی آواز کو پرندے کی آواز پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں، اور ان دونوں کو ایک جیسا قرار دیکر گانے کو حلال کہنا بالکل ایسا ہے جیسا کہ مشرکین نے کہا تھا کہ "انما البیع مثل الربا" وجہ یہ ہے کہ پرندے کی آواز خواہ کتنی ہی مطرب کیوں نہ ہو بہرحال شہوت انگیز اور فتنہ پرور نہیں ہوتی، جب کہ انسان کی آواز بالخصوص جب عورت کی ہو اور گانے کے لئے استعمال کی جائے تو شہوت کو ابھارتی اور سفلی جذبات بھڑکاتی ہے۔ پھر اگر گانے کے اشعار کا مضمون بھی عاشقانہ یا گندہ ہو تو کہنا ہی کیا۔

جنّت میں موسیقی

بعض لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں قرآن کریم میں اہل جنّت کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

"فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ

يُحْبَرُوْنَ" (روم : ۱۵)

"جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے سو وہ باغ میں ہونگے، ان کی آؤ بھگت ہو گی"

یہاں "یحبرون" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جو "حبور" سے مشتق ہے، اور جس کے معنی سرور اور خوشی کے ہیں، اور اس لفظ کے عموم میں ہر طرح کا سرور داخل ہے، مگر بعض حضرات نے اس سرور سے خاص قسم کا سرور مراد لیا ہے جو موسیقی سن کر حاصل ہو لہذا معلوم ہوا کہ جنّت میں موسیقی ہو گی اور ظاہر ہے جو چیز جنّت میں حلال ہو گی، وہ پاک ہی ہو گی، اس لئے کہ جنّت میں گندی چیزیں نہیں ہوں گی، نتیجہ یہ کہ موسیقی بھی پاک چیز ہے، لہذا دنیا میں بھی اُسے حلال ہونا چاہیئے، مگر یہ دلیل قائلین اباحت کی کم فہمی کی واضح دلیل ہے، اس لئے کہ کسی شئے کے جنّت میں حلال ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا میں بھی وہ حلال ہو، کیا شراب کی حرمت قطعی نہیں ہے، مگر پھر بھی قرآن کریم میں آتا ہے کہ اہل جنّت کو شراب پلائی جاتے گی؟ اسی طرح اس دنیا میں مردوں کے لئے ریشم پہننا حرام ہے، مگر اہل جنّت کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ریشم پہنیں گے۔ اب کیا یہ کہہ دینا درست ہے کہ شراب پینا یا ریشم پہننا دنیا میں بھی حلال ہے؟

ضعیف احادیث

گانے بجانے کو جائز کہنے والے بعض حضرات کہتے ہیں کہ حرمت غنا کے بارے میں جتنی احادیث مروی ہیں وہ سب ضعیف اور ناقابل استدلال ہیں۔ اور ہمارے بعض قارئین بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ گزشتہ اوراق میں تم نے جو حدیثیں ذکر کی ہیں، تمھاری اپنی تحقیق کے مطابق بھی ان میں سے اکثر ضعیف ہیں، تو پھر ان سے گانے بجانے اور سرود و موسیقی کی حرمت پر استدلال کرنا کہاں تک درست ہے؟

یہ اعتراض ظاہر میں جس قدر وزنی اور صحیح معلوم ہوتا ہے حقیقت میں اسی قدر کمزور سا اور غلط ہے کیونکہ گانے بجانے کی حرمت کے بارے میں جو احادیث آتی ہیں ان سب کی حالت یکساں نہیں، بعض ان میں صحیح ہیں، بعض حسن ہیں، اور بعض ضعیف اور کسی چیز کی حرمت کے اثبات کے لئے ایک حدیث صحیح کا موجود ہونا بھی کافی ہے جب کہ یہاں ایک نہیں کئی ایک احادیث صحیح اور حسن موجود ہیں لہذا اصل مستدل تو وہ احادیث صحیحہ اور حسان ہی ہوتی ہیں، احادیث ضعیفہ کو محض تائید اور تقویت کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اصول حدیث اور اصول فقہ کی رو سے اگر ایک ہی مضمون پر صحیح احادیث بھی موجود ہوں اور ضعیف بھی، تو ضعیف احادیث صحیح احادیث کو کمزور نہیں کریں گی، بلکہ صحیح احادیث ضعیف احادیث میں بھی قوت پیدا کر دیں گی اور یہ بات

صرف ایک فنی بات ہی نہیں، بلکہ اس اصول پر ساری دنیا روزمرہ کی زندگی میں بھی عمل کرتی ہے۔ چنانچہ کتنے ہی معاملات آئے دن آپ کے سامنے ایسے آتے ہیں، جن میں کسی چیز کی اطلاع آپ کو سچے اور پاکباز لوگ بھی دیتے ہیں اور جھوٹے اور مشکوک لوگ بھی، لیکن آپ سچے اور پاکباز لوگوں کی بات ماننے سے صرف اس وجہ سے انکار نہیں کرتے کہ اسی بات کو جھوٹے اور مشکوک لوگوں نے بھی بتایا ہے بلکہ دراصل ان پاکباز لوگوں کا اس بات کا کہنا ان جھوٹے اور مشکوک لوگوں کی بات کو بھی مضبوط کر دیتا ہے اور آپ کے یقین میں پختگی آتی جاتی ہے۔

ٹھیٹ اصول حدیث کی رو سے اس مسئلہ کی تفصیل سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی حدیث کو ضعیف کہنے کا کیا مطلب ہے؟ نیز حدیث ضعیف کا کیا حکم ہے؟ اگر ان دونوں باتوں کو سمجھ لیا جائے تو ساری اُلجھن دور ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی محدث کسی حدیث کو ضعیف کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث جس سند سے مروی ہے اس میں صحیح اور حسن کی شرائط نہیں پائی جاتیں، اور حدیث کو بیان کرنے والے ثقہ اور قوی راوی نہیں ہیں یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً نہیں فرمائی، کیونکہ کسی راوی کو ضعیف اس لئے قرار دیا جاتا ہے کہ اس کے حافظے، ضبط یا عدالت میں کوئی نقص ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ضعیف راوی کی ہر روایت غلط ہی ہو۔ بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسکی روایت کردہ کوئی مخصوص حدیث صحیح بھی ہو، کیونکہ جس شخص کا حافظہ (مراد محدثین کے ہاں مطلوب حافظہ ہے۔ جو بڑی کڑی شرائط چاہتا ہے) ـــــ اچھا نہ ہو، اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ جب کبھی کوئی بات بیان کرے اس سے بھول چوک ضرور ہو۔ یا جس شخص کا ضبط اچھا نہیں اور اکثر خلط ملط کا شکار ہو جاتا ہو، اس کے لئے بھی یہ ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ غلطی ہی کرے۔ علامہ ابن الصلاح

اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اذا قالوا فی حدیث "انه غیر صحیح فلیس ذالك قطعا بانه کذب فی نفس الامر اذقد یکون صدقا فی نفس الامر وانما المراد به انه لم یصح اسناده علی الشرط المذکور" واللہ اعلم

محدثین جب یہ کہتے ہیں کہ فلاں حدیث صحیح نہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ حدیث نفس الامر میں بھی یقیناً جھوٹی ہے بلکہ کسی حدیث کو غیر صحیح کہنے کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ حدیث کی سند صحیح کی شرط کے مطابق نہیں۔

(علوم الحدیث، ص ۱۱)

علامہ سیوطی رح امام نووی رح کی کتاب "تقریب" کی شرح میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں لکھتے ہیں۔

"(واذا قیل) هذا حدیث (غیر صحیح) لو قال ضعیف لکان اخصر واسلم من دخول الحسن رفمعناه لم یصح اسناده) علی الشرط المذکور لا انه کذب فی نفس الامر لجواز صدق الکاذب واصابة من هو کثیر الخطاء"

(تدریب الراوی، ص ۳۰)

جب کسی حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے، کہ یہ غیر صحیح ہے (اگر ضعیف کہا جاتے تو زیادہ جامع ہوگا) تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس حدیث کی سند مذکورہ شرط کے مطابق صحیح نہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث نفس الامر میں بھی جھوٹی ہے، اس لئے کہ جھوٹے آدمی کا سچ بولنا یا بکثرت غلطی کرنے والے کا صحیح روایت کرنا بھی بہت ممکن ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث ضعیف کے بارے میں یہ خیال کہ وہ فی نفسہ بھی یقیناً غلط ہوتی ہے، بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ کسی حدیث کو ضعیف کہنے کا مطلب صرف

یہ ہوتا ہے کہ اس کے بیان کرنے والے رواۃ ضعیف ہیں جن کے حافظے، ضبط یا عدالت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ کہ وہ ہمیشہ غلطیاں کریں، جھوٹ بولیں یہ بھی ضروری نہیں، ہو سکتا کہ کسی خاص حدیث میں وہ بالکل سچے ہوں اور الفاظ بھی صحیح نقل کر رہے ہوں۔

مگر چونکہ احادیث کا معاملہ بہت نازک ہے، اور وہ دین و شریعت اور اسلامی تعلیمات معلوم کرنے کا، قرآن کریم کے بعد، دوسرا بڑا ذریعہ ہیں، اس لئے ان کے ثبوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی نسبت کے لئے بہت تحقیق اور تفتیش کی ضرورت ہوتی ہے امت مسلمہ کی ایک جماعت نے، جسے محدثین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسی تحقیق و تفتیش کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، اور انہوں نے حدیث کے متعلق سینکڑوں علوم ایجاد کئے، جن میں اسماءُ الرجال کا فن پوری انسانی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

انسانی تحقیق کے جو ممکنہ ذرائع ہیں، ان سے جب کسی حدیث کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی نسبت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کمزور ہے اور اس کو بیان کرنے والے راویوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس کے بعد محض اس امکان پر کہ شاید نفس الامر میں حدیث صحیح ہو، پورے دین و شریعت کی عمارت تعمیر کرنا غلط ہے اس لئے کہ دین و شریعت کے احکامات اپنے ثبوت کے لئے قطعیت اور ٹھوس دلائل چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے علماء اور فقہاء کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے اور احکامات کے استنباط کے لئے ٹھوس دلائل پر اعتماد کرتے ہیں اور احادیثِ ضعیف سے مسائل کا استنباط نہیں کرتے، بلکہ مسائل و احکام کے استنباط کی بنیاد قرآنی آیات صحیح احادیث اور اجماعِ امت پر رکھتے ہیں۔

لیکن چونکہ حقیقت کے اعتبار سے حدیثِ ضعیف میں بھی احتمالِ صدق پایا جاتا ہے اور اس بات کا پورا پورا امکان ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے راوی نے اپنے ضعف کے

باوجود حدیث نبوی کی امانت بالکل صحیح منتقل کی ہو اور خطاء و نسیان اور کذب و اختلاط سے پرہیز کیا ہو، اس لئے علمائے امت اور فقہاء و محدثین کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ حدیث ضعیف کو اسلام کے دوسرے اصول و ضوابط اور دین و شریعت کے عام مزاج کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، اگر وہ اسلام کے بنیادی اصولوں اور شریعت کے عام مزاج پر پوری اترتی ہے، تو اس کے بعد وہ قرائن سے اس حدیث کو جانچتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا ایسے قرائن پائے جاتے ہیں، جن سے یہ معلوم ہو کہ یہ حدیث واقعتہً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہو گی یا نہیں. چنانچہ اگر قرائن سے ضعیف حدیث کی تائید ہوتی ہو تو اُسے معمول بہ بنا لیا جاتا ہے. علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

الحكم بالضعف والصحة انما هو فی الظاهر اما فی نفس الامر فيجوز صحة ما حكم لضعفه ظاهرا۔	کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا محض ظاہر کے اعتبار سے ہے ورنہ نفس الامر میں یہ جائز ہے کہ جس حدیث پر ضعف کا حکم لگایا گیا ہے وہ صحیح ہو۔

(فتح القدیر ج، ص ہ، فصل فی الآثار)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

ليس معنى الضعيف الباطل فی نفس الامر بل ما لم يثبت بالشروط المعتبرة عند اهل الحديث مع تجويز كونه صحيحا فی نفس الامر فيجوز ان تقترن قرينة تحقق ذلك وان الراوی الضعيف اجاد فی هذا المتن المعين۔	ضعیف حدیث کے یہ معنی نہیں کہ وہ نفس الامر میں بھی باطل ہے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی حدیث کو صحیح قرار دینے کے لئے محدثین کے ہاں جن شرائط کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ اس میں نہیں پائی جاتیں، تاہم اس بات کا امکان بھی ہوتا ہے کہ وہ حدیث نفس الامر میں صحیح ہو چنانچہ یہ جائز ہے کہ کسی ضعیف

فتح القدیر ج ۱ ص ۲۱۵ (بحث سجدہ علی کور عمامۃ)

حدیث کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا آجائے جس سے یہ امر محقق ہو جائے کہ ضعیف راوی نے اس خاص حدیث کا متن پوری حفاظت سے نقل کیا ہے اور اس قرینہ کے بعد اس حدیث پر صحیح کا حکم لگا دیا جائے۔

موصوف نماز جنازہ کی تکبیرات اربعہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إن ضعف الاسناد غير قاطع ببطلان المتن بل ظاهر فيه فاذا تايد بما يدل على صحة من القرائن كان صحيحًا "

(فتح القدیر ج ۱ ص ۴۶۱)

کسی حدیث کی سند کا ضعیف ہونا، اس کے متن کے باطل ہونے کی قطعی دلیل نہیں، بلکہ حدیث کا ضعف ایک ظاہری امر ہے چنانچہ اگر اسکی تائید ایسے قرائن سے ہو جائے جو اس کی صحت پر دلالت کریں تو وہ صحیح سمجھی جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی حدیث محدثین کے ضابطہ کے مطابق ضعیف ہو، مگر اس کی تائید دوسرے قرائن سے ہوتی ہو اور وہ حدیث دین کے بنیادی اصولوں اور تشریعت کے عمومی مزاج کے مطابق بھی ہو تو اُسے صحیح سمجھا جائے گا۔

وہ قرائن، جن سے کسی ضعیف حدیث کی صحت کی توثیق ہوتی ہے، بہت سے ہیں، جن میں سے سب سے پہلا اور قوی قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو، مسلمان فقہاء اور محدثین نے اُسے صحیح سمجھ کر اسکی بنیاد پر قانون سازی کی ہو، اُمتِ مسلمہ کے عوام و خواص نے اُسے معمول بہ بنایا ہو۔ ایسی حدیث جسے تلقی بالقبول حاصل ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور وہ صحیح بلکہ بسا اوقات متواتر کے حکم میں سمجھی جاتی ہے۔ حافظ سیوطی رح حدیث "من جمع بين الصلوتين فقد اتى بابًا من ابواب الكبائر" نقل کر کے لکھتے ہیں۔

"اخرجه الترمذی وقال العمل

یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی ہے اور

علی هذا عند اهل العلم فاشار	کہا ہے کہ "اسی کے مطابق اہل علم کا عمل ہے"
بذلك ان الحديث الضعيف	امام ترمذی نے اس قول سے اس امر کی طرف
اعتضد بقول اهل العلم وقد	اشارہ فرمایا کہ حدیث کو اہل علم کی ہمنوائی حاصل ہے
صرح غير واحد بان من دليل	اور اس بات کی تصریح بہت سے علماء نے کی ہے کہ
صحة الحديث قول اهل العلم	کسی حدیث کے صحیح ہونیکی ایک دلیل یہ بھی ہے
به وان لم يكن له اسناد يعتمد	کہ اہل علم نے اس کے مطابق عمل کیا ہو اگرچہ
على مثله،،	اس حدیث کی سند ضعیف ہو، اور اس جیسی سند
(التعقبات على الموضوعات ص ۱۴)	پر اعتماد نہ کیا جاتا ہو۔

علامہ سیوطی رہ اپنی دوسری کتاب "تدریب الراوی" میں لکھتے ہیں:

قال بعضهم يحكم الحديث بالصحة	بعض محدثین کہتے ہیں کہ جب کسی حدیث
اذا تلقاه الناس بالقبول وان	کو لوگوں کے عمل سے تائید (تلقی بالقبول)
لم يكن له اسناد صحيح. (ص ۲۴)	حاصل ہو جاتے تو اگرچہ اس کی سند صحیح

نہ ہو تب بھی اس پر "صحت" کا حکم لگا دیا جائے گا۔

علامہ ابن عبد البر رہ "الاستذکار" میں امام ترمذی رہ سے امام بخاری رہ کا یہ قول کہ "حدیث "هو الطهور ماءه" کی سند اہل علم کے نزدیک صحیح نہیں ہے" نقل کر کے لکھتے ہیں۔

لكن الحديث عندى صحيح	لیکن یہ حدیث میرے نزدیک صحیح
لان العلماء تلقوه بالقبول"	ہے اس لئے کہ اُسے علماء کی تلقی بالقبول
(الاجوبة الفاضلة ص ۲۲۹)	حاصل ہے۔

علامہ موصوف "التمهيد" میں حدیث "الدينار اربعة و عشرون قيراطا" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وفی قول جماعة العلماء و اجماع الناس علی معناه غنی عن الاسناد فیہ" (الاجوبة الفاضلة ص ۲۳۰)	علماء کی ایک جماعت کا اس کے مطابق عمل کرنا اور لوگوں کا اس کے معنی پر اجماع ہو جانا، اس حدیث کو سند سے مستغنی کر دیتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ "الافصاح علی نکت ابن الصلاح" میں لکھتے ہیں:

"ومن جملة صفات القبول ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول حدیث فانہ یقبل حتی یجب العمل بہ وقد صرح بذلک جماعة من ائمة الاصول. (الاجوبة الفاضلة ص ۲۳۱)	کسی حدیث کے مقبول ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہل علم اس حدیث کے مدلول پر عمل کرنے میں متفق ہوں چنانچہ جس حدیث کی حالت یہ ہو وہ مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس اصول کی تصریح ائمہ اصولِ حدیث کی ایک پوری جماعت نے کی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ "تلقین میت" کے بارے میں ایک حدیث نقل کرکے لکھتے ہیں۔

"فھذا الحدیث وان لم یثبت فاتصال العمل بہ فی سائر الامصار والاعصار من غیر انکار کاف فی العمل بہ" (کتاب الروح ص ۱۴)	یہ حدیث اگرچہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں لیکن پھر بھی تمام بلاد اسلامیہ کا ہر زمانے میں بغیر کسی انکار کے اس کے مطابق عمل کرنا۔ اس حدیث کو معمول بہ بنانے کے لئے کافی ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ حدیث "طلاق الامة ثنتان وعدتھا حیضتان" کے بارے میں بعض محدثین کی تضعیف نقل کرکے ان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ومما یصحح الحدیث ایضًا	جن دلائل سے اس حدیث کا صحیح ہونا معلوم

عمل العلماء علی وفقه" (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۴۳)

ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اہل علم کا اس کے مطابق عمل ہے۔

شیخ ابراہیم شرخیتی مالکی" شرح الاربعین النوویة"، ص ۳۹ میں لکھتے ہیں

ومحل کونه لا یعمل بالضعیف فی الاحکام ما لم یکن تلقاه الناس بالقبول فان کان کذلك تعین وصار حجة یعمل به فی الاحکام وغیرها کما قال الامام الشافعی رحمه الله تعالیٰ.

یہ اصول کہ حدیث ضعیف پر مسائل و احکام کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی اور ان پر بصورت احکام عمل نہیں کیا جائے گا صرف اس وقت تک ہے کہ جب تک حدیث کو تلقی بالقبول حاصل نہ ہو لیکن جب کسی حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو وہ مقبول ہوگی اور مسائل و احکام میں بھی عمل کرنے کے لئے حجت بن سکے گی۔ جیسا کہ امام شافعی رح کی رائے ہے۔

حافظ سخاوی رح تو اور آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ :-

وکذا اذا تلقت الامة الضعیف بالقبول یعمل به علی الصحیح حتی انه ینزل منزلة المتواتر فی انه ینسخ المقطوع به و لهذا قال الشافعی رحمه الله تعالیٰ فی حدیث "لا وصیة لوارث" انه لا یثبته اهل الحدیث و لکن العامة تلقته بالقبول وعملوا به حتی جعلوه ناسخا لآیة الوصیة"

اسی طرح جب ضعیف حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو اس پر حدیث صحیح کی طرح عمل کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ حدیث متواتر کا درجہ بھی حاصل کر سکتی ہے اور اس سے نسخ آیت جائز ہو سکتا ہے اسی وجہ سے امام شافعی رح نے حدیث "لا وصیة لوارث" کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ اگرچہ محدثین کے نزدیک کسی صحیح سند سے ثابت نہیں لیکن عامة المسلمین نے اُسے تلقی بالقبول سے نوازا

(فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ص ۱۲۰، ۱۲۱)	ہے اور اس پر عمل کیا ہے، یہاں تک کہ اس سے آیت وصیت کو نسخ کیا ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری رح فرماتے ہیں:

وذھب بعضھم إلی ان الحدیث اذا تأید بالعمل ارتقی من حال الضعیف الی مرتبۃ القبول وھو الاوجہ عندی، (فیض الباری ج ۳ ص ۳۰۹)	بعض محدثین کہتے ہیں کہ جب حدیث ضعیف کی تائید عمل سے ہو جائے تو وہ مرتبہ ضعیف سے درجہ قبول تک ترقی کر جاتی ہے اور یہی میرے نزدیک بھی زیادہ صحیح ہے۔

اس ساری بحث سے یہ ثابت ہوا کہ حدیث ضعیف کو جب تلقی بالقبول حاصل ہو جائے اور مسلمان عوام و خواص اور فقہاء و محدثین اُسے معمول بہ بنالیں تو وہ صحیح سمجھی جائے گی، بلکہ بعض اوقات تو وہ اس تلقی بالقبول کی وجہ سے متواتر کا درجہ بھی حاصل کر سکتی ہے۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے چاروں مکاتب فکر کے بانی ائمہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ اس زمانے میں پیدا ہوتے تھے، جسے عہد رسالت سے قریب ہونے کا فخر حاصل تھا اور جس میں علوم اسلامیہ مدوّن ہو رہے تھے اور جس وقت مسلمانوں میں عام طور پر انہی اخلاق و عادات کا چلن تھا، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ڈال گئے تھے۔

ان بزرگوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور رات دن کی جاں گسل محنتوں سے ان علوم کو حاصل کیا، ان کے قلب و جگر میں اُتر کر ان کو سمجھا، ہزاروں علماء، صلحاء اور فقہاء و محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، دین کے مذاق و مزاج سے اچھی طرح واقفیت حاصل کی، پھر اس کے بعد اپنی ساری زندگی ان علوم کی توسیع اور نشر و اشاعت

میں صرف کردی۔

پھر یہ حضرات جس زمانے میں پیدا ہوتے تھے۔ اس میں علم حدیث اپنے عروج وشباب پر تھا احادیث کی تدوین ہورہی تھی ہزاروں لاکھوں افراد نے اپنی زندگیاں حدیث کی خدمت کے لئے وقف کررکھی تھیں، لہٰذا اس دور میں کسی حدیث پر ان بزرگوں کا بالاتفاق اور پوری اُمت کا بلا اختلاف عمل کرنا اسی وقت ممکن تھا جب وہ اس دور میں تواتر کی حد تک مشہور رہی ہو اور ایسی صورت میں محض اتنی بات کی وجہ سے اس حدیث کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ بعد میں اسکو کسی ضعیف راوی نے روایت کردیا ہے۔

اس ساری بحث کے بعد اب ذرا اصل مسئلہ کی طرف آیئے، غنا و مزامیر کی حرمت کے بارے میں جو احادیث آتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ انھیں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے، ائمہ اربعہ نے ان احادیث کو معمول بہ بنایا ہے۔ اُمت کا عہدِ رسالت سے لے کر آج تک ان پر عمل رہا ہے چنانچہ مغنیہ باندی کی بیع وشراء، آلاتِ موسیقی کی خرید وفروخت، نامحرم عورت سے گانا سننا، گانے کے پیشے کو اپنانا، ایسے گانے گانا جو فواحش ومنکرات سے پُر ہوں باجماع ائمہ اور بالاتفاق اُمت حرام ہیں۔

چنانچہ امام ابو العباس قرطبی رحمہ اپنی کتاب "کشف القناع" میں لکھتے ہیں:

إن هذه الاحاديث مشهورة	بلاشبہ (غنا و مزامیر کی حرمت کے بارے میں)
عند المصنفين من المحدثين	یہ احادیث محدثین وغیرہ کے ہاں مشہور ہیں
وغيرهم مخرجة في كتبهم	اور وہ انھیں اپنی ایسی کتابوں میں لاتے
يحتج بها عند العلماء متداولة	ہیں، جو اہل علم کے ہاں متداول ہیں۔
بينهم فكل من منع الغناء	اور قابل احتجاج سمجھی جاتی ہیں، چنانچہ
استدل بها واسند منعه	جو شخص بھی غنا سے روکتا ہے وہ انہی

اليها وهم العدد الكثير والجم الغفير حتى صارت من الشهرة لا يحتاج إلى ذكر مسندها بشهرتها ومعرفة الناس بها فلو كانت تلك العلل موجبة للترك لتلك الاحاديث لما جاز لهم ولما استجازوه في دينهم فانه كان يكون منهم اقتباس الحكم من غير اصل واستدلال بما ليس بدليل وكل ذلك بعيد عنهم ومحال عليهم لما يعرف من احوالهم۔

(اتحاف السادة المتقين ج ٦ ،ص ۵۲۳)

احادیث سے استدلال کرتا ہے اور ممانعت انہی کی طرف منسوب کرتا ہے، اور ایسی احادیث جن میں غناء ومزامیر کی ممانعت آئی ہے بہت بڑی تعداد میں ہیں، اور ان کی مقدار بہت زیادہ ہے، یہاں تک کہ انھیں شہرت کا وہ اعلیٰ ترین مقام حاصل ہے جس کے بعد راوی اور حدیث بیان کرنے والے کا نام ذکر کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔ لہذا اگر ان حدیثوں میں فنی اعتبار سے ایسے عیوب ہوتے جن کی وجہ سے انھیں ترک کرنا واجب ہوتا تو ان لوگوں کے لئے جائز نہ تھا کہ ان سے استدلال کرتے، بالخصوص دین جیسے اہم معاملہ میں تو یہ چیز ہرگز بھی جائز نہیں، اس لئے کہ ان سے تو لازم آتا ہے کہ کسی مسئلہ کی تفریع بغیر اصل کے کردی گئی یا کسی ایسی چیز سے استدلال کیا گیا جو درحقیقت دلیل نہیں تھی اور ایسا کرنا ان بزرگوں سے مستبعد بلکہ محال ہے، جیسا کہ ان کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔"

یہی وہ بات ہے جو حضرت مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے بڑے پیارے انداز میں سمجھائی ہے، آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمہ اللہ ناقل ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔

كان الاسناد لئلا يدخل في

اسناد اس لئے ہوتی ہے تاکہ دین میں کوئی

الدین ما لیس له لا یخرج من الدین ما ثبت منه من عمل اهل الاسناد۔ (الاجوبة الفاضلة ص ۲۳۸)	ایسی چیز داخل نہ ہو جو در حقیقت دین میں شامل نہیں ہے، نہ کہ اس لئے کہ دین سے کوئی ایسی چیز خارج کر دے جو خود سند بیان کرنے والوں کے عمل سے بھی دین میں ثابت ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ نے بھی بہت تتبع اور تحقیق کے بعد خود غنا کے بارے میں نہایت واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ:

ولم ارا المحدثین یبیحون الغناء۔	میں محدثین کو اباحت غنا کا قائل نہیں پاتا۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۳۵۷)

اور ظاہر ہے کہ حرمتِ غناء کی احادیث اگر لائق استدلال نہ ہوتیں تو محدثین گانے کی حرمت کے ہرگز بھی قائل نہ ہوتے۔

○

مزامیرداؤد

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غناء مزامیر کو حرام کہنا اس لئے صحیح نہیں کہ بائبل کے صحیفۂ زبور سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام گیت گاتے اور دف اور بانسری وغیرہ بجایا کرتے تھے اور نہ صرف خود یہ نیکی کیا کرتے تھے بلکہ انھوں نے موسیقاروں کی پوری ایک ٹیم تشکیل دے رکھی تھی، جس کے سربراہ کا نام میر مغنی ہوتا تھا۔ یہ موسیقار نئی نئی دھنوں پر گیت گاتے اور عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ فنِ موسیقی کے ارتقاء میں ہاتھ بٹاتے تھے۔

پھر یہ لوگ بائبل کی ان ہفوات کی تائید اسلامی کتب کے ذخیروں میں تلاش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یہ باتیں صرف بائبل ہی میں نہیں، اس کا اقرار شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی محدث حنفی (ج ۹ ص ۳۲۹ میں) اور حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری (ج ۹ ص ۶۳) میں بھی فرماتے ہیں:

"عن عبید بن عمیر قال کان لداؤد علیہ السلام معزفۃ یتغنی علیھا ویبکی ویُبکی"

عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے پاس ایک باجا تھا، جس پر وہ گایا کرتے تھے اور روتے بھی تھے اور رلاتے بھی تھے۔

اسی طرح قاضی شوکانی رح اپنے رسالہ سماع میں لکھتے ہیں:

"واخرج عبد الرزاق بسند صحیح عن ابن عمرؓ ان داؤدؑ

یاخذ المعزفة فیضرب بہا ویقل أعلیہا"

عبدالرزاق اپنی مسند میں سند صحیح سے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت لکھتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ اپنے باجے کو بجا بجا کر اس پر تلاوت زبور کیا کرتے تھے۔

سید مرتضیٰ زبیدی (اتحاف السادۃ ج ۶ ص ۴۷۱ میں) لکھتے ہیں:

"قال ابن عباس إن داؤد علیہ السلام کان یقرأ الزبور بسبعین لحناً یلوّن فیھن و یقرأ قرأۃ یطرب منہا المحموم"

عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ سیدنا داؤدؑ زبور کو ستر لہجوں میں پڑھتے تھے، اور ایسے نئے نئے انداز سے پڑھتے کہ محموم بھی مست ہو جاتا تھا"

اس دلیل کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ:

اوّل تو بائیبل کو سند بنانا اور اس سے دلیل لینا ہی صحیح نہیں کیونکہ قرآن کریم میں اہل کتاب کے بارے میں واشگاف الفاظ میں کہدیا گیا ہے کہ:

"یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ"

(مائدہ : ۱۳۰)

وہ کلام کو اس کے موقع و محل سے بدل دیتے ہیں

چنانچہ جن لوگوں نے بائیبل کا مطالعہ کیا ہے، وہ اہل کتاب کی تحریفات سے خوب واقف ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ انھوں نے کتنی خباثت اور بددیانتی سے کام لیا ہے۔ اور دین کو اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق کرنے کے لئے کیسی کیسی گھناؤنی تحریفات کی ہیں، اگر صرف بڑی بڑی تحریفات ہی کو جمع کیا جاتے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاتے۔

ان لوگوں کی تحریفات اور دست درازیوں سے خدا کے برگزیدہ بندے بھی محفوظ نہیں رہے ہیں، بلکہ بعض جلیل القدر انبیاء کے بارے میں توان بدبختوں نے ایسی گندی باتیں کہی ہیں، اور اس درجہ شرمناک اور بے ہودہ حکایات نقل کی ہیں جن کی نسبت ایک معمولی درجہ کے شریف انسان کی طرف بھی نہیں کی جاسکتی۔

سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام انہی معصوم ہستیوں میں سے ایک ہیں جنھیں یہودیوں نے بطور خاص اپنی بدطینی کا نشانہ بنایا ہے، بلکہ غالباً یہی وہ پیغمبر بھی ہیں جنھیں سب سے زیادہ گندے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔[1] چنانچہ بائیبل سے معلوم ہوتا ہے گویا آپ ــ نعوذ باللہ ــ ایک شہوت پرست اور آوارہ مزاج بادشاہ تھے، اور (معاذاللہ) صنفی آوارگی آپ کے آباؤ اجداد سے چلی آرہی تھی، اس لئے کہ بائیبل کے بقول آپ کے آباؤ اجداد میں ایک شخص یہوداہ تھا جس نے اپنی بہو تمر سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے، اور ان تعلقات کے نتیجہ میں جو اولاد ہوئی تھی اس کی نویں پشت میں حضرت داؤد پیدا ہوتے تھے۔[2]

یہی نہیں بلکہ بائیبل کے مطابق (معاذاللہ) نسلی بدقماشی کا حضرت داؤدؑ نے اچھی طرح حق بھی ادا کیا، چنانچہ اور یاہ حتی کے قصے کو پڑھیے، معلوم ہوتا

---

[1] یہاں یہ جان لینا بھی مفید ہوگا کہ بائیبل حضرت داؤد علیہ السلام کی شخصیت کے دو روپ پیش کرتی ہے، ایک تو یہ کہ وہ ایک عظیم الشان بادشاہ تھے، اور بنی اسرائیل کے عروج کی علامت تھے، دوسرے یہ کہ (معاذاللہ) وہ ایک بدکردار اور شہوت پرست شخص تھے۔ غالباً ان دونوں روپوں کو اس لئے جمع کیا گیا ہے، تاکہ دولت وحشمت اور عزت وعظمت کے ساتھ بدکرداری اور زناکاری کے جواز کی صورت پیدا کی جاسکے۔

[2] ملاحظہ فرمائیے کتاب مقدس: پیدائش ص ۴۳ باب ۳۸ آیات ۲۴ تا ۲۹

ہے کہ۔ نعوذ باللہ۔ آپ کی صنفی آوارگی سے آپ کے ہمسائے تک محفوظ نہ رہے تھے۔[۵۱]

پھر اسی پر بس نہیں، بائیبل میں ایسے بہت سے قصے لکھے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف آپ خود زنا و بدکاری کرتے تھے، بلکہ زانیوں کی پشت پناہی بھی کرتے تھے، حتیٰ کہ آپ کے ایک بیٹے امون نے اپنی بہن سے منہ کالا کیا تھا۔[۵۲] اور دوسرے بیٹے ابی سلوم نے اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کی تھی۔ مگر ان سب کے باوجود (معاذاللہ) حضرت داؤد نے ان زانی بیٹوں ہی کی حمایت کی تھی۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف غنا و مزامیر کا انتساب بھی یہودیوں کی انہی خباثتوں میں سے ایک ہے۔ اس لئے کہ سرود و موسیقی زنا و بدکاری کی بہن اور اس کا لطف دوبالا کرنے کا ذریعہ ہیں۔

ہم اپنے اس قیاس کو پورے وثوق سے اس لئے بیان کر رہے ہیں، کیونکہ حق و صداقت معلوم کرنے کے صحیح ترین ذرائع ۔ قرآن و حدیث ۔ یہی بتاتے ہیں چنانچہ قرآن وحدیث اور اجماع امت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں، اور خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو ہر قسم کے گناہوں کی آلودگی سے محفوظ رکھتا ہے، اس وجہ سے زنا و بدکاری کا تو تصور بھی ان کے بارے میں نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ سرود و موسیقی جیسے لہو و لعب بلکہ دواعی زنا سے اشتغال کر سکتے ہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ آپ پڑھ چکے ہیں، جس میں آپؐ نے زمانۂ جاہلیت میں غنا و مزامیر سے اپنی حفاظت کا واقعہ سنایا ہے۔

بالخصوص حضرت داؤد علیہ السلام کو قرآن کریم ایک مقدس اور صالح پیغمبر

---

۵۱ دیکھئے کتاب مقدس: سموئیل ص ۳۰۳ باب ۱۱ آیات ۲ تا ۵

۵۲ سموئیل ص ۳۰۶ باب ۱۳ آیات ۱، ۱۱، ۱۵ نیز ۲۱، ۲۲، ۲۸، ۲۹، ۳۷

کے روپ میں پیش کرتا ہے، چنانچہ ان کے بارے میں خدا کی شہادت ہے:

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ

(ص : ۳۰)

اور ہم نے داؤد کو سلیمان بخشا، داؤد اچھا بندہ ہے، بلاشبہ وہ خدا کی رحمت کی جانب رجوع ہونے والا ہے۔

لہٰذا ان کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ وہ غنا و مزامیر سے اشتغال کرتے تھے، بڑی جسارت کی بات ہے، کیونکہ پورے قرآن مجید اور احادیث کے تمام ذخیرے کو دیکھنے کے بعد محض جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السّلام بہت خوش الحان پیغمبر تھے، اور ان کا حسن صوت ایک معجزانہ حیثیت رکھتا تھا، چنانچہ جب وہ زبور کی تلاوت کرتے یا خدا کی تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے، تو ان کی وجد آفریں تلاوت سے نہ صرف انسان بلکہ وحوش و طیور بھی وجد میں آجاتے، اور ان کے ارد گرد جمع ہو کر خدا کی حمد کرتے اور سریلی اور پرکیف آوازوں سے تقدیس و تسبیح میں حضرت داؤد کی ہمنوائی کرتے اور صرف یہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی خدا کی حمد میں گونج اٹھتے۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کی اس فضیلت کا قرآن عزیز نے سورۃ انبیاء، سبا اور صٓ میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے:

"وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ"

(الانبیاء : ۷۹)

اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو تابع کر دیا کہ وہ داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں، اور ہم ہی میں ایسا کرنے کی قدرت ہے۔

"وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ

(سبا : ۱۰)

اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جانب سے فضیلت بخشی ہے، (وہ یہ کہ ہم نے حکم دیا) اے پہاڑوں اور پرندو تم داؤد کے ساتھ مل کر تسبیح اور پاکی بیان کرو۔

"إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ"

(ص: ۱۸، ۱۹)

بے شک ہم نے داؤد کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ اس کے ساتھ صبح و شام تسبیح کرتے ہیں، اور پرندوں کے پرے کے پرے جمع ہوتے ہیں، اور سب مل کر حمد خدا کرتے ہیں۔

یہ آیات صرف اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ سیدنا داؤد علیہ السلام جب زبور کی تلاوت فرماتے تو وحوش و طیور اور جبال سب ان کے ساتھ ذکر الٰہی میں شریک ہو جاتے۔

بعض احادیث میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی تلاوت زبور کا ذکر آتا ہے، چنانچہ امام بخاری اپنی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

"خفف عن داؤد القرآن فكان يامر بدوابه فتسرج فيقرأ القرآن قبل ان تسرج دوابه"

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء ج ۱ ص ۴۸۵)

یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے تلاوت زبور سہل کر دی گئی تھی (اور وہ بہت مختصر سے وقت میں اس کی تلاوت کر لیا کرتے تھے) چنانچہ وہ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دے کر زبور کی تلاوت شروع فرماتے

اور زبور کسے جانے سے پہلے ہی اس کی تلاوت سے فارغ ہو جاتے تھے۔
معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک معجزہ یہ بھی عطا فرمایا تھا کہ ان کے وقت میں غیر معمولی برکت پیدا کردی گئی تھی، چنانچہ وہ بہت مختصر سے وقت میں زبور کی تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حسن صوت کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے:

"عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی موسیٰ لو رأیتنی وانا استمع قراءتک البارحۃ لقد اوتیت مزماراً من مزامیر آل داؤد"

(صحیح مسلم کتاب المسافرین ج ۱ ص ۲۶۸)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رض روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھ سے فرمایا کہ رات میں تمھاری تلاوت قرآن سن رہا تھا۔ تمھیں تو مزمار (لحن) داؤد عطا ہوا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رض کی حسن تلاوت کو مزمار داؤد قرار دیا ہے، اور ان کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اتنی اچھی طرح پڑھتے ہو کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا تمھیں مزمار داؤد عطا ہوا ہے۔

یہ حدیث نہایت اہم ہے، اور زیر بحث مسئلہ کو مکمل طور پر حل کردیتی ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوگیا کہ مزامیر داؤد سے مراد صوتِ حسن ہے، کیونکہ یہاں مزامیر سے مراد باجے تاشے لینا کسی طرح درست نہیں، اس لئے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت آلات موسیقی پر باجماع امت حرام ہے۔ امام نووی رح اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" قال العلماء المراد بالمزمار هنا الصوت الحسن واصل الزمر الغناء وآل داؤد هو داؤد نفسه وآل فلان قد يطلق على نفسه وكان داؤد عليه السلام حسن الصوت جدًا"

علماء نے کہا ہے کہ یہاں مزمار سے مراد صوت حسن ہے، ورنہ اصل میں "زمر" کا لفظ گانے کے لئے بولا جاتا ہے، اور آل داؤد سے مراد خود داؤد علیہ السلام ہیں، اس لئے کہ "آل فلاں" کا اطلاق کبھی "خود فلاں" پر بھی ہوتا ہے، اور داؤد علیہ السلام بہت اچھی آواز کے مالک تھے۔

صاحب "روح البیان" لکھتے ہیں:

"ضرب المزامیر مثلاً لحسن صوت داؤد علیہ السلام وحلاوة نغمته کان فی حلقه مزامیر یزمر بھا"۔

(ج ۲ ص ۴۲۱)

"ضرب مزامیر" ایک محاورہ ہے، جو حضرت داؤد علیہ السلام کی حسین اور شیریں آواز کے لئے بولا گیا ہے، کیونکہ آواز اتنے حسن سے نکلتی تھی، گویا آپ کے حلق میں باجے ہیں، جنھیں آپ بجا رہے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بہت خوش الحان تھے، اور ان کی خوش الحانی پر مجازاً ضرب مزمار کا اطلاق کیا گیا ہے، اب جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔ واللہ اعلم۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نہایت خوش الحانی سے زبور کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، جس سے وحوش وطیور اور جبال تک وجد میں آجاتے تھے، آپ کی یہی خوش الحانی کا معجزہ رفتہ رفتہ یہودیوں کی رنگ آمیزی اور ہوس پرستی کا شکار ہوگیا، اور انہوں نے اسے بنیاد بنا کر اپنی طرف سے اور اضافے کر ڈالے، اور پر کا کوا بنا کر خوش الحانی کے ساتھ

آلات موسیقی اور موسیقاروں کی ایک جماعت کو بھی جمع کر دیا۔ غالباً اسی گمراہی کی پردہ کشی کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزامیر داؤد کی اصل حقیقت اس حدیث میں واضح فرمائی ہے۔

آپ پوچھ سکتے ہیں، کہ پھر ان روایات کی کیا توجیہ کی جائے گی جن میں صاف طور پر آتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس باجا تھا، اور وہ اُسے بجایا کرتے تھے؟

قائلین اباحت نے اس سلسلہ میں جو روایات دلیل میں پیش کی ہیں وہ دو قسم کی ہیں ایک تو وہ جن میں صرف صوت حسن اور حسنِ تلاوت کا تذکرہ ہے، اور وہ وہ روایت ہے جسے علامہ مرتضیٰ زبیدی نے اتحاف میں حضرت ابن عباس رضؓ سے نقل کیا ہے، ظاہر ہے، اس روایت سے اباحت غنا و مزامیر پر استدلال کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

دوسرے وہ روایت جو حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینی کے حوالہ سے عبید بن عمیر سے نقل کی گئی ہے، اور جس میں معزفہ کا بھی تذکرہ ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ناقلین نے یہاں بد دیانتی سے کام لیا ہے، کیونکہ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری"، میں یہ روایت عبید بن عمیر سے نقل کی ہے مگر اس میں "معزفہ"، کا تذکرہ نہیں اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حدثنی ابن جریج عن عطاء عن عبید بن عمیر قال کان داود علیہ السلام یتغنی یعنی حین یقرأ ویبکی ویبکی "،

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۳)

ظاہر ہے اس روایت سے بھی کسی طرح موسیقی کا اثبات نہیں ہوتا۔ ہاں! البتہ علامہ عینی کے الفاظ وہی ہیں جو قائلین اباحت نے نقل کئے ہیں، اور بظاہر ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی قابل استدلال نہیں

کیونکہ اوّل تو اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، کیونکہ یہ روایت منقطع ہے، اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبید بن عمیر کے اپنے الفاظ ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس روایت کے راوی عبید بن عمیر ایک قصہ گو قسم کے آدمی ہیں، ــــــــ حافظ ابن حجر رح ان کا تذکرہ یوں شروع کرتے ہیں:

عبید بن عمیر بن قتادہ بن سعید بن عامر بن جندع بن لیث اللیثی ثم الجندعی ابو عاصم المکی قاص اھل مکۃ

(تھذیب التھذیب ج ۷ ص ۷۱)

عبید بن عمیر..... مکہ کے قصہ گو

حافظ صاحب کا ان کے تذکرہ کے شروع ہی میں "قاص اہل مکہ" کہنے سے بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ عبید بن عمیر نہ صرف قصہ گو تھے بلکہ بے حد مشہور قصہ گو تھے اور گویا "قاص اہل مکہ" ان کی عرفیت بن کر رہ گئی تھی۔ لہذا ظاہر یہی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف باجے کی یہ نسبت بھی ایک اسرائیلی قصہ ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

رہی قاضی شوکانی رح کی روایت جس میں معزفہ کا تذکرہ ہے، اور حضرت ابن عمر رض کی سند سے بحوالہ عبدالرزاق نقل کی گئی ہے، سو اس کے بارے میں تحقیقی بات یہی ہے کہ اس میں تصحیف ہوئی ہے، ورنہ در حقیقت وہ روایت بھی عبید بن عمیر ہی سے منقول ہے، جسے قاضی شوکانی رح کے رسالہ میں غلطی سے ابن عمر رض لکھ دیا گیا ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ یہی روایت عبدالرزاق سے حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں بھی نقل کی ہے، اور اس میں ابن عمر رض کے بجائے عبید بن عمیر ہی لکھا ہے۔ اور قابلِ توجہ امر یہ بھی ہے کہ علامہ عینی رح، اور حافظ ابن کثیر رح دونوں یہ روایت ایک ہی سند سے لاتے ہیں۔ واللہ اعلم،

عملِ اکابر

غنا و مزامیر کی اباحت ثابت کرنے کے لئے ایک قوی دلیل یہ دی جاتی ہے، کہ ہر عہد میں اُمّت کے مختلف طبقوں کے بعض افراد اس سے اشتغال رکھتے رہے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین فقہاء اور محدثین غرض ہر گروہ میں بعض افراد ہمیں ایسے نظر آتے ہیں، جو غنا و مزامیر سے لُطف اُٹھایا کرتے تھے، بالخصوص حضرات صوفیاء کرام تو اس معاملہ میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں، لہٰذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ ان سب حضرات کو خطا کار اور گمراہ قرار دے دیا جائے؟

اس دلیل کا اصولی جواب تو یہ ہے کہ شریعت کا اصل مآخذ دو ہی چیزیں ہیں، ایک کتاب اللہ دوسرے سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، اور یہی دو قابل استناد بھی ہیں، لہٰذا جو بات ان سے ثابت ہوگی، وہی لائقِ ترجیح اور معمول بہ ہوگی، اور ان دونوں سے غنا و مزامیر کی حرمت اور کراہت ہی معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ گذشتہ اوراق میں تفصیل سے گذر چکا ہے۔

دوسرے یہ کہ جمہور اُمّت کے عمل اور امتِ مسلمہ کے عام مزاج سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ غنا و مزامیر لائقِ نفریں اور قابلِ اجتناب اشیاء ہیں، اور اُمّت کی اکثریت ان سے پرہیز کرتی رہی ہے، اور ظاہر ہے کہ عہدِ رسالت سے آج تک اُمّت کے سوادِ اعظم کی ایک ہی روش خود حجّت کا درجہ رکھتی ہے۔

تیسرے یہ کہ جن روایات میں بعض بزرگوں کی طرف غنا و مزامیر میں اشتغال

منسوب ہے وہ سنداً ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہیں، اور پھر ان میں بھی زیادہ تر روایات میں صرف غناء مباح تک ہی معاملہ محدود ہے، معازف و مزامیر کا تذکرہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پوری اُمتِ مسلمہ میں عہدِ رسالت سے آج تک کوئی ایک عالم یا بزرگ بھی غناء و مزامیر کی مطلقاً اباحت کا قائل نہیں رہا ہے، اور پوری اسلامی تاریخ میں غالباً کسی بھی ایسے لائقِ استناد شخص کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی، جو ہر نوع کے گانے اور ہمہ اقسام کے آلاتِ موسیقی کی اباحت کا قائل رہا ہو، بلکہ جس کسی نے بھی غنا و مزامیر کو حلال کہا ہے اس نے بہت تحدید سے کام لیا ہے۔

۱ : علامہ محمدؒ بن حزم

ہاں البتہ صرف ایک علامہ ابن حزم ظاہری ایسے ملتے ہیں، جو بظاہر نسبتۃً وسیع معنوں میں غنا و مزامیر کی اباحت کے قائل رہے ہیں، مگر علامہ ابن حزم کے بارے میں علمی دنیا بخوبی جانتی ہے کہ ان کی شخصیت علمائے سلف میں عجیب و غریب متضاد خصوصیات کی حامل رہی ہے، ایک طرف ان کے بارے میں یہ معروف ہے کہ وہ مسلکاً ظاہری تھے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ حدیث کے ظاہری مفہوم پر کاربند رہیں، دوسری طرف ان پر عقلیات کا بھی کسی قدر غلبہ تھا، تیسرے اُن کے مزاج میں جو حدت تھی، اس کی بناء پر نہ صرف یہ کہ اجتہادی مسائل میں وہ ائمہ مجتہدین کے مقرر کردہ اصولوں کے پابند نہ تھے، بلکہ ان معاملات میں ائمہ مجتہدین پر تنقید کرتے ہوئے علمی متانت کی تمام حدود بھی پار کر جاتے تھے، چنانچہ ان کی تنقید، بلکہ تنقیص، کی تلوار سے شاید ہی کوئی مجتہد محفوظ رہا ہو۔

ان تمام وجوہ کی بنا پر وہ ایک دو نہیں، بلکہ بیسیوں مسائل میں ساری اُمت سے الگ راہ اختیار کرتے ہیں، جو نہ صرف دلائل کے خلاف ہوتی ہے، بلکہ بسا اوقات ایسی مضحکہ خیز اور عجیب و غریب ہوتی ہے کہ ایک عام مسلمان بھی

بداہتہً اسکی تردید کرسکتا ہے۔

ان کی عدمِ تقلید، اکثیر تفردات، جمہورِ اُمّت سے بکثرت انحراف، علمائے سلف بالخصوص ائمہ مجتہدین پر تنقید، بلکہ تنقیص، جیسے امور نے، عامۃ المسلمین اور علمائے عصر دونوں کو مضطرب کردیا اور انہوں نے ان کی شدّت سے مخالفت کی، علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

کان کثیر الوقوع علی العلماء المتقدمین لا یکاد یسلم احد من لسانہ فنفرت عنہ القلوب واستھدف لفقھاء وقتہ فتمالؤا علی بغضہ وردوا قولہ واجمعوا علی تضلیلہ وشنعوا علیہ وحذروا سلاطینھم من فتنتہ ونھوا عوامھم عن الدنو الیہ والاخذ عنہ فاقصتہ الملوک وشردتہ عن بلادہ حتی انتھی الی بادیۃ فتوفی بھا۔

(وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۴۱)

ابن حزم علمائے متقدمین پر کثرت سے حملے کیا کرتے تھے، مشکل ہی سے کوئی عالم ان کی زبان سے بچ پاتا تھا، اسی لئے لوگوں کے دلوں میں ان کے اس رویّہ کی وجہ سے ان کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی۔ اور وہ فقہاء وقت کے ایسے ھدف بن گئے کہ وہ سب ان سے بغض رکھنے پر متفق تھے، انھوں نے ابن حزم کے اقوال کی تردید کی اور بیک زبان انھیں گمراہ قرار دیا، ان پر نکیر کی، بادشاہوں کو ان کے فتنہ سے ڈرایا، عوام الناس کو ان کے پاس جانے اور ان کی صحبت اختیار کرنے سے روکا۔ یہاں تک کہ بادشاہوں نے ان کو اپنے آپ سے دور کرنے کے لئے شہر بدر کردیا، آخر کار وہ ایک دیہات

میں جارہے، اور وہیں انتقال فرمایا۔

علامہ صالح بن طاہر الجزائری یہ لکھنے کے بعد کہ، جن لوگوں نے علامہ ابن حزم کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے اپنی تصانیف میں بکثرت جمہور اُمّت سے اختلاف کیا ہے، اور اکثر غلط راستے پر نکل گئے ہیں اور پھر اس کے باوجود اصحاب علم بلکہ علمائے اعلام پر شدید طعن و تشنیع بھی کرتے ہیں، علامہ موصوف کی طرف سے عذر بیان کرتے ہیں، اور لکھتے ہیں کہ غالباً اس مزاج کی وجہ وہی ہے جو خود علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب "مداواۃ النفوس" میں بیان کی ہے کہ:

لقد اصابتنی علۃ شدیدۃ ولدت علی ربوا فی الطحال شدیدا فولد ذلک علی الضجر وضیق الخلق وقلۃ الصبر والنزق امرا حاسبت نفسی فیہ فانکرت تبدل خلقی واشتد عجبی من مفارقتی لطبعی۔

(توجیہ النظر الی اصول الاثر ص ۳)

مجھے ایک بیماری ہوگئی ہے، میری تلی بہت بڑھ گئی ہے، اس بیماری نے مجھ میں بے کلی، درشت مزاجی، قلّتِ صبر اور چڑچڑاہٹ پیدا کر دی ہے، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جب میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہوں تو اپنے اخلاق کی تبدیلی پر حیران رہ جاتا ہوں، اور اپنے مزاج و طبیعت بدل جانے پر بہت تعجب کرتا ہوں۔

مزاج میں درشتی، چڑچڑاہٹ اور انتہا پسندی یہ سب چیزیں علامہ موصوف کی تحریر سے خوب جھلکتی ہیں، اسی لئے علمائے اعلام کو بُرا بھلا کہنے کے علاوہ بسا اوقات وہ ایسے ایسے مضحکہ خیز مسائل بھی لکھ جاتے ہیں، جن کی

غیر معمولی سطحیت اور فحش غلطی کی بنا پر ہر مسلمان تردید کر سکتا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک:

(۱) کنواری لڑکی سے جب نکاح کی اجازت طلب کی جائے، تو اس کا نکاح اسی وقت درست ہو سکتا ہے، جب وہ خاموش رہ کر اپنی رضامندی کا اظہار کرے لیکن اگر وہ اپنی رضامندی کا اظہار منہ سے بول کر کرے تو اس کا نکاح باطل ہو جائے گا۔ (المحلی ج ۹ ص ۴۷۱)

(۲) ٹھہرے ہوئے پانی میں اگر پیشاب کر دیا جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اس میں غسل کرنا جائز نہیں رہتا۔ لیکن اگر اس میں پاخانہ کر دیا جائے اور پھر غسل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ یا اگر باہر سے پیشاب بہتا ہوا اس پانی میں چلا جائے، تب بھی وہ لائق غسل اور پاک ہی رہتا ہے۔

(المحلی ج ۱ ص ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۹)

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے مسائل اس بات کا واضح ثبوت ہیں، کہ اتنے بڑے عالم کے بھی بعض تفردات انتہائی غلط اور خطا سے پُر ہیں۔

درحقیقت غنا و مزامیر کے مسئلہ کی نوعیت بھی یہی ہے، علامہ ابن حزم اس معاملہ میں سب سے منفرد نظر آتے ہیں، وہ نہایت شد و مد سے لکھتے ہیں کہ حرمت غنا و مزامیر کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ حالانکہ عالم یہ تھا کہ سنن ترمذی جیسی کتاب سے موصوف ناواقف تھے اور امام ترمذی جیسے امام حدیث کو انہوں نے مجہول لکھا ہے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"ولا التفات إلى قول ابی محمد بن حزم فیہ فی الفرائض من کتاب الایصال انہ مجہول فانہ ما عرف ولا دری بوجود الجامع ولا العلل لہ"

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۱۷)

(حافظ العلم ابو عیسیٰ ترمذی کی ثقاہت متفق علیہ ہے) اور ان کے بارے میں ابو محمد بن حزم کا یہ قول کہ وہ مجہول ہیں نا قابل توجہ ہے، درحقیقت ابن حزم ان سے اور ان کی کتاب جامع اور علل سے واقف ہی نہ تھے۔

حافظ ابن حجر اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

واما ابو محمد بن حزم فانہ نادی علی نفسہ بعدم الاطلاع فقال فی کتاب الفرائض من الاتصال محمد بن عیسیٰ بن سورۃ مجھول ولا یقولن قائل لعلہ ماعرف الترمذی ولا اطلع علی حفظہ ولا علی تصانیفہ فان ھذا الرجل قد اطلق ھذہ العبارۃ فی خلق من المشھورین من الثقات الحفاظ کابی القاسم البغوی واسماعیل بن محمد الصفار وابی العباس الاصم وغیرھم

ابو محمد بن حزم نے ترمذی کو مجہول لکھ کر اپنی ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے، وہ غالباً امام ترمذی سے واقف ہی نہ تھے، اور نہ ان کو ان کے حفظ اور تصانیف کی خبر تھی، ابن حزم نے اس قسم کے الفاظ بعض اور مشہور ثقات حفاظ مثلاً امام ابو القاسم بغوی، اسماعیل بن محمد الصفار اور ابو العباس الاصم وغیرہ کے متعلق بھی استعمال کئے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۸)

غناد مزامیر کے بارے میں حضرت ابو مالک اشعری کی روایت بخاری کو بھی علامہ ابن حزم نے ضعیف قرار دیا ہے، جس کا جواب نہایت تفصیل سے آپ پڑھ چکے ہیں، اور دوسری بعض احادیث کے بارے میں بھی انھوں نے ایسی ہی باتیں کی ہیں، علامہ ابن حجر ان کے اس عیب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كان واسع الحفظ جدًّا إلّا انه لثقة بحافظته كان يهجم كالقول فى التعديل والتجريح و تبيين اسماء الرواة فيقع له من ذلك اوهام شنيعة قد تتبع كثيرا منها الحافظ قطب الدين الحلبى ثم المصرى من المحلى خاصة وسأذكر منها شيئًا

(لسان الميزان ج ۴ ص ۱۹۴)

علامہ ابن حزم وسیع حافظہ کے مالک تھے، مگر یہ کہ اپنے حافظہ پر اعتماد کرنے کی وجہ سے روایت کی تعدیل، احادیث کی تخریج اور رُوات کے اسماء بیان کرنے میں ان سے غفلت ہوجاتی تھی اور بدترین قسم کے اوہام صادر ہوتے تھے، ان میں سے بہت سارے اوہام کا تتبع حافظ قطب الدین حلبی ثم مصری نے "المحلی" سے کیا ہے، میں بھی ان میں سے بعض ذکر کروں گا۔

خلاصہ یہ کہ غنا و مزامیر کے معاملہ میں بھی علامہ ابن حزم کی رائے قابلِ اعتبار نہیں، نیز ان کا یہ کہنا بھی بالکل غلط ہے کہ حرمت غنا و مزامیر کے بارے میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں۔ اس سلسلے میں درحقیقت ان سے تسہم ہوا ہے۔

۲ علامہ محمد بن طاہر مقدسی

غنا و مزامیر کو حلال قرار دینے والے دوسرے بزرگ علامہ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غنا و مزامیر کو حلال قرار دینے میں اور اس کے لئے مواد فراہم کرنے میں جتنا ہاتھ ان کا ہے، پوری امت مسلمہ میں غالبًا کسی اور کا نہیں، انھوں نے مستقل ایک کتاب "السماع" لکھی ہے، اور اس میں ایسی ایسی خرافات جمع کی ہیں، جو اپنی مثال آپ ہیں، ان کی یہی کتاب قائلینِ اباحت کا سب سے بڑا ہتھیار رہی ہے۔ اور ان کے اکثر دلائل اسی کتاب سے

ماخوذ ہوتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے بارے میں تفصیلی کلام کیا جائے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ امت مسلمہ کو اباحت غنا و مزامیر کے دلائل بسند خود فراہم کرنے والا شخص کیسا ہے؟ آیا اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

علامہ ابن الجوزی ان کے بارے میں لکھتے ہیں :

كان له حفظ الحديث ومعرفة به وصنف فيه الا انه صنف كتابا سماه صفوة التصوف يضحك منه من يراه ويعجب من استشهاده على مذاهب الصوفية بالاحاديث التى لا تناسب ما يحتج له من نصرة الصوفية وكان داود كى المذهب فمن اثنى عليه فلاجل حفظه للحديث والا فالجرح اولى به ذكره ابو السعد بن السمعانى وانتصر له بغير حجة بعد أن قال سألت شيخنا إسماعيل بن احمد الطلحى الحافظ عن محمد بن طاهر فاساء الثناء عليه و كان سئى الرأى فيه وقال وسمعت ابا الفضل بن ناصر يقول محمد بن طاهر لا يحتج به صنف كتابا فى جواز النظر إلى المرد اورد فيه حكاية عن يحيى بن معين قال رأيت جارية مليحة صلى عليها فقيل له تصلى عليها؟ فقال صلى الله عليها وعلى كل مليح ثم قال يذهب مذهب الاباحة قال ابن السمعانى وذكره ابو عبد الله محمد بن عبد الواحد

الدقاق الحافظ فاساء الثناء عليه جداً و نسبه الی الاشياء ثم انتصر له السمعانی فقال لعله قد تاب فواعجبا فمن سيره قبيحة فيترك الذم لصاحبها لجواز ان يكون قد تاب فما ابله هذا المنتصر۔

(المنتظم ج ۹ ص ۱۷۹)

انھیں احادیث یاد تھیں، اور ان کی معرفت حاصل تھی، مگر یہ کہ انہوں نے ایک کتاب "صفوۃ التصوّف" لکھی ہے، جسے دیکھ کر ہر شخص کو ہنسی آتی ہے، اور ان کے ان استشہادات پر تعجب ہوتا ہے، جو انھوں نے مسلک صوفیہ کی نصرت کے لئے ایسی احادیث سے کئے ہیں، جو اس مقصد سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتیں۔

مذہباً داؤد ظاہری کے پیرو تھے، جس نے ان کی تعریف کی ہے وہ ان کے حفظِ حدیث کی وجہ سے کی ہے، ورنہ درحقیقت ان پر جرح فوقیت رکھتی ہے۔

ابن سمعانی نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور پھر بلا دلیل ان کا دفاع کیا ہے، ابن سمعانی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ حافظ اسماعیل بن احمد سے ابن طاہر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ان کی بہت برائی کی، اور وہ ابن طاہر کے بارے میں بڑی بُری رائے رکھتے تھے۔

ابن سمعانی ہی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالفضل بن ناصر سے سُنا ہے کہ ابن طاہر لائق احتجاج نہیں، انھوں نے ایک کتاب بے ریش لڑکوں کی طرف دیکھنے کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے لکھی ہے، اور اس میں یحیی بن معین کا یہ قصہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا کہ میں

نے مصر میں ایک خوبصورت لڑکی دیکھی صلی اللہ علیہا (اللہ اس پر رحمتیں نازل کرے) کسی نے عرض کیا آپ اس لڑکی پہ درود پڑھ رہے ہیں فرمایا "صلی اللہ علیہا وعلی کل ملیح"، (اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس پر اور ہر خوبصورت لونڈے پر نازل ہوں۔ یہ قصہ سنانے کے بعد ابن ناصر نے فرمایا کہ ابن طاہرؒ "مذہب اباحت" کے قائل تھے۔

ابن سمعانی کہتے ہیں کہ ان کا ذکر حافظ محمد بن عبدالواحد دقاق نے بھی کیا ہے، اور ان کی طرف بہت سی بری باتیں منسوب کی ہیں۔

ابن سمعانی نے یہ سب ذکر کرنے کے بعد ابن طاہر کی طرف سے دفاع کیا ہے، اور لکھا ہے کہ شاید انھوں نے توبہ کر لی ہو۔

(علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں) خوب! بڑے تعجب کی بات ہے، کہ جس شخص کے کرتوت بُرے ہوں اس کو بُرا کہنا صرف اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ شاید اس نے توبہ کر لی ہو۔ یہ مدافعت کرنے والا بھی کتنا احمق ہے!

علامہ صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی "الوافی بالوفیات" میں لکھتے ہیں:

"قال ابن الجوزی فی مرآۃ الزمان ..... وقال ابن عساکر سمعت ابا العلاء الحسن بن احمد الھمذانی یقول ابتلی محمد بن طاھر لھوی امرأۃ من اھل الرستاق وکانت تسکن قریۃ علی ستۃ فراسخ من ھمذان وکان کل یوم یذھب إلی قریتھا فیراھا فی ضوء السراج ثم یرجع إلی ھمذان فکان یمشی کل یوم اثنی عشر فرسخا ولما احتضر کان یردد

ھذا البیت۔

وماکنتم تعرفون ما الجفا ممن تریٰ قد تعلمتم

(الوافی بالوفیات ج ۲ ص ۱۶۷، ۱۶۸)

علامہ ابن جوزی نے مرآۃ الزمان میں لکھا ہے، کہ ابن عساکر کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن احمد ہمدانی سے سنا ہے کہ ابن طاہر رسداق کی ایک عورت پر عاشق ہو گئے تھے، وہ عورت ہمدان سے چھ فرسخ دور ایک گاؤں میں رہتی تھی، ابن طاہر روزانہ اس کے گاؤں جاتے اور اسکو چراغ کی روشنی میں سوت کاتتے دیکھتے، اس کے بعد ہمدان واپس لوٹ آتے، اس طرح ہر دن دہ بارہ فرسخ کا سفر طے کیا کرتے۔ جب ان کی موت کا وقت آیا تو وہ یہ شعر بار بار پڑھ رہے تھے ؎

وماکنتم تعرفون ما الجفا

ممن تریٰ قد تعلمتم

علامہ ذہبی "میزان الاعتدال" میں لکھتے ہیں:

محمد بن طاہر المقدسی الحافظ لیس بالقوی فان لہ اوھام کثیرۃ فی توالیفہ قال ابن ناصر کان لحنۃ ویصحف، قال ابن عساکر جمع اطراف الکتب الستۃ فرأیتہ بخطہ وقد أخطا فیہ فی مواضع خطأ فاحشا قلت ولہ انحراف عن السنۃ الی تصوف غیر مرضی۔

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۸۷)

حافظ محمد بن طاہر مقدسی، علم حدیث میں قوی نہیں ہیں، اس لئے کہ

ان کی کتابوں میں بہت زیادہ اوہام ہیں۔

ابن ناصر کہتے ہیں کہ وہ عبارتوں کو غلط پڑھتے اور غلط لکھتے تھے۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ انھوں نے صحاح ستہ کے اطراف جمع کئے ہیں، میں نے خود ان کے خط سے لکھا ہوا نسخہ پڑھا ہے، اس میں انھوں نے بہت سے مقامات پر بدترین غلطیاں کی ہیں۔

میں ـــ حافظ ذہبی ـــ کہتا ہوں کہ وہ طریق سنت کو چھوڑ کر ناپسندیدہ تصوف کی طرف مڑ گئے تھے۔

حافظ ابن حجر علامہ ذہبی کی یہی عبارت بعینہٖ نقل کی ہے، اور مزید لکھا ہے کہ:

"قال الدقاق فی رسالته كان ابن طاهر صوفیا ملامتیا له ادنى معرفة بالحديث فی باب السماع وذكر لى عنه حديث الاباحة اسأل الله ان يعافينا منها وممن يقول بها من الصوفية قال ابن ناصر محمد بن طاهر لا يحتج به خلف كتابا فی جواز النظر إلى المرد وكان يذهب مذهب الاباحة وكان لحنة مصحفا قال ابن السمعانی سألت اسماعيل بن محمد الحافظ فاسأ الثناء عليه وقال السلفی كان فاضلا يعرف ولكنه كان لحنة حكى له المؤتمن قال كنا بهراة عند عبدالله الانصاری وكان ابن طاهر يقرأ ويلحن فكان الشيخ يحرك رأسه ويقول لاحول ولا قوة الا بالله وقال ابن عساكر له شعر حسن مع انه كان لا يعرف النحو۔

(لسان المیزان ج ۵ ص ۲۰۷ تا ۲۱۰)

دقاق نے اپنے رسالہ میں کہا ہے کہ ابن طاہر ملامتی صوفی تھے، اور ان کو سماع کے باب میں احادیث کی ادنی معرفت بھی نہیں تھی۔ انہوں نے اپنی سند سے ایک حدیث اباحت غنا کی مجھے بھی سنائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اباحت غنا اور صوفیہ میں سے جو اس کے قائل ہیں ان سے محفوظ رکھے۔

ابن ناصر کہتے ہیں کہ ابن طاہر لائق احتجاج نہیں، انھوں نے ایک کتاب بے ریش لونڈوں کو دیکھنے کا جواز ثابت کرنے کے لئے لکھی ہے، وہ مذہب اباحت کے پیرو تھے، اور غلط پڑھتے اور غلط لکھتے تھے۔

ابن سمعانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حافظ اسمٰعیل بن محمدؒ سے ان کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے اُن کی بہت برائی کی۔

سلفی کہتے ہیں کہ ابن طاہر عالم فاضل آدمی تھے، مگر یہ کہ غلط پڑھا کرتے تھے، مؤتمن نے ان کا ایک قصہ بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرات میں عبداللہ انصاری کے پاس بیٹھے تھے، اور ابن طاہر پڑھ رہا تھا اور غلطیاں کر رہا تھا، شیخ بار بار اپنے سر کو ہلا رہے تھے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ رہے تھے۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ ابن طاہر اچھے شاعر ہیں، مگر یہ کہ وہ نحو سے ناواقف ہیں۔

علامہ ابن العماد لکھتے ہیں:

"ولولا ما ذهب اليه من اباحة السماع لانعقد على ثقته اجماع"

(شذرات الذهب ج ۴ ص ۱۸)

اگر ابن طاہر اباحت سماع کا مذہب اختیار نہ کرتے تو ان کی ثقاہت پر اجماع ہو جاتا۔

شافعی صغیر لکھتے ہیں:

"وحکایة وجه بحل العود مردودة وما سمعناه من بعض صوفیة الوقت تبع فیه کلام ابن حزم و اباطیل ابن طاهر وکذبه الشنیع فی تحلیل الاوتار وغیرها لم ینظر لکونه مذموم السیرة مع انه مردود القول عند الائمة وقد بالغ بعضهم فی تسفیهه وتضلیله وسیما الاذرعی فی توسطه وکل ذلك مما یجب الکف عنه واتباع ماعلیه ائمة المذاهب الاربعة وغیرهم لا ما افتراه اولئك ......وحکایة ابن طاهر عن الشیخ ابی اسحاق الشیرازی انه یسمع العود من جملة کذبه وتهوره فلا یحل الاعتماد علیه۔ (نهایة المحتاج ۸ ص ۲۸۱)

وہ قصہ جس سے عود کی حلت معلوم ہوتی مردود ہے، اور وہ جو ہم نے اس سلسلے میں بعض صوفیاء وقت سے سنا ہے، اس میں ابن حزم کے کلام اور ابن طاہر کے اباطیل (ہفوات) کی پیروی کی گئی ہے اور اوتار وغیرہ کی حلت میں اس کے بدترین جھوٹ کی طرف نہ دیکھا جائے، اس لئے کہ اس کی سیرت مذموم ہے۔ اور ساتھ ہی ائمہ کے نزدیک اس کا قول مردود ہے۔ بعض علماء نے اسکی بہت تحمیق و

تفصیل کی ہے، بالخصوص امام اذرعی نے اپنی کتاب توسط میں ۔

اور یہ اوتار وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے رکنا واجب ہے، اور لازم ہے کہ اس سلسلے میں مذاہب اربعہ کے ائمہ کی پیروی کی جائے نہ کہ ان لوگوں کی بات کو مانا جائے جنھوں نے جھوٹ گھڑ لیا ہے ۔

اور ابن طاہر نے شیخ ابو اسحاق شیرازی کے بارے میں جو نقل کیا ہے کہ وہ عود سنتے تھے، سو وہ بھی اس کے منجملہ اور جھوٹوں اور جرأتوں کے ہے ۔

۳ ابو الفرج اصفہانی

تیسرے وہ بزرگ جن کی کتاب کے حوالے غنا و مزامیر کی اباحت ثابت کرنے کے لئے بہت دیئے جاتے ہیں، ابوالفرج اصفہانی ہیں ۔ جن کی کتاب "الاغانی" بہت مشہور ہے، اور بلاشبہ اپنے موضوع پر پوری اسلامی تاریخ میں منفرد ہے، انہوں نے اپنی اس کتاب میں اپنے عہد تک کے تمام بدکاروں، زناکاروں، عیاشوں، شرابیوں، گاینوں، گویّوں اور موسیقاروں کے حالات ذکر کئے ہیں، اسی میں انہوں نے بعض بزرگوں کے قصّے بھی نقل کر دیئے ہیں، جن کی اسانید انتہائی ضعیف بلکہ خود ساختہ ہیں، ان کا بھی کچھ تذکرہ علماء کی زبانی سن لیجئے، علامہ ابن الجوزی ان کے بارے میں لکھتے ہیں :

صنف کتبا کثیرة منها الاغانی وکتابه ایام العرب ذکره فیه الفا وسبعمائة یوم روی عنه الدار قطنی وکان یشیع ومثله لا یوثق بروایته یصرح فی کتبه بما یوجب علیه الفسق ویهون شرب الخمر وربما حکی ذلك عن نفسه

ومن تامل کتاب الاغانی رأی کل قبیح ومنکر۔

(المنتظم ج ۷ ص ۴۰)

ابوالفرج نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں "الاغانی" اور "کتاب ایام العرب"، بھی شامل ہیں، جس میں انہوں نے ایک ہزار سات سو دنوں کا ذکر لکھا ہے۔

دارقطنی نے ان سے روایت لی ہے،

ابوالفرج شیعہ تھے، اور ان جیسے آدمی کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اپنی کتاب میں ایسی باتوں کو بڑی صراحت سے لکھ جاتے ہیں جن سے ان پر فسق لازم آتا ہے، اور شراب پینا ہلکا معلوم ہوتا ہے، بعض اوقات خود اپنے شراب پینے کا قصہ بیان کرتے ہیں، جو شخص ان کی کتاب "الاغانی"، کو غور سے پڑھے وہ اس میں ہر قسم کے قبیح اور منکر امور پاتے گا۔

"النجوم الزاھرۃ" میں علامہ یوسف بن تغری لکھتے ہیں:

کان اخباریاً نسابًا شاعرًا ظاھرًا بالتشیع

(النجوم الزاھرۃ ج ۴ ص ۱۵)

ابوالفرج اخباری، ماہر نسب، شاعر اور کٹر شیعہ تھے۔

"لسان المیزان"، میں حافظ ابن حجر خطیب بغدادی کی سند سے نقل کرتے ہیں:

"الحسن بن حسین نوبختی یقول کان الوالفرج اکذب الناس کان یشتری شیئاً کثیرًا من الصحف ثم تکون روایاتہ کلھا منھا"

(لسان المیزان ج ۴ ص ۲۲۲)

حسن بن حسین نوبختی کہتے ہیں کہ ابوالفرج تمام لوگوں میں سب سے بڑے جھوٹے تھے، وہ بہت سی کتابیں خرید لیتے اور پھر ان میں سے روایتیں چرا لیتے تھے۔"

یہ تین بزرگ ہی ایسے ہیں، جو قائلین اباحت کا کل سرمایہ ہیں، کیونکہ انہی حضرات نے اپنی کتابوں میں وہ روایات جمع کی ہیں، جن سے بعض معزز ہستیوں کے بارے میں بھی غنا و مزامیر میں اشتغال معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ صحیح روایات سے کسی بھی بزرگ کا مزامیر سے اشتغال ثابت نہیں اور نہ ہی کسی مستند کتاب میں ان روایات کا تذکرہ ہے۔ لیکن گذشتہ تفاصیل سے معلوم ہو گیا کہ غنا و مزامیر کے سلسلے میں ان تینوں حضرات کا قول یا ان کی روایات کسی درجہ میں بھی لائق استناد نہیں۔

کتابیات

نوٹ : اس فہرست میں صرف ان کتابوں کے نام درج کیے گئے ہیں، جن سے مترجم نے براہِ راست استفادہ کیا ہے اور جن کے حوالے بھی اس کتاب میں آئے ہیں۔

کتابیات

(بحساب حروفِ تہجی)

۱ اتحاف السادة المتقین — علامہ سید ابوالفیض محمد بن محمد الحسینی الزبیدی الشہیر بمرتضیٰ (م ۱۲۰۵ھ)
المطبعة المیمنہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ ،

۲ الاجوبۃ الفاضلۃ — علامہ ابوالحسنات محمد بن عبدالحی (م: سنہ ۱۳۰۴ھ)
مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب سنہ ۱۹۶۴ء۔

۳ احکام القرآن — امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص (م، سنہ ۳۷۰ھ)
المطبعة البہیة، مصر سنہ ۱۳۴۷ھ۔

۴ احیاء علوم الدین — حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی (م، سنہ ۵۰۵ھ)
شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی و اولادہ، مصر ۱۳۵۸ھ۔

۵ اخبار الاخیار — شیخ ابوالمجد عبدالحق محدث دہلوی (م: سنہ ۱۰۵۲ھ)
مطبع ہاشمی، دہلی سنہ ۱۲۸۰ھ۔

۶ الاختیار — علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود (م: سنہ ۶۸۳ھ)
شرکۃ المکتبۃ والمطبعۃ مصطفی البابی الحلبی و اولادہ، مصر سنہ ۱۹۵۱ء

۷ الادب المفرد — امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م: سنہ ۲۵۶ھ)
(مطبوع مع شرحہ فضل اللہ الصمد، المطبعة السلفیة، قاہرہ سنہ ۱۳۷۸ھ

۸ الارشاد شرح قصیدہ بانت سعاد — حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (م: ۱۳۲۲ھ)
مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۷ھ

۹ اسد الغابۃ — امام ابو الحسن علی بن محمد الجزری المعروف بابن اثیر (م: ۶۳۰ھ)
المکتبۃ الاسلامیۃ، طہران، ۱۳۳۳ھ

۱۰ الاشباہ والنظائر — شیخ زین العابدین ابراہیم الشہیر بابن نجیم (م: ۹۷۰ھ)
(مطبوع مع شرحہ "غمز عیون البصائر"، منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۱ء

۱۱ الاعتصام — امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی، (م: ۷۹۰ھ)
مطبعۃ المنار، مصر ۱۳۳۱ھ،

۱۲ اعلاء السنن — حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی (م: ۱۳۹۴ھ)
اشرف المطابع تھانہ بھون، ۱۳۵۲ھ۔

۱۳ اعلام الموقعین — حافظ ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم الجوزیہ (م: ۷۵۱ھ)
ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر

۱۴ اغاثۃ اللہفان — حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم الجوزیۃ (م: ۷۵۱ھ)
شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ، مصر ۱۳۵۷ھ

۱۵ الاکلیل — حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، (م: ۹۱۱ھ)۔
دار الکتب العربی، قاہرہ،

۱۶ اکمال اکمال المعلم — امام ابو عبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی، (م: ۸۲۷ھ)
دار الکتب العلمیۃ، بیروت،

۱۷ الام — امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی، (م: ۲۰۴ھ)
مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، مصر ۱۳۸۱ھ،

۱۸ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر — امام ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون الخلال، (م: ۳۱۱ھ)
دار الاعتصام، سعودی عرب ۱۹۷۵ء،

۱۹ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر (اردو) — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی — مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۷۶ء

۲۰ الانصاف — علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان المرداوی، (م: ۸۸۵ھ) — دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۸۰ء

۲۱ انوار المحمود علی سنن ابی داؤد — مرتب مولانا ابوالعتیق عبدالهادی محمد صدیق نجیب آبادی — جمال پرنٹنگ، دہلی، ۱۳۵۶ھ،

۲۲ البحر الرائق — شیخ زین العابدین ابراہیم الشہیر بابن نجیم (م: ۹۷۰ھ) — المطبعۃ العلمیۃ، مصر ۱۳۱۱ھ،

۲۳ بدائع الصنائع — علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی، (م: ۵۸۷ھ) — شرکۃ مطبوعات العلمیہ، مصر ۱۳۲۷ھ،

۲۴ البدایۃ والنهایۃ — حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (م: ۷۷۴ھ) — المطبعۃ السلفیۃ ۱۳۵۱ھ

۲۵ بذل المجهود — حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، (م: ۱۳۴۲ھ) — مطبعۃ ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۳۹۲ھ

۲۶ بلغۃ السالک لاقرب المسالک — علامہ الشیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی (م: ۱۲۴۱ھ) — (مطبوع مع متنہ "الشرح الصغیر") دار المعارف، مصر ۱۹۷۳ء

۲۷ بیان القرآن — حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، (م: ۱۳۶۲ھ) — مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۲۶ھ،

۲۸ التاج والاکلیل — علامہ ابو عبداللہ محمد بن یوسف العبدری الشہیر بالمواق (م: ۸۹۷ھ) — (مطبوع مع شرحہ "مواهب الجلیل") دار المعارف، مصر ۱۹۵۳ء،

۲۹ تاج العروس — علامہ سید ابوالفیض محمد بن محمد الحسینی الزبیدی الشہیر بمرتضیٰ (م: ۱۲۰۵ھ) — دار لیبیا۔ بنغازی،

۳۰ تاریخ البغداد — حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب (م: ۴۶۳ھ)
دار الکتاب العربی۔ بیروت

۳۱ تحفة الاحوذی — مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری (م: ۱۳۵۳ھ)
دار الکتاب العربی، بیروت ۱۳۴۶ھ)

۳۲ تخریج العراقی علی احیاء علوم الدین — حافظ ابوالفضل زین الدین عبدالرحیم بن الحسین عراقی، (م: ۸۰۶ھ)
(مطبوع علی حاشیہ احیاء علوم الدین) شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۵۸ھ

۳۳ تدریب الراوی — حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (م: ۹۱۱ھ)
المکتبۃ العلمیۃ، المدینۃ المنورۃ ۱۳۷۹ھ،

۳۴ تذکرۃ الموضوعات — علامہ محمد طاہر بن علی الصدیقی الفتنی (م: ۹۸۶ھ)
المکتبۃ القیمۃ، بمبئی ۱۳۴۳ھ،

۳۵ تعقبات سیوطی علی موضوعات ابن جوزی — حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال السیوطی (م: ۹۱۱ھ)
مطبع محمدی۔ لاہور ۱۸۸۶ء۔

۳۶ تعلیقات علی جامع الاصول — شیخ عبدالقادر الارناؤوط
(مطبوع مع "جامع الاصول" مطبعۃ الملاح ۱۹۷۱ء

۳۷ تعلیقات علی المطالب العالیۃ — مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
(مطبوع مع "المطالب العالیۃ" دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔

۳۸ تفسیر ابن جریر — امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (م: ۳۱۰ھ)
مطبعۃ المیمنۃ، مصر،

۳۹ تفسیر ابن کثیر — حافظ ابوالفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر (م: ۷۷۴ھ)
سہیل اکیڈمی، شاہ عالم مارکیٹ لاہور، ۱۳۹۳ھ،

۴۰ تفسیر ماجدی (انگریزی) — مولانا عبدالماجد دریابادی (م: ۱۳۹۷ھ)
تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی،

۴۱ تفسیر مظہری — قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی پانی پتی (م: ۱۲۲۵ھ)
ندوۃ المصنفین، دہلی

۴۲ التفسیرات الاحمدیۃ — شیخ احمد المعروف بملا جیون (المتوفی: ۱۱۳۰ھ)
مطبع الکریمی، بمبئی ۱۳۲۷ھ،

۴۳ تلبیس ابلیس — امام ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد بن علی بن الجوزی (م: ۵۹۷ھ)
نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۴۴ التلخیص الحبیر — حافظ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی، (م: ۸۵۲ھ)
السید عبد اللہ ہاشم الیمانی المدنی، المدینۃ المنورۃ ۱۳۸۴ھ،

۴۵ تلخیص المستدرک — حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی (م: ۸۴۸ھ)
(مطبوع علی ہامش "المستدرک") دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن ۱۳۴۲ھ

۴۶ تہذیب التہذیب — حافظ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م: ۸۵۲ھ)
دائرۃ المکتبۃ النظامیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ،

۴۷ تہذیب السنن — حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم (م: ۷۵۱ھ)
المکتبۃ الاثریۃ، سانگلہ ہل، پاکستان ۱۳۹۹ھ،

۴۸ توجیہ النظر — شیخ طاہر بن صالح الجزائری (م: ۱۳۳۸ھ)
المکتبۃ العلمیۃ، المدینۃ المنورۃ،

۴۹ الجامع لاحکام القرآن — امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، (م: ۶۷۱ھ)
دار الکتب العربیۃ، ۱۳۸۷ھ،

۵۰ جامع الاصول — علامہ مجد الدین ابو السعادات مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری (م: ۶۰۶ھ)
مطبعۃ الملاح، ۱۹۷۱ء،

۵۱ الجامع الصغیر — حافظ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی (م: ۹۱۱ھ)
شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی و اولادہ، مصر ۱۳۵۸ھ،

۵۲	جمع الجوامع	علامہ حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (م: سنہ ۹۱۱ھ) الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب
۵۳	جمع الفوائد	امام محمد بن محمد بن سلیمان (م: سنہ ۱۰۹۴ھ) السید عبداللہ ہاشم الیمانی المدنی، مدینہ سنہ ۱۹۶۱ء
۵۴	جواہر الحسان	علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف الثعالبی (م: سنہ ۸۷۵ھ) مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت،
۵۵	حجۃ اللہ البالغۃ	حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م: سنہ ۱۱۷۶ھ) المکتبۃ السلفیۃ، لاہور سنہ ۱۳۹۵ھ،
۵۶	خلاصۃ الفتاوٰی	علامہ طاہر بن احمد بن عبدالرشید (م: سنہ ۵۴۲ھ) منشی نول کشور، لکھنؤ سنہ ۱۳۲۹ھ،
۵۷	درمختار	علامہ محمد بن علی بن محمد المعروف بالحصکفی (م: سنہ ۱۰۸۸ھ) (مطبوع مع شرحہ ردالمختار)، مکتبۂ نعمانیہ، دیوبند،
۵۸	الدر المنثور	حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (م: سنہ ۹۱۱ھ) طبع قدیم، مطبع موجود نہیں،
۵۹	ردالمختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز الشہیر بابن عابدین (م: سنہ ۱۲۵۲ھ) مکتبۂ نعمانیہ، دیوبند،
۶۰	رسالۃ المسترشدین	ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی (م: سنہ ۲۴۳ھ) مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب سنہ ۱۳۸۳ھ،
۶۱	الرفع والتکمیل	مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی (م: سنہ ۳۰۴ھ) مکتب المطبعۃ اسلامیۃ، حلب سنہ ۱۹۶۸ء
۶۲	روح البیان	شیخ اسماعیل حقی بن المصطفیٰ (م: سنہ ۱۱۳۷ھ) المطبعۃ العامرۃ سنہ ۱۲۸۵ھ،

۶۳ روح المعانی — علامہ سید محمود آلوسی (م: ۱۲۷۰ھ)
مکتبۃ الرشیدیۃ، لاہور ۱۳۹۰ھ،

۶۴ زہر الربی — حافظ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی (م: ۹۱۱ھ)
(مطبوع مع متن "سنن نسائی") نور محمد اصح المطابع، کراچی،

۶۵ السراج المنیر — علامہ علی بن احمد بن محمد الشہیر بالعزیزی (م: ۱۰۷۰ھ)
المطبعۃ الازہریۃ، مصر ۱۳۲۴ھ،

۶۶ السعی الحثیث — حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، مفتی اعظم پاکستان (م: ۱۳۹۶ھ)
(جزو "احکام القرآن") انٹرنیشنل پریس میکلوڈ روڈ کراچی ۱۳۸۹ھ

۶۷ السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیۃ — حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م: ۱۳۶۲ھ)
محمد عثمان تاجر کتب، دریبہ کلاں، دہلی،

۶۸ سنن ابن ماجہ — امام ابوعبداللہ محمد بن یزید الشہیر بابن ماجہ (م: ۲۷۳ھ)
نور محمد اصح المطابع، کراچی،

۶۹ سنن ابی داؤد — امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق (م: ۲۷۵ھ)
نور محمد اصح المطابع، کراچی،

۷۰ سنن ترمذی — امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (م: ۲۷۹ھ)
قرآن محل، کراچی،

۷۱ سنن دارمی — امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی (م: ۲۵۵ھ)
ناشر: السید عبداللہ ہاشم یمانی، المدینۃ المنورہ ۱۳۸۶ھ

۷۲ السنن الکبریٰ — امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (م: ۴۵۸ھ)
دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۵۵ھ،

۷۳ سنن نسائی — امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی نسائی (م: ۳۰۳ھ)
نور محمد اصح المطابع، کراچی،

۷۴ شرح سفر السعادة — شیخ ابو المجد عبد الحق محدث دہلوی (م: ۱۰۵۲ھ)
منشی نول کشور ۱۸۷۵ء

۷۵ شرح السنة — محی السنة ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی (م: ۵۱۶ھ)
المکتب الاسلامی، ۱۳۹۴ھ،

۷۶ الشرح الصغیر — علامہ ابو البرکات محمد بن احمد الدردیر (م: ۱۲۰۱ھ)
دار المعارف، مصر ۱۹۷۳ء

۷۷ شرح المهذب — امام ابو زکریا محی الدین یحیٰی بن شرف النووی (م: ۶۷۶ھ)
ناشر: زکریا یوسف علی

۷۸ شذرات الذهب — علامہ ابو الفلاح عبد الحی بن العماد (م: ۱۰۸۹ھ)
دار الآفاق الجدیدہ، بیروت،

۷۹ صحیح بخاری — امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م: ۲۵۶ھ)
نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ،

۸۰ صحیح مسلم — امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم (م: ۲۶۱ھ)
نور محمد اصح المطابع ۱۳۷۵ھ۔

۸۱ الطبقات الکبری — امام ابو عبد اللہ محمد بن سعد (م: ۲۳۰ھ)
دار صادر - دار بیروت ۱۹۵۷ء

۸۲ عارضة الاحوذی — امام ابوبکر محمد بن عبد اللہ الاشبیلی المعروف بابن العربی (م: ۵۴۶ھ)
المطبعة المصریة، ازہر ۱۳۵۰ھ

۸۳ عنایہ — امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی (م: ۷۸۶ھ)
(مطبوع علی ہامش "فتح القدیر") مطبعہ مصطفیٰ محمد، مصر ۱۳۵۶ھ

۸۴ علوم الحدیث — امام ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن الشہرزوری (م: ۶۴۳ھ)
المکتبة العلمیة۔ المدینة المنورہ ۱۹۷۲ء۔

۸۵ عمدۃ القاری — علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ)
دار الطباعۃ العامرہ، ترکی ۱۳۰۸ھ،

۸۶ عوارف المعارف — امام شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد بن عبداللہ سہروردی (م ۶۳۲ھ)
دار الکتاب العربی، بیروت ۱۹۶۶ء،

۸۷ عون المعبود — مولانا ابو الطیب محمد بن امیر الشہیر بشمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ)
دار الکتاب العربی، بیروت،

۸۸ غمز عیون البصائر — علامہ احمد بن محمد الحنفی الحموی (م ۱۰۹۸ھ)
منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۷۷ء،

۸۹ الفتاوی الخیریہ — علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی (م ۱۰۸۱ھ)
المطبعۃ العثمانیہ، استانبول ۱۳۱۱ھ

۹۰ فتاوی عالمگیری — مختلف مؤلفین
شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی و اولادہ، مصر ۱۳۲۳ھ

۹۱ فتح الباری — حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ)
دار المعرفۃ، بیروت،

۹۲ فتح البیان — ابو الطیب نواب صدیق حسن خان قنوجی (م ۱۳۰۷ھ)
مطبعۃ العاصمۃ، قاہرۃ،

۹۳ فتح العلام — ابو الطیب نواب صدیق حسن خان قنوجی (م ۱۳۰۷ھ)
مطبعۃ امیریۃ بولاق، مصر ۱۳۰۲ھ،

۹۴ فتح القدیر — علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الھمام (م ۶۸۱ھ)
مطبعۃ مصطفی محمد، مصر ۱۳۵۶ھ،

۹۵ فتح المغیث — امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی (م ۹۰۲ھ)
المکتبۃ العلمیۃ، المدینۃ المنورۃ ۱۳۸۹ھ

۹۶ فتح الاسماع — شیخ ابوالمجد عبدالحق محدث دہلوی (م: ۱۰۵۲ھ)
مطبوع مع "کتاب المکاتیب والرسائل" مطبع مجتبائی، دہلی ۱۲۹۶ھ

۹۷ فریبِ تمدن (اُردو) اکرام اللہ ۔ ایم ۔ اے ۔
اقبال پبلیکیشنز، فتح گنج، امین آباد روڈ، لکھنؤ ۱۹۷۰ء

۹۸ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ — علامہ عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری (م: ۱۳۶۰ھ)
المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر ۱۳۹۲ھ،

۹۹ فوائد الفواد (اُردو) ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (م: ۷۲۵ھ)
علماء اکیڈمی، اوقاف پنجاب۔ لاہور ۱۳۹۳ھ،

۱۰۰ فیض الباری — حضرت مولانا انور شاہ کشمیری (م: ۱۳۹۲ھ)،
مجلس علمی: مطبعۃ الحجازی، قاہرۃ ۱۹۳۸ء،

۱۰۱ فیض القدیر — علامہ زین الدین عبدالرؤف محمد بن تاج العارفین المناوی (م: ۱۰۳۱ھ)
مطبعۃ مصطفی محمد ۱۹۳۸ء

۱۰۲ القاموس المحیط — علامہ مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروزآبادی (م: ۸۱۷ھ)
المطبعۃ الحسینیۃ، مصر ۱۳۴۴ھ

۱۰۳ القرآن الکریم

۱۰۴ کبیری شرح منیۃ المصلی — علامہ ابراہیم حلبی (م: ۹۵۶ھ)
مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۲۳ھ

۱۰۵ کتاب التوابین — امام ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی (م: ۶۲۰ھ)
دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۳۹۴ھ،

۱۰۶ کتاب الروح — حافظ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم الجوزیۃ (م: ۷۵۱ھ)
مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ

۱۰۷ کتاب مقدس (بائیبل) ————————
پاکستان بائیبل سوسائٹی، انارکلی لاہور ۱۹۶۵ء

۱۰۸ الکشاف — امام ابوالقاسم محمد بن عمر الزمخشری (م: ۵۲۸ھ)
مطبعۃ الاستقامۃ، قاہرہ ۱۹۴۶ء

۱۰۹ کشکول — حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان (م: ۱۳۹۶ھ)
دارالاشاعت، مولوی مسافر خانہ کراچی ۱۹۶۳ء

۱۱۰ کشف الغمۃ — امام ابوالمواہب عبدالوہاب بن احمد شعرانی (م: ۹۷۳ھ)
المطبعۃ المنیریۃ، ازہر ۱۳۷۳ھ

۱۱۱ کف الرعاع — امام ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن حجر المکی الہیثمی (م: ۹۷۴ھ)
(مطبوع علی ہامش الزواجر) شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ مصر ۱۳۷۰ھ

۱۱۲ کنز الدقائق — امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (م: ۷۰۱ھ)
مطبع قاسمی، دیوبند ۱۳۳۵ھ

۱۱۳ کنز العمال — شیخ علاء الدین علی المتقی (م: ۹۷۵ھ)
دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۱۷ھ

۱۱۴ اللآلی المصنوعۃ — حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (م: ۹۱۱ھ)
المکتبۃ الحسینیۃ المصریۃ، ازہر ۱۳۵۲ھ

۱۱۵ لسان العرب — علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد المعروف بابن المنظور الافریقی (م: ۷۱۱ھ)
مطبعۃ المیریۃ بولاق، مصر ۱۳۰۴ھ

۱۱۶ ماتمس الیہ الحاجۃ — مولانا محمد عبدالرشید نعمانی
نور محمد اصح المطابع، کراچی

۱۱۷ المبسوط — امام شمس الائمہ ابوحامد محمد بن احمد بن ابی سہل (م: ۴۸۳ھ)
مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۰۴ھ

۱۱۸ مجمع بحار الانوار — علامہ محمد طاہر بن علی الصدیقی پٹنی (م: ۹۸۶ھ)
مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۲۸۳ھ

۱۱۹ مجمع الزوائد — حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (م: ۸۰۷ھ)
دار الکتاب، بیروت ۱۹۶۷ء

۱۲۰ مجموع فتاوی شیخ الاسلام — شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبد الحلیم المعروف بابن تیمیہ (م: ۷۲۸ھ)
مطابع الریاض ۱۳۸۱ھ

۱۲۱ المحلّٰی — علامہ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم (م: ۴۵۶ھ)
ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۱۳۴۸ھ

۱۲۲ مدارج السالکین — حافظ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم الجوزیۃ (م: ۷۵۱ھ)
مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ ۱۳۷۵ھ

۱۲۳ مدارک التنزیل — امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی (م: ۷۰۱ھ)
مکتبۃ العلمیۃ، لاہور ۱۳۹۸ھ

۱۲۴ المدونۃ الکبری — امام مالک بن انس (م: ۱۷۹ھ)
مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۲۳ھ

۱۲۵ مرآۃ الجنان — امام ابو محمد عبد اللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان الیافعی (م: ۷۶۸ھ)
موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت ۱۳۹۰ھ

۱۲۶ مرقاۃ المفاتیح — علامہ نور الدین علی بن سلطان محمد المعروف بالقاری (م: ۱۰۱۴ھ)
مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۸۹ھ

۱۲۷ مستدرک — امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بالحاکم (م: ۴۰۵ھ)
دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن ۱۳۴۲ھ

۱۲۸ مسند ابی داؤد الطیالسی — امام سلیمان بن داؤد الجارود (م: ۲۰۴ھ)
مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن ۱۳۲۱ھ

۱۲۹ مسند احمد — امام احمد بن حنبل الشیبانی (م: ۲۴۱ھ)
المکتب الاسلامی۔ دار صادر، بیروت ۱۳۸۹ھ

۱۳۰ مصنف ابن ابی شیبہ — امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ (م: ۲۳۵ھ)
المطبعۃ العزیزیۃ حیدرآباد دکن ۱۳۸۲ھ،

۱۳۱ مصنف عبدالرزاق — امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (م: ۲۱۱ھ)
مجلس علمی: المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۷۰ء

۱۳۲ المصنوع — علامہ نورالدین علی بن سلطان محمد المعروف بالقاری (م: ۱۰۱۴ھ)
مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب ۱۳۸۹ھ

۱۳۳ المطالب العالیہ — حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م: ۸۵۲ھ)
دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۳۹۳ھ،

۱۳۴ معارف القرآن — حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، مفتی اعظم پاکستان (م: ۱۳۹۶ھ)
ادارۃ المعارف کراچی ۱۴ ۱۹۷۶ء،

۱۳۵ معالم التنزیل — محی السنۃ ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی (م: ۵۱۶ھ)
(مطبوع علی ہامش ابن کثیر، مطبعۃ المنار، مصر ۱۳۴۷ھ)

۱۳۶ معالم السنن — امام احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی (م: ۳۸۸ھ)
(مطبوع مع مختصر ابی داؤد للمنذری) المکتبۃ الاثریۃ، سانگلہ ہل پاکستان ۱۳۹۹ھ

۱۳۷ المعجم الکبیر — حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م: ۳۶۰ھ)
دار العربیۃ للطباعۃ ۱۳۹۸ھ،

۱۳۸ المغنی — امام ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی (م: ۶۲۰ھ)
دار المنار، مصر ۱۳۶۷ھ

۱۳۹ المغنی فی الضعفاء — حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م: ۷۴۸ھ)
دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۹۱ھ،

۱۴۰ المفصل (مع شرحہ) (امام ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری م: ۵۳۸ھ)
(مطبوع مع شرحہ) ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ ، مصر۔

۱۴۱ المقاصد الحسنۃ امام شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (م: ۹۰۲ھ)
مکتبۃ الخانجی مصر ۱۳۷۵ھ ،

۱۴۲ المنتظم امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی الجوزی (م: ۵۹۷ھ)
دائرۃ المعارف العثمانیہ ، حیدرآباد دکن ۱۳۵۸ھ

۱۴۳ منتقی الاخبار امام ابوالبرکات مجدالدین عبدالسلام بن عبداللہ (م: ۶۵۲ھ)
(مطبوع مع شرحہ "نیل الاوطار") مطبعۃ العثمانیہ ، مصر ۱۳۵۷ھ

۱۴۴ موارد الظمآن حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الھیثمی (م: ۸۰۷ھ)
المطبعۃ السلفیۃ ۔

۱۴۵ الموافقات امام ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ اللخمی الشاطبی (م: ۷۹۰ھ)
مطبعۃ المکتبۃ التجاریۃ ، مصر

۱۴۶ مواہب الجلیل امام ابوعبداللہ محمد بن محمد المعروف بالحطاب (م: ۹۵۴ھ)
دارالفکر ، بیروت ۱۹۷۳ء

۱۴۷ میزان الاعتدال حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذھبی (م: ۷۴۸ھ)
داراحیاء الکتب العربیۃ ، ۱۳۸۲ھ

۱۴۸ النجوم الزاہرۃ علامہ جمال الدین ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردی الاتابکی (م: ۸۷۴ھ)
وزارۃ الثقافۃ والارشاد القومی ، مصر ،

۱۴۹ نصب الرایۃ حافظ جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی (م: ۷۶۲ھ)
دارالمامون ، مصر ۱۳۵۷ھ

۱۵۰ النہایۃ علامہ مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری (م: ۶۰۶ھ)
المطبعۃ الخیریۃ ، مصر ، قاہرہ ۱۳۲۲ھ

۱۵۱ نہایۃ المحتاج — علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ الشہیر بالشافعی الصغیر (م: ۱۰۰۴ھ)
دار احیاء التراث العربی، بیروت

۱۵۲ نووی شرح مسلم — امام ابو زکریا محی الدین یحیی بن شرف النووی (م: ۶۷۶ھ)
(مطبوع مع متن صحیح مسلم) نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ

۱۵۳ نیل الاوطار — علامہ محمد بن علی الشوکانی (م: ۱۲۵۵ھ)
مطبعۃ العثمانیہ، مصر ۱۳۵۷ھ

۱۵۴ الوافی بالوفیات — علامہ صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی (م: ۷۶۳ھ)
دار النشر فرانز شتایز لغشبادن طہران ۱۳۸۱ھ

۱۵۵ وجد و سماع — شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبد الحلیم المعروف بابن تیمیہ (م: ۷۲۸ھ)
الھلال بک ایجنسی فاروق گنج لاہور، ۱۳۶۵ھ،

۱۵۶ وفیات الاعیان — قاضی احمد الشہیر بابن خلکان
المطبعۃ المیمنیۃ، مصر ۱۳۱۰ھ

۱۵۷ الھدایہ — شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی (م: ۵۹۳ھ)
کتب خانہ رحیمیہ۔ دیوبند۔

مطبوعات مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱	امداد الفتاوی	کامل ۶ جلدیں	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ
۲	امداد الاحکام	جلد اول	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ
۳	امداد الاحکام	جلد دوم	〃 〃 〃
۴	اعلاء السنن	جلد اول	〃 〃 〃
۵	جواہر الفقہ	جلد اول و جلد دوم	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ
۶	سیرت منصور حلاج		حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ
۷	توزیع الثروۃ فی الاسلام	عربی	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ
۸	اسلامی ذبیحہ		〃
۹	علامات قیامت		حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی
۱۰	درس ترمذی	کامل	حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی
۱۱	علوم القرآن		〃 〃 〃
۱۲	بائبل سے قرآن تک	کامل تین جلدیں	〃 〃 〃
۱۳	بائبل کیا ہے؟		〃 〃 〃
۱۴	تقلید کی شرعی حیثیت		〃 〃 〃
۱۵	عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو		〃 〃 〃
۱۶	احکام اعتکاف		〃 〃 〃
۱۷	ماہی النصرانیۃ	عربی	〃 〃 〃
۱۸	نظرۃ العابرۃ	عربی	〃 〃 〃
۱۹	مأۃ دروس		حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ
۲۰	رحمۃ للعالمین		مولانا عبدالرحمٰن اعظم گڑھی
۲۱	سیرت یعقوب و مملوک		پروفیسر انوار الحسن صاحب
۲۲	حیات عثمانی ؒ (شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ)	زیر طبع	〃 〃
۲۳	امت مسلمہ کی مائیں		حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب
۲۴	آنحضرت کی صاحبزادیاں		〃 〃 〃
۲۵	فضائل علم		〃 〃 〃
۲۶	تحفہ خواتین		〃 〃 〃
۲۷	اصحاب صفہ		〃 〃 〃
۲۸	زاد الطالبین	عربی	〃 〃 〃
۲۹	اسلام اور موسیقی		مولانا عبدالمعز صاحب
۳۰	طریقہ جدیدہ	اول و ثانی	الاستاذ محمد امین المصری
۳۱	آنسر ٹو ماڈرنزم	انگریزی	
۳۲	قادیانی ازم		〃
۳۳	تکملہ فتح الملہم	کامل ۲ جلدیں	
۳۴	[illegible]		مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب
۳۵	[illegible]		〃
۳۶	[illegible]		〃
۳۷	[illegible]		حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب
۳۸	[illegible]		〃

تصانیف

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان

- تفسیر معارف القرآن کامل ۸ جلدیں (اعلیٰ و عام ایڈیشن)
- اسلام کا نظامِ اراضی
- آلاتِ جدیدہ کے شرعی مسائل
- ایمان و کفر قرآن کی روشنی میں
- احکام و تاریخ قربانی
- احکامِ دعاء
- اوزانِ شرعیہ
- احکام و خواص بسم اللہ
- احکامِ حج
- آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- آداب المساجد
- انسانی اعضاء کی پیوندکاری
- اسلام کا نظامِ تقسیمِ دولت
- اسلام اور موسیقی
- اسلامی ذبیحہ
- بیمۂ زندگی
- پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سُود کا مسئلہ
- پیغمبرِ امن و سلامت
- تصویر کے شرعی احکام
- جواہر الفقہ کامل ۳ جلد
- جہاد
- چند عظیم شخصیات
- ختمِ نبوت
- خطباتِ جمعہ و عیدین
- دو شہید
- ذوالنون مصری
- ذکر اللہ اور فضائل
- دُرود و سلام
- رویتِ ہلال
- رفیقِ سفر
- سُنّت و بدعت
- سیرت خاتم الانبیاءؐ
- شہادتِ کائنات
- شب برأت
- شہیدِ کربلاؓ
- ضبطِ ولادت
- علمی کشکول
- علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیحؑ
- فتاویٰ دار العلوم دیوبند کامل ۲ جلدیں
- قرآن میں نظامِ زکوٰۃ
- موت کے وقت شیطانی دھوکہ مع مسافرِ آخرت
- مجالسِ حکیم الامتؒ
- مسئلۂ سُود
- مقامِ صحابہؓ
- میرے والدِ ماجدؒ
- مکاتیبِ حکیم الامتؒ
- مصیبت کے بعد راحت
- نجاتُ المسلمین
- نقوش و تاثرات
- وحدتِ اُمّت

فون ۵۰۴۲۲۸۰ — مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴ — پوسٹ کوڈ ۷۵۱۸۰